متاعِ وقت اور کاروانِ علم

ابن الحسن عباسی

مکتبہ عمر فاروق
4/501 شاہ فیصل کالونی
کراچی پوسٹ کوڈ 75230

متاعِ وقت اور کاروانِ علم

زمانہ کی یہ گردش جاودانہ
حقیقت ایک باقی فسانہ
کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا
فقط امروز ہے تیرا زمانہ

(اقبال)

متاعِ وقت

اور

کاروانِ علم

جس میں وقت کی قدر، زندگی کی اہمیت، اہلِ علم کا ذوقِ مطالعہ، طلبِ علم میں بلند ہمتی اور انکے ہاں وقت کی قدر و قیمت کے واقعات کو ہزاروں صفحات سے چن چن کر دلچسپ و مؤثر انداز میں منتخب کیا گیا، جس کا مطالعہ قاری کو علم کا شوق، تحصیلِ علم میں محنت کا ایک نیا عزم اور وقت کی قدر و اہمیت کا ایک احساسِ تازہ عطا کرے گا۔

ابن الحسن عباسی
شعبۂ تصنیف جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ عمر فاروق
4/301 شاہ فیصل کالونی
کراچی پوسٹ کوڈ 75230

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... متاع وقت اور کاروانِ علم

مؤلف .... ابن الحسن عباسی

بائیسواں ایڈیشن .... شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

تعداد ۲۲۰۰

طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر .... فیاض احمد 0334-3432345 021-34594144

مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

ای میل .... Mfarooq12317@yahoo.com

انتساب

حسین کوہستانی سبزہ زار میں خوابیدہ اس بُزرگ شخصیت کے نام جن کی شفقتوں سے میرے بچپن کی معصوم یادیں وابستہ ہیں، لوگ اُنہیں "ماہ ولی" اور میں اُن کو "مولوی صیب" کہہ کر پُکارتا، گھٹا چھائی ہُوئی اُن پہاڑیوں سے آج بھی جب کبھی گزرتا ہُوں تو دل پر یادوں کا ایک طُوفان ہوتا ہے اور

حضرتِ خواجہؒ کا یہ کلام وردِ زبان ہوتا ہے ؎

ملے خاک میں اہلِ شاں کیسے کیسے
مکیں ہو گئے لامکاں کیسے کیسے
ہُوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اِک دن مَرنا ہے، آخر مَوت ہے
کرلے جو کرنا ہے، آخر مَوت ہے

باسمہ الکریم

عرض سوم

(دیباچہ طبع سوم)

"متاعِ وقت......" کا تیسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے، آج سے چند عرصہ قبل جب یہ کتاب شائع ہوئی تھی، اس وقت اس کا بالکل اندازہ نہیں تھا کہ علمی حلقوں میں یہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور ممتاز اہلِ علم اسے سراہیں گے، کتاب جس کے پاس بھی پہنچی، پسند کی گئی اور پڑھنے والے نے اپنے اندر وقت کی قدر و قیمت کا ایک تازہ جذبہ اور طلبِ علم کا ایک نیا ولولہ محسوس کیا۔ انعام و تحفہ کے طور پر دینے کے لئے یہ ایک مناسب کتاب قرار دی گئی، بعض جگہ اجتماعی طور پر اس کا مطالعہ کیا گیا، اردو کے بڑے اور مُسلّم ادیبوں نے کتاب کی زبان کو سلیس و شگفتہ اور اس کے اسلوب کو کامیاب ادبی اسلوب قرار دیا اور کتاب کے متعلق بعض ایسے جملے کہے جن کا دامن کتاب کے حسن سے بہرحال بڑھ کر ہے، اس کا کچھ اندازہ ان خطوط، تبصروں اور تقریظات سے ہوا جن میں بعض اس ایڈیشن میں شاملِ اشاعت ہیں....... الحمدللہ میرے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی یہ وہم نہیں آیا کہ یہ میری کاوش کا نتیجہ ہے بلکہ ذہن میں ہمیشہ یہ حقیقت جاں گزیں رہی کہ جن نفوسِ قدسیہ کا یہ تذکرہ ہے، اِس کی یہ قبولیت اُن ہی کی برکت اور اِس کے ساتھ یہ دلچسپی انہی کے دم سے ہے۔

یہ بات میرے لئے باعثِ سعادت بھی ہے اور باعثِ خوشی بھی کہ بعض انتہائی مصروف علمی شخصیات نے کتاب اول تا آخر پڑھی اور بڑے بلند الفاظ میں کتاب کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمایا..... شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ) نے تو شفقت کی انتہاء

فرمادی انہوں نے نہ صرف یہ کہ پوری کتاب مطالعہ فرمائی بلکہ کتاب میں جہاں جہاں غلطیاں ان کی نظر سے گزریں، ان مقامات کی نشان دہی بھی فرمائی، اسی طرح استاذ محترم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم (صدر دارالعلوم کراچی) نے بھی کتاب اول تا آخر مطالعہ فرمائی، اغلاط کی نشان دہی کی اور بڑے جاندار اسلوب میں کتاب کے لئے تقریظ لکھی، اس ایڈیشن میں ان اغلاط کی تصحیح کے ساتھ ساتھ محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی شامل کردیا گیا ہے۔ اس طرح کتاب کے دوسرے باب میں اب پچاس کے بجائے اکیاون علماء کا ذکر آگیا۔

میری تمنا ہے کہ طلبہ اس کتاب کا مطالعہ ایک بار ضرور کریں، انسان کی فطرت ہے کہ وہ بلندیوں کو دیکھ کر بلند ہونا چاہتا ہے اور پستیوں میں رہ کر اس کی خداد صلاحیتوں کی وسعتیں سمٹنے لگتی ہیں۔ پہاڑوں کی چٹانوں پر بسیرا کرنے والے شاہین کا نظارہ ہی کسی شجر بلند کی شاخ پر نشیمن بنانے کا جذبہ ابھارتا ہے، اولوالعزم اور باہمت رجال کی داستانوں کے مطالعہ کی ترغیب اسی لئے دی جاتی ہے کہ وہ انسان کے اندر عزم و ہمت اور حوصلہ و جرأت کا بیج بوتی اور خاکستر میں دبی ہوئی چنگاریوں کو فروزاں کرتی ہیں۔

اس کتاب میں جن نفوسِ قدسیہ کا ذکر ہے اُن کی جدوجہد اور طلب علم کے واقعات کا مطالعہ علمی ترقی میں ہمارا معاون بن سکتا ہے، اُن کی تابناک زندگی ہماری راکھ کے انبار سے بجلیاں پیدا کرسکتی ہے، ان اعلام ہی کی تاریخ ہمارے سوئے ہوئے جذبوں کو جگا سکتی ہے اور اسی سے سینۂ ویران میں جانِ رفتہ آسکتی ہے، اللہ کرے یہ کتاب ہر طالب علم کے لئے رفیق راہِ منزل ثابت ہو

ابن الحسن عباسی

۲۸، شعبان ۱۴۱۹ھ

آئینہ

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	عرضِ مؤلف	
۲۳	اے میرے رب!	۱
	تقریظ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب	۲
۲۳	تقریظ حضرت مولانا سبحان محمود صاحب	۳
۲۴	تقریظ حضرت مولانا حبیب اللہ مختار صاحب	۴
۲۶	تقریظ حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب	۵
۲۸	تقریظ حضرت مولانا محمد ناظم ندوی صاحب	۶
	تقریظ حضرت مولانا نذیر احمد صاحب	۷
۳۲	مقدمہ ــــ مولانا ڈاکٹر محمد عادل صاحب	۸
۳۷	پیش لفظ ــــ مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب	۹
	باب اول، متاعِ وقت	۱۰
۴۳	رَو میں ہے رخشِ عمر	۱۱
۴۵	گلہائے رنگ رنگ میں ہے	۱۲
//	تنوع مکان	۱۳
۴۷	تنوع زمان	۱۴
۴۹	منازل زندگی کا تنوع	۱۵
۵۲	زندگی کی قدر اور اس کا احساس	۱۶
۵۸	وقت سائنسدانوں کی نظر میں	۱۷
۶۶	وقت کی قدر و قیمت	۱۸
۶۹	وقت واقعات کا ایک سمندر ہے	۱۹
//	وقت ہی زندگی ہے	۲۰
۶۹	"پھر پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"	۲۱
۶۹	وقت کو کام میں لائیے	۲۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۳	لفظ "کل" ایک بہت بڑا دھوکہ ہے	۷۰
۲۴	وقت کے چند غیر مسلم قدر داں	۷۲
۲۵	ضیاع وقت خودکشی	۷۳
۲۶	وقت خام مسالے کی مانند ہے	
۲۷	وقت ایک عام نعمت ہے	۷۵
۲۸	رفتار وقت کا شعور واحساس	۷۶
۲۹	وقت بچانے کے چند اہم اصول	۷۹
۳۰	نظام الاوقات	〃
۳۱	صحت	۸۲
۳۲	احتساب	۸۳
۳۳	وقت کی تہہ میں قوموں کا راز مضمر ہے	۸۴
۳۴	وقت کی قدر اہلِ علم کی نظر میں	۸۸
۳۵	لایعنی لوگوں سے اللہ کی پناہ	〃
۳۶	وقت بچانیکی ایک صورت	۸۹
۳۷	وقت کی قدر شناسی بڑے نصیب کی بات ہے	۹۰
۳۸	جس سے محنت کا جذبہ زندہ رہے	۹۲
۳۹	مولانا اشرف علی تھانوی	۹۵
۴۰	مولانا مفتی محمد شفیع	۹۶
۴۱	مسلمان مصنفین کے عظیم تصنیفی کارناموں کا راز	۹۷
۴۲	اے وائے تن آسانی	۱۰۲
۴۳	بابِ دوم، کاروانِ علم	۱۰۹
۴۴	امیر المؤمنین فی الحدیث سیدنا محمد بن اسماعیل بخاریؒ	۱۱۱
۴۵	کچھ بخاری کے وطن بخارا کے بارے میں	۱۱۲
۴۶	بخارا کی تاریخ پر ایک سرسری نظر	۱۱۳
۴۷	تربیت، اسفار، شیوخ	۱۱۵
۴۸	عبقریت علم حدیث میں	۱۱۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۹	حافظہ کے کرشمے	۱۱۹
۵۰	رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد	۱۲۲
۵۱	امام بخاری کا عجیب کلام	۱۲۴
۵۲	لذت بیداریٔ شب	۱۲۶
۵۳	امام اپنوں کے ساتھ	۱۲۷
۵۴	امام کا معاملہ فانی دنیا کے ساتھ	۱۲۸
۵۵	الغرض	۱۲۹
۵۶	گوہر وہی ہے جو طوفاں میں پل گئے	۱۳۰
۵۷	ذرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنار	۱۳۵
۵۸	آواز دی خزاں نے تو بھی نظر میں ہے	۱۳۹
۵۹	دنیا کے ہنگاموں سے اُکتا گیا ہوں یارب!	〃
۶۰	مدتوں رو دیا کریں گے جام و پیمانہ مجھے	۱۴۰
۶۱	گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا	۱۴۱
۶۲	امام زہری	۱۴۶
۶۳	خلیل نحوی موجدِ علمِ عروض	۱۴۸
۶۴	اختراعی صلاحیت	〃
۶۵	اباجی پاگل ہو گئے ہیں	۱۴۹
۶۶	وقت ضائع ہونے کی فکر	۱۵۱
۶۷	علمی انہماک اور آخرت کا سفر	〃
۶۸	امام ابو یوسف	۱۵۳
۶۹	بہری سے دل کی دباغت	۱۵۴
۷۰	نہ ہو قناعت شعار گلچیں	〃
۷۱	امام محمد	۱۵۶
۷۲	وکیع کا نظام الاوقات	۱۵۹
۷۳	امام شافعی	۱۶۲
۷۴	عبید بن یعیش	۱۶۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۵	یحییٰ بن معین	۱۶۷
۷۶	عشق است و ہزار بدگمانی	۱۶۹
۷۷	علامہ جاحظ	
۷۸	دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک	۱۷۱
۷۹	زبان کیا چیز ہے؟	
۸۰	وہ ولولے کہاں، وہ جوانی کدھر گئی!	
۸۱	کوچہ جاناں میں مرگ	۱۷۳
۸۲	محمد بن سحنون انہماک علمی کے عالم میں	۱۷۴
۸۳	امام مسلم شہید علم	۱۷۵
۸۴	ابو حاتم الرازی	۱۷۷
۸۵	عبدالرحمٰن بن ابی حاتم	۱۸۱
۸۶	جنت میں محل	〃
۸۷	امام ثعلب	۱۸۳
۸۸	ابن جریر	۱۸۴
۸۹	ابن الانباری	۱۸۶
۹۰	لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول	〃
۹۱	تصانیف	۱۸۷
۹۲	بخل پر اجماع	〃
۹۳	حاکم شہید کی خاموش ملاقاتیں	۱۸۸
۹۴	امیر محترم! آپ واپس تشریف لے چلیں	〃
۹۵	عاشق علم! ابن سینا	۱۹۰
۹۶	امام الحرمین	۱۹۳
۹۷	ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی	۱۹۶
۹۸	ابن عقیل	۱۹۸
۹۹	دنیا کی سب سے بڑی کتاب	۱۹۹
۱۰۰	فتح بن خاقان	۲۰۱

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۱۰۱	علامہ زمخشری	۲۰۲
۱۰۲	کس قدر لذت کشود عقدۂ مشکل میں ہے	〃
۱۰۳	فلسفیٔ اسلام ابن رشد	۲۰۵
۱۰۴	ابن جوزی	۲۰۷
۱۰۵	طالبعلمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ	۲۰۸
۱۰۶	عبد الغنی مقدسی	۲۱۳
۱۰۷	ابن سکینہ	۲۱۴
۱۰۸	صرف سلام پر اکتفا کرو	〃
۱۰۹	حافظ منذری	۲۱۶
۱۱۰	امام النحویین ابن مالک	۲۱۷
۱۱۱	امام نووی	۲۱۸
۱۱۲	شیخ الاسلام ابن تیمیہ	۲۲۰
۱۱۳	شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا	〃
۱۱۴	حافظ ابن حجر	۲۲۵
۱۱۵	وقت کی قدر اور اسکی برکت	۲۲۶
۱۱۶	علامہ عینی	۲۲۷
۱۱۷	ایک دلچسپ معاصرانہ چوٹ	۲۲۸
۱۱۸	شیخ الاسلام زکریا انصاری	۲۳۰
۱۱۹	ایک وصیت	۲۳۱
۱۲۰	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۲۳۲
۱۲۱	حضرت شاہ عبد العزیز	۲۳۴
"	مولانا رشید احمد گنگوہی	۲۳۵
۱۲۳	مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی	۲۳۷
۱۲۴	مولانا خلیل احمد سہارنپوری	۲۳۹
۱۲۵	خاتمۃ المحدثین حضرت شیخ انور شاہ کشمیری	۲۴۲
۱۲۶	[illegible] محنت	۲۴۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۲۷	کتاب بھی تو ایک روگ ہے اس روگ کا کیا کروں!	۲۴۷
۱۲۸	حکیم الامت حضرت تھانوی	۲۵۰
۱۲۹	شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب	۲۵۲
۱۳۰	ہفتہ بھر دن رات مطالعہ	۲۵۵
۱۳۱	مولانا ابو الکلام آزاد	۲۵۶
۱۳۲	آزاد کی تیس سالہ زندگی خود ان کی زبانی	۲۵۷
۱۳۳	فراغتے و کتابے و گوشہ چمنے	۲۶۲
۱۳۴	عیش زندگی کا سب سے بہتر تصور	〃
۱۳۵	استغنا بر کتاب	۲۶۳
۱۳۶	سحر خیزی	۲۶۴
۱۳۷	مولانا ادریس کاندھلوی	۲۶۸
۱۳۸	مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۲۷۰
۱۳۹	طلب علم میں انہماک	۲۷۳
۱۴۰	علمی مذاق	〃
۱۴۱	مطالعے کا ذوق	۲۷۴
۱۴۲	کتاب سے عشق	۲۷۷
۱۴۳	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب	۲۸۳
۱۴۳	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا	۲۸۴
۱۴۴	حرج علم یا حرج طعام	۲۹۰
۱۴۵	کسی حادثہ کی اطلاع کے وقت آپ کا معمول	۲۹۲
۱۴۶	استاذ المحدثین مولانا سلیم اللہ خان صاحب	۲۹۴
۱۴۷	ستائیس دن میں حفظ قرآن	〃
۱۴۸	دس دن میں مسلم کا حفظ	
۱۴۹	استاذ محترم حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم	۲۹۸
۱۵۰	کتابیات	۳۰۵

اے میرے رب!

(دیباچہ طبع اول)

میرے درس نظامی کی تکمیل میں ابھی دو سال باقی تھے کہ مجھے وقت کی قدر و قیمت پر ایک مضمون لکھنے کا خیال ہوا، اس کے لئے میں نے مواد جمع کرنا شروع کیا، اس مضمون کے لئے وہ مواد پیش نظر کتاب کا پیش خیمہ بنا۔

کتاب کے دو باب ہیں، باب اول میں وقت اور اس کی قدر و قیمت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس حصے میں میرے پیش نظر دو کتابیں رہیں، ایک عرب کے مشہور محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حفظہ اللہ کی کتاب "قيمة الزمن عند العلماء" اور دوسری ڈاکٹر عبدالستار نوری کی کتاب "الوقت هو الحياة" .... ان دونوں کتابوں کے حوالہ دینے کا ہر جگہ التزام نہیں کیا گیا، ان کے علاوہ جو بات جہاں سے لی گئی بقید صفحہ مآخذ کا حوالہ دے دیا گیا۔

دوسرے باب میں اہل علم کے ہاں وقت کی قدر اور زندگی کی اہمیت کا تذکرہ ہے، ان کے ذوق مطالعہ کے واقعات ہیں، طلب علم میں ان کی بلند ہمتی کا بیان ہے اور کتابوں کے سدا بہار چمن کی سیر سے سیر نہ ہونے کے متعلق ان کی زندگی کی وہ داستانیں جمع کی گئی ہیں جو راہ علم کے ہر مسافر کی زندگی کا حصہ ہونی چاہئیں، اس طرح اس باب میں تقریباً پچاس علماء کا تذکرہ آگیا ہے۔

ان کی سوانح کے چمکتے اور مہکتے گلستان کو میں نے اسی نظر سے دیکھا، لکھنے والے جانتے ہیں کہ کسی ایک شخصیت کی مکمل سوانح حیات لکھنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ مختلف شخصیات میں قدرِ مشترک کسی ایک چیز کو موضوعِ قلم بنا کر لکھا جائے کہ اول الذکر کے لئے مواد کی فراہمی آسان ہوتی ہے جب کہ ثانی الذکر میں ہر شخصیت کی پوری سوانح مختلف سوانح عمریوں میں پڑھنی پڑتی ہے کہ نہ معلوم گوہر مقصود کہاں ملتا ہے۔

چنانچہ کتاب میں مذکورہ ایک ایک شخصیت کے مطالعہ کے لئے میں نے میسر تمام مراجع میں اولاً ان کی پوری زندگی پر نظر ڈالی اور پھر اپنے منتخب موضوع کے لئے متعلقہ واقعات کا انتخاب کیا، کتاب کے آخر میں مراجع کی فہرست سے اس کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے، البتہ اگر کسی کی زندگی کے کسی اہم واقعہ نے نظر کو خیرہ کیا یا کوئی دلچسپ لطیفہ نظر نواز ہوا تو قاری کی دلچسپی کا سامان سمجھ کر اس کو بھی ذکر کردیا تاکہ کتاب کے ماحول میں نشاط برقرار رہے، اسے ادب کی اصطلاح میں "اِحماض" کہتے ہیں، جہاں مقصد سے نکل جانا اس کی طرف درحقیقت تیزی سے دوبارہ لوٹنے کے لئے ہوتا ہے اور ادب کی یہی وہ صنعت ہے جس میں موضوع سے جدائی و فراق بھی حقیقت میں اس کے وصل و وصال کے لئے ہوتا ہے اور اسی کو اقبال کے الفاظ نے تعبیر کا جامہ کچھ اس انداز سے پہنایا ؎

عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
فروغ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

امام بخاریؒ کے علاوہ باقی اہل علم کے تذکرے میں ترتیب ان کے سنۂ وفات کے اعتبار سے ہے البتہ امام بخاریؒ کا تذکرہ اس باب میں سب سے مقدم رکھا گیا، ان کے حالات مکمل تفصیل کے ساتھ کئی صفحات میں آگئے ہیں، تاہم اس عظیم انسان کے حالاتِ زندگی ہی کچھ ایسے ہیں کہ پڑھتے رہیئے اور سردھنتے رہیئے، ختم کرنے کے بعد بھی دلِ باذوق کی آواز یہی ہوتی ہے کہ....... ؎

چھیڑتی جا، اس عراقِ دلنشیں کے ساز کو
اے مسافر! دل سمجھتا ہے تیری آواز کو

کتاب لکھنے سے لے کر اشاعت تک مختلف مراحل ہوتے ہیں، یہ ان مخلصین کا حق ہوتا ہے جو کسی مرحلہ میں قلمکار کا تعاون کریں کہ ذکر خیر کے ساتھ ان کا شکریہ ادا کیا جائے، چنانچہ...

سب سے پہلے شکریہ ادا کیا جاتا ہے مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری زید مجدھم کا... کہ یہ کتاب درحقیقت انہیں کے اصرار کا نتیجہ ہے، گزشتہ سال جب میری پہلی کتاب

شائع ہوئی، اس وقت جانے کس طرح انہیں میرے پاس موجود اس مسودے کا علم ہوگیا، چنانچہ انہوں نے مجھے اس کی ترتیب و تبییض کے لئے کہا اور حقیقت یہ ہے اگر مولانا اس کی ترتیب کی طرف مجھے توجہ نہ دلاتے تو یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہرگز اتنی جلد نہ پہنچتی... مولانا شیخو پوری صاحب جامعہ بنوریہ کے استاذ حدیث، "ماہنامہ جریدہ الاشرف" کے مدیر اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک رواں دواں قلم کے مالک ہیں، نئے موضوعات پر لکھنے لکھانے اور حوصلہ و ہمت دلانے کا جذبہ ان کا نہ صرف قابل تحسین بلکہ جمود چھائی ہوئی ہماری اس فضا میں قابل تقلید بھی ہے۔

کتنی ہی ایسی صلاحیتیں ہیں جن کے جوہر کی نکھار پر حوصلہ شکنی کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور کتنی ہی ایسی قابلیتیں ہیں جن کی چنگاریوں کو، جمود کے خاکستر ہی نے بجھا رکھا ہے۔

پھر شکریہ ادا کیا جاتا ہے محترمی مولانا نورالبشر صاحب (رفیق شعبۂ تصنیف و استاد جامعہ فاروقیہ) کا کہ انہوں نے مختلف مراحل میں بھرپور تعاون کیا خصوصاً بعض کتابیں مہیّا کرنے میں انہوں نے بڑی امداد کی۔

مولانا شبیر احمد صاحب کشمیری (استاد جامعہ فاروقیہ) اور برادرم ہدایت اللہ سدوخانی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے پروفوں پر نظر ڈالی اور ممکنہ حد تک تصحیح اغلاط کی کوشش کی اور یوں یہ کتاب آپ کے سامنے آئی۔

اس سب "جمع تفریق" کا مقصد یہ اور صرف یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے ممکن ہے کسی کو وقت کی قدر نصیب ہو اور جذبۂ علم اس کے دل میں زندہ ہو، میں اگر اپنے اس مقصد میں کامیاب رہا تو میں اپنی اس کوشش میں کامیاب رہا کہ کسی قلمی کاوش کے لئے اس سے بہتر متاع و صلہ اور کیا ہوسکتا ہے اور اپنے اس مقصد میں کامیابی کے لئے میں یہی دعا کرسکتا ہوں کہ:

"اے میرے رب! تو قطرے سے وہ کام لے سکتا ہے جس سے دریا عاجز ہو، ذرے کو وہ وسعت بخش سکتا ہے جس سے صحرا محروم ہو، ایک پھول کو لہلہاتے گلستان کی مہک عطا کرسکتا ہے اور ایک ہی

موج کے مچلنے سے سمندر کے سناٹوں کو طوفان میں بدل سکتا ہے۔۔
۔ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل۔۔۔ یہ تو تیری ہی مہربانی ہے کہ تونے مجھے توفیق دی یہ لکھنے کی، اس کے لئے مواد جمع کرنے کی اور ان تاریخی شخصیات کے واقعات ترتیب دینے کی جنہوں نے زندگی کی قدر کی اور اس قدرِ زندگی نے انہیں زندگی بخشی، قلم کے مسافر نے جہاں جہاں لغزشیں کی ہیں تو درگذر فرما، ان واقعات کے لکھنے اور پڑھنے والے کو وقت کی قدر عطا کر، علم کا جذبۂ تاباں دے اور محنت کے عزم جواں سے ان کے دل سرشار کر، چار دن کی اس زندگی میں ہم سے وہ کام لے جو یہاں کرنا چاہیئے، اس سے بچا جو یہاں نہیں کرنا چاہیئے، زندگی وہ جو ہم نے ضائع کردی اس کی تلافی کا سامان پیدا فرما، وہ جو باقی ہے بچا بچا کے ہم سے استعمال کرا، یہی دل کی صدا ہے تو دل کی صداؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے، میرے رب! اس صدائے دل کو بھی قبول فرما، آمین۔"

ابن الحسن عباسی
جامعہ فاروقیہ کراچی

متاعِ وقت اہلِ علم کی نظر میں

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

(صدر دارالعلوم کراچی)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم

میرے لئے مشکل ترین کاموں میں ایک کسی کتاب پر تقریظ لکھنا ہے، پوری کتاب پڑھے بغیر اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے لکھنے کی اجازت ضمیر نہیں دیتا، اور پوری پڑھنے کا موقع وقت کی تیز رفتاری نہیں دیتی، خصوصاً جب کہ تقریظ طلب کتابوں کی ماشاء اللہ بہتات ہو۔

دارالعلوم کراچی کے ہونہار فاضل مولوی ابن الحسن عباسی، جنہیں اب "مولانا" لکھنے کو جی چاہتا ہے "متاع وقت" کا گراں قدر تحفہ لائے تو مسرت و حسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اسے بھی سرھانے رکھی ہوئی ان کتابوں کے ساتھ رکھ لیا جن کے مطالعے کی حسرت عرصے سے چلی آرہی ہے۔ مسرت اس کی کہ یہ ان کی تصنیف ہے، حسرت یہ کہ وقت کی پونجی جو خرچ ہوتے ہوتے بظاہر اب بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے اس کے بے شمار تقاضوں میں گم ہوکر اس کتاب کے مطالعے کی بھی شاید حسرت ہی رہ جائے گی۔

تقریظ کا اصرار بڑھا تو بین بین صورت یہ ذہن میں آئی کہ جستہ جستہ چند صفحے دیکھ کر صرف ان کے بارے میں رائے لکھ دی جائے۔ لیکن یہ ابتدائی صفحے ہی "وقت لیوا" ثابت ہوئے، ہر مضمون کے بعد اگلا مضمون اپنی طرف کھینچتا چلا گیا، اور جب کتاب ختم ہوئی تو محسوس ہوا کہ اس نے وقت لیا کم اور دیا زیادہ ہے، کیونکہ اس کتاب نے مجھے اپنے صبح سے رات تک کے مشاغل کا احتساب کرنے پر بار بار مجبور کیا تو نظر آیا کہ اگرچہ

میری موجودہ زندگی کا کوئی وقت بحمد اللہ بے کار یا بے فائدہ تو نہیں گذر رہا، لیکن اگر والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس وصیت پر عمل کی عادت ڈالی جائے کہ "کام کے دوران گھڑی بار بار دیکھا کرو" تو اب جس کام میں جتنا وقت صرف ہو جاتا ہے وہ اس سے کم وقت میں بھی نمٹ جاتا ہے، اور اس طرح خاصا وقت دوسرے کاموں کے لئے بچایا جاسکتا ہے... یہی وہ "متاع" ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے اس کتاب کی بدولت تازہ ہو کر ملی ہے۔ آزما کر دیکھئے، شاید آپ کو بھی کچھ وقت لے کر یہ کتاب بہت سا وقت دے جائے۔

اللہ تعالیٰ نوجوان مصنف کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے، جزائے خیر عطا فرمائے اور کتاب کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول سے نوازے۔ آمین۔

حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ

(سابق شیخ الحدیث و ناظم دارالعلوم کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

الحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ

زیر نظر کتاب "متاع وقت اور کاروان علم" محترم مولوی ابن الحسن عباسی سلمہ اللہ تعالیٰ کی ایک اچھوتی تصنیف ہے، جس میں مؤلف موصوف نے "وقت کی اہمیت" اور "اکابر علمائے امت" کے وقت کو کام میں لانے کے عجیب و غریب واقعات کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور بلاشبہ یہ ایک ایسا انوکھا موضوع ہے جس کی طرف شاید ہی کسی کی نظر گئی ہو۔

"وقت" انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت بھی، جس کی قدر ناشناسی اور ناشکری غفلت کی وجہ سے آج امت میں عام ہے اور جس کی طرف امت کو توجہ دلانا خصوصاً موجودہ دور میں، ایک بہت ضروری امر ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مؤلف سلمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے اس ضرورت کو آسان، سلیس، عام فہم اور دلچسپ پیرائے میں پورا کرکے علمائے امت کی جانب سے اس قرض کو چکا دیا۔

احقر نے ان کی یہ تالیف جستہ جستہ مقامات سے دیکھی اور ہر لحاظ سے اس کو مفید پایا، دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مؤلف کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم و عمل اور عمر میں خوب برکت عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

حضرت مولانا حبیب اللہ مختار صاحب رحمہ اللہ

(سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ، وَالصَّلَاةُ والسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ، وعَلٰى مَنْ تَبِعَ هُدَاهُ وهَدْيَهٗ، اَمَّابَعْد: فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ، وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَشَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ پانچ چیزوں کو پانچ سے قبل غنیمت سمجھو "زندگی کو مرنے سے پہلے اور صحت کو بیماری سے پہلے، اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اور جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اور مالداری کو فقر سے پہلے۔"

دینِ اسلام نے انسان کو یہ بتلایا کہ اسکا ہر ہر چیز پر حساب ہوگا، اس سے ہر چیز کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور اسے اپنے ہر ہر قول و فعل کا جواب دینا ہوگا، کراماً کاتبین اسکے قول و فعل کو لکھ رہے ہیں اور قیامت کے روز اسکے اعمال نامے کو علی رؤس الأشہاد پیش کیا جائے گا، ایسا نہ ہو کہ آج خوابِ غفلت میں پڑے رہو کل یہ کہو کہ ہمیں خبر نہ تھی، ہمیں علم نہ تھا، دیکھو وقت بڑی قیمتی دولت ہے اس سے جو فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھالو، آج فراغت ہے کل اپنے ساتھ بے شمار مشغولیتیں لائے گی، آج صحت ہے کل نہ معلوم کس بیماری کا شکار ہو جاؤ، آج زندہ ہو کل منوں مٹی تلے مدفون ہوگے، آج صحت مند نوجوان ہو، کل نہ معلوم ہلنے کے قابل بھی رہو یا نہ رہو، آج صاحب حیثیت ہو، کل نہ معلوم کس حال میں ہو جاؤ اسلئے جو کرنا ہے کرلو، جو کمانا ہے کمالو، جو فائدہ اٹھانا ہے اٹھالو ورنہ اَلْوَقْتُ كَالسَّيْفِ إِن لَّمْ تَقْطَعْهُ لَقَطَعَكَ، "وقت دو دھاری تلوار ہے اگر تم نے اسے نہ کاٹا تو وہ تمہیں کاٹ ڈالے گی" عقلمندی کا تقاضہ ہے کہ وقت کی قدر کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو پہلے ہی فرمادیا تھا کہ نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ

فِيۡهِمَا كَثِيۡرٌ مِّنَ النَّاسِ، اَلصِّحَّةُ وَ الۡفَرَاغُ۔ "صحت اور فراغت دو ایسی عظیم نعمتیں ہیں جن کے سلسلہ میں بے شمار لوگ خسارے میں رہتے ہیں" اس لئے بعد میں پچھتانے سے یہ بہتر ہے کہ انسان آج قدر کرلے۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ جو حضرات خوفِ خدا رکھتے یا وقت کی قدر جانتے ہیں وہ وقت ضائع نہیں کرتے ہیں، ہر وقت آخرت بنانے اور دنیاوی زندگی سے فائدہ اٹھانے کی فکر انہیں دامن گیر رہتی ہے، وہ آوارگی، بدکاری، وقت کے ضیاع، لہو ولعب اور کھیل کود میں مشغول ہونے کے بجائے دنیا و آخرت کے فوائد حاصل کرنے میں مگن رہتے ہیں اور فکر آخرت انہیں دنیاوی دھندوں یا وقت کے ضیاع سے بچاتی ہے، جسے یہ معلوم ہو کہ دنیا فانی اور عمر مختصر ہے، وہ غیبت، بہتان، تہمت، جھوٹ میں کیونکر مشغول ہوگا، جسے محاسبہ کا ڈر ہے، وہ وقت کی قدر کیوں نہ کرے گا اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے حسن اسلام کی یہ علامت بتلائی ہے کہ وہ لایعنی اور بے کار کاموں کو ترک کر دے اور اس لئے غفلت سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

انسان دنیاوی دھندوں میں پھنس کر آخرت کو بھول جاتا ہے، دنیاوی چکر روپے پیسے کے حصول کے لئے کولہو کا بیل بنا دیتے ہیں، خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے انسان کو اپنے آپ کو پہچاننا اور وقت کی قدر کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے برادر محترم جناب مولانا ابن الحسن عباسی صاحب زید لطفہ (رفیق شعبہ تصنیف و استاذ جامعہ فاروقیہ) کو کہ انہوں نے اس موضوع پر اردو میں فاضلانہ، عالمانہ، ادیبانہ انداز سے قلم اٹھایا، وقت کی اہمیت، قدرو قیمت اور اس سلسلہ میں ہمارے اکابرین کے حالات اور اس کی قدر دانی کے واقعات نقل کئے وقت کی اہمیت اجاگر کرنے اور زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر کرنے کا ذوق پیدا کرنے کا نہایت پیاری جاندار، دیدہ زیب اور دلفریب تحریر کے ساتھ "متاع وقت اور کاروان علم" کے نام سے ذخیرہ مرتب کیا اس موضوع پر یہ ایک اچھوتی تحریر اور انوکھی تصنیف ہے اللہ تعالیٰ جزاء خیر اور برکت دے اور موفق بنائے اور قبولیت سے نوازے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيۡرِ خَلۡقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَ صَحۡبِهٖ اَجۡمَعِيۡن

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب مدظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً أَمَّا بَعْدُ:

وقت جو ماضی، حال اور مستقبل کا نام ہے اور ان مختلف خانوں میں تقسیم ہے، اس کی قدر و قیمت جاننا اور اس کو کام میں لاکر قیمتی بنانا انسان کا وہ مسئلہ ہے کہ جس کا احساس اور اس کی اہمیت کا اندازہ ہر ایک کو ہے لیکن اس بیش بہا خزانے کو صحیح استعمال کر کے اپنے آپ کو بھی قیمتی بنانے کے سلسلے میں ہم میں سے اکثر لوگ غفلت میں ہیں۔ دنیا میں جن لوگوں نے ذاتی یا قومی لحاظ سے وقت کی قدر و قیمت کو جانا اور اس کا صحیح اور بروقت استعمال کیا، چاہے وہ خیر کے لئے ہو یا شر کے لئے، وہ اپنے ارادوں اور عزائم میں کامیاب ہوئے۔

وقت مہلت عمل کا نام ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے نہ اس میں خیر ہے اور نہ شر، البتہ وقت کے اندر ادا کئے گئے عمل کی نوعیت کے اعتبار سے اس کے خیر و شر کا تعین ہوتا ہے، آج دنیا میں دنیا والے جن لوگوں کی تصانیف و تجربات سے فائدہ اٹھاکر دین و دنیا کے فوائد حاصل کررہے ہیں، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے وقت کی قدر و قیمت کو جانا اور اس سے فائدہ اٹھاکر اپنے آپ کو بھی قیمتی بنایا اس لئے آج ہم ان کے علوم و تجربات کے خوشہ چین ہیں اور انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں، علوم و فنون کی وہ کتابیں جنہیں آج ہم اپنی کاہلی اور سستی کی بنا پر پڑھ بھی نہیں سکتے ہیں وقت کی قدر و قیمت جاننے ہی کی وجہ سے ہمارے سامنے موجود ہیں۔

علم و کمال کسبی چیزیں ہیں، یہ کسی قوم یا فرد کی میراث نہیں جو لوگ بھی وقت کی قدر و قیمت جان کر محنت کریں اور تقویٰ کی زندگی اختیار کریں اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں ضرور

نوازتے ہیں۔

مولانا ابن الحسن عباسی کی کتاب "متاعِ وقت اور کاروان علم" دینی ادبیات میں ایک وقیع اور قابل قدر اضافہ ہے، پوری کتاب رواں اور سلیس ادبی زبان اور بر محل اشعار کے استعمال کا ایک بہترین شہ پارہ ہے۔

موضوع بھی اہم اور پھر مولانا موصوف کے رواں قلم نے اس میں جو چاشنی بھری وہ نورٌ علی نور کا مصداق ہے، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔

بندہ علماء کرام اور طالبان سے خصوصی درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ ایک بار ضرور کریں اگرچہ کتاب اس کی مستحق ہے کہ اس کا مطالعہ بار بار کیا جائے اگر اس مطالعہ کے نتیجے میں کسی کے دل میں علم و عمل اور محنت کی خوابیدہ چنگاری بیدار ہوجائے تو کل وہ دنیا سے جاتے ہوئے جگر کی زبان میں دنیا کو کہہ سکے گا کہ ؎

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

بندہ دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور مزید ایسی خدمات کی توفیق نصیب فرمائے اور اس کو ان کی دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بنادے آمین۔

حضرت مولانا محمد ناظم ندوی صاحب مدظلہم

سابق مہتمم ندوۃ العلماء و پروفیسر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
و سابق شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور

"متاع وقت اور کاروان علم" کے مختلف حصوں کو میں نے پڑھوا کر سنا، یہ ایک نہایت قابل قدر کتاب ہے، مؤلف "ابن الحسن عباسی" نے بڑی محنت اور کدو کاوش سے یہ کتاب مرتب کی ہے، کتاب کا اسلوبِ نگارش نہایت دلکش اور دلچسپ ہے، اور اس کی زبان سلیس و رواں ہی نہیں بلکہ ادبی زبان ہے، کتاب کے مطالعہ سے وقت کی قدر و قیمت، علمائے اسلام کی تالیف و تصنیف کے بلند مقام اور ان کی عظیم زندگی کا درخشان ورق سامنے آجاتا ہے، مؤلف موصوف نے پوری سعی و کوشش کی ہے کہ اسلوبِ بیان بلیغ، مؤثر اور ادبی ہو، وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہیں

کتاب کے مطالعہ سے علمائے سلف کی محنت، وقت کی قدر و قیمت اور ان کی عظیم تصنیفات کا اجمالی یا تفصیلی علم ہوجاتا ہے، اردو زبان میں یہ ایک منفرد کتاب ہے کہ اس کے مطالعہ کرنے سے وقت کی قدر و قیمت کا جذبہ دلوں میں بیدار ہوجاتا ہے، مجھے امید ہے کہ اس کتاب سے بڑی کثرت سے طلبہ اور علماء استفادہ کریں گے۔

محمد ناظم ندوی

۲۳ / ذی قعدہ ۱۴۱۷ ھ

۱۹۹۶ / ۴ / ۱۲

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مدظلہم
(شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

جن شخصیات نے دین یا دنیا کے متعلق نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں ان کی صفات حسنہ میں سب سے اہم وصف وقت کی قدردانی ہے، یہی وصف تمام ترقیات کی اساس ہے، دنیوی زندگی میں ملنے والا وقت بے بدل نعمت ہے، آخرت میں اسی وقت کی کمائی کھائی جاسکے گی لیکن آخرت کا وقت کسب و ترقی کا محل نہیں بن سکے گا، خوش نصیبی کی نمایاں علامت یہ ہے کہ وقت کا صحیح انضباط ہو اور اسے ہمت سے نبھایا جائے۔

اس وصف عالی کا احساس بیدار کرنے کے لئے جناب مولانا ابن الحسن عباسی زید مجدہم کی تصنیف "متاعِ وقت اور کاروانِ علم" نہایت ہی مؤثر اور مفید کتاب ہے اس موضوع پر اتنا وسیع اور وقیع مواد جمع فرما دینا مؤلف موصوف زید مجدہم کا کمال بھی ہے اور ناظرین پر احسان عظیم بھی۔

اس موضوع کی تفصیلات کے ضمن میں امت کی مایہ ناز کثیر التعداد شخصیات کے سیرو سوانح کا نہایت عمدہ لباب بھی سامنے آگیا ہے جو گوناگوں افادات و افاضات کا باعث ہے، حسن کتابت اور حسن طباعت نے اس پر اور بھی چار چاند لگائے ہیں۔

دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ حضرت مولانا زید مجدہ کی اس عرق ریزی اور محنت کو قبولیت کاملہ اور نافعیت عامہ سے نوازیں اور شجر مثمر کے ثمرات میں دن بدن ترقیات فرماتے رہیں اور اس کی برکت سے مخلوقِ خدا کو اپنے اوقات محفوظ کرنے کی توفیق سے نوازیں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

متاعِ وقت اور کاروانِ علم (ایک جائزہ و تبصرہ)

مشہور فرانسیسی فلسفی ادیب وولٹائر نے اپنی کتاب "زیڈگ — تقدیر کا ایک بھید" میں ایک دلچسپ سوال و جواب ذکر کیا ہے۔

میگی نے زیڈگ سے سوال کیا "دنیا کی چیزوں میں سے وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ طویل ہے مگر سب سے مختصر بھی، سب سے تیز رفتار بھی اور سُست ترین بھی، سب سے زیادہ تقسیم ہوجانے والی بھی اور سب سے زیادہ کھینچ جانے والی بھی، سب سے زیادہ نظرانداز بھی کی جاتی ہے مگر اسی کا سب سے زیاہ افسوس بھی ہوتا ہے، ایسی چیز جس کے بغیر کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا، جو معمولی چیزوں کو ختم کردیتی ہے مگر غیر معمولی چیزوں کو دوام بخش دیتی ہے؟"

زیڈگ نے بلاتردد جواب دیا "وقت" اور مزید کہا "وقت سے زیادہ طویل کوئی چیز نہیں کیونکہ یہ ابدیت کا پیمانہ ہے، اس سے زیادہ مختصر کوئی شئے نہیں، کیونکہ یہ ہمارے منصوبوں، آرزؤں کی تکمیل کے لئے ہمیشہ ناکافی ثابت ہوتا ہے، اس سے زیادہ سُست رفتار کوئی چیز نہیں اُس کے لئے جو کسی امید و انتظار میں ہو، اس سے زیادہ تیز رفتار کوئی شئے نہیں، اُس کے لئے جو خوشی و مسرت کے لمحات میں ہو، طول میں یہ ابدیت تک جا پہنچتا ہے اور چھوٹا ہونے کی بات ہو تو سیکنڈ کے ہزارویں کیا کروڑوں اربوں حصے میں تقسیم ہوسکتا ہے، ہر شخص اسے نظرانداز کرتا ہے اور سب ہی اس کے ضائع ہونے پر افسوس کرتے ہیں، وقت کے بغیر کچھ نہیں کیا جاسکتا، یہ ہر معمولی واقعے کو آئندہ نسل میں منتقل ہونے سے قبل ہی طاق نسیاں کے حوالے کردیتا ہے اور ہر ایسے عمل کو لافانی بنادیتا ہے جو واقعی عظیم ہو۔"

یہ اور اس قسم کے لاتعداد احساسات شہ پاروں کی شکل میں، وقت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے نصابی و غیر نصابی کتب میں لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ لیکن کیا وقت کو موضوع بناکر ایسی کتاب تیار کی جاسکتی ہے جو ہاتھ میں آئے تو پوری کتاب ختم کئے بنا چین نہ آئے؟ اس سوال کا جواب ہمارے دوست مولانا ابن الحسن عباسی نے "متاعِ وقت اور

کاروان علم" لکھ کر فراہم کردیا ہے، کتاب کیا ہے؟ یوں سمجھئے کہ تیشہ فرہاد نے کوہِ گراں کا سینہ چاک کرکے جوئے شیر بہادیا ہے، ایک ایسا موضوع جس پر قلم لکھنے سے قبل خشک ہونے لگتا ہے اور پڑھنے والا پڑھنے سے پہلے وقت کی بچت کا ارادہ کرلیتا ہے، اس موضوع کو امت کے بڑوں کی زندگی کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات سے مزین کرکے اتنا دلچسپ بنادیا گیا ہے کہ قاری ایک کے بعد ایک صفحہ پڑھ کر پلٹتا چلا جاتا ہے اور جب تک کتاب ختم نہ ہوجائے چین نہیں پاتا، پچاس سے زائد بزرگوں کی سوانح عمریوں سے ایسے واقعات و شواہد کو کشید کرنا جس سے عام آدمی کو یہ احساس ہوجائے کہ ان اکابرین نے اپنے اوقات کو کس کمالِ احتیاط سے استعمال کیا ہے، یقیناً ایک دقت طلب کام تھا مگر مولانا عباسی اس مہم جوئی سے بجا طور پر کامیاب و کامران لوٹے ہیں اور ایک ایسی کتاب مسلمان نوجوانوں کے لئے تالیف کردی ہے جس کے ذریعے نہ صرف ان اکابرین کی قدر دل میں پیدا ہوتی ہے بلکہ قاری خود اپنے لئے بھی وقت کی اہمیت محسوس کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ اسلاف کی اخلاص سے بھری زندگی کے تذکرے انسان کے اندر غیر معمولی قوتِ عمل اور جذبۂ جہد پیدا کرتے ہی ہیں۔

ایک صاحب نے جو ایک معروف ادارے میں اس ادارے کے تقریباً پندرہ ہزار ملازمین کی فنی تربیت کے ذمہ دار ہیں کتاب پڑھ کر یہ رائے دی کہ مجھے (Time Management) کے کورسز پڑھاتے ہوئے ایک عرصہ ہوچکا ہے۔ اس دوران وقت کی قدر اور اس کی ناقابل بیان اہمیت پر بہت سے مواد کا مطالعہ کیا اور ان معلومات و مطالعے کو اپنے کورسز میں استعمال بھی کیا، لیکن یہ کتاب انسان کو اپنی نوعیت کی ایک منفرد جہت سے روشناس کراتی ہے یعنی ہر مصنف نے کسی نہ کسی مقصد کے ساتھ وقت کے استعمال کو نتھی کیا ہے مگر یہاں مولانا موصوف نے وقت کو کائنات کے ایک عظیم مقصد کے ساتھ جوڑا ہے یعنی "اکتسابِ علمِ دین" اس چیز نے کتاب کے مطالعے کو دنیوی اور اخروی دونوں اعتبار سے گراں قدر بنادیا ہے، کتاب تمام ظاہری خوبیوں سے اسی طرح مرصع ہے جیسے باطنی خوبیوں سے، مولانا ابن الحسن عباسی اس کتاب کی تالیف پر یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

حافظ ابن احمد نقشبندی — مدیر الفاروق انٹرنیشنل

مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب
مدیر الفاروق، (عربی، انگریزی)

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحَابَتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

زیر نظر کتاب ہمارے رفیق محترم ابن الحسن عباسی حفظہ اللہ (استاذ جامعہ فاروقیہ) کی تالیف جدید ہے، اس میں آپ نے ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھایا ہے، جس پر قلم اٹھانا وقت کی ایک اہم ضرورت تھی، یعنی وقت کی قدر و قیمت اور اہل علم کا شوقِ علم اور ذوقِ مطالعہ۔

تاریخ میں ہمیشہ نامور قوموں نے وقت کی قدر کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے، خاص طور پر مسلمان قوم جو ایک درخشاں تاریخ رکھتی ہے اور جس کے جاہ و جلال اور عظمت و سطوت کے پرچم صدیوں سربلند رہے ہیں، وقت کی قدر ان کے مذہبی فرائض میں شامل ہے اور قدر دانیٔ وقت ان کی تاریخی خصوصیت رہی ہے۔

وہ صدیوں تک دنیا پر چھائی رہی، علم و حکمت کے میدانوں میں بڑھتی اور اقوام عالم کے سامنے ترقیوں کے منازل طے کرتی رہی، ان کے علم و دانش کی درس گاہیں تو وقت کی اہمیت کی پابند تھیں ہی، تاہم عیش فراواں اور وسعت حکومت رکھنے والے بادشاہوں کے درباروں میں بھی یہ سبق سکھایا جاتا تھا کہ جو کام فائدہ سے خالی ہو اس میں اپنا وقت ضائع نہ کیا جائے۔

مؤلف نے اسی حوالہ سے قلم اٹھایا ہے، کتاب کے دو باب ہیں، باب اول میں وقت کی قدر و قیمت کے مختلف پہلوؤں پر دلکش اسلوب اور ادیبانہ و عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ "وقت کی قدر اہل علم کی نظر میں" "وقت سائنس دانوں کی نظر میں" "وقت بچانے کے چند اہم اصول" "رفتارِ وقت کا شعور و احساس" جیسے کئی متنوع عنوانات کے تحت مؤلف کے قلم نے اس موضوع کی جولا نگاہ میں جو جولانیاں کی ہیں وہ

قاری کو وقت کی قدر و قیمت کا ایک تازہ جذبہ، ایک نیا احساس اور ایک زندہ ولولہ تو عطا کرتی ہی ہیں تاہم ماشاء اللہ ان کے قلم کی جاندار اور ادبی نثر کی حلاوت قاری کو موضوع کی خشکی کا احساس بالکل نہیں ہونے دیتی اور یوں حسین اسلوب کی چاشنیوں میں ایک خشک موضوع کی اہمیت کے نقش، دل و دماغ پر ابھرابھر جاتے ہیں،

مثلاً ان کے قلم سے نکلی ہوئی ذیل کی یہ پر شکوہ عبارت ملاحظہ ہو:

> "اس راہ کے مسافر کے اختیار میں اگر کچھ ہے تو وہ آنے اور جانے کے درمیان عمر فانی کے ان لمحات کا مرحلہ ہے جس کا ظرف تعمیرو تخریب، آبادی و ویرانی اور خار وگل ہر دو کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اب یہ ہر ایک کا اختیاری معاملہ ہے کہ تعمیری پہلو کا انتخاب کرکے اپنے لئے فلاح و کامیابی اور تعمیرو آبادی کا سامان کرتا ہے یا وہ اس کے سیم و تھور کے خارزار میں قدم رکھ کر خود اپنی بربادی اور ویرانی کا راستہ ہموار کرتا ہے، اول الذکر سعادتمندوں کی راہ ہے اور مؤخر الذکر محروم نصیب لوگوں کا راستہ ہے۔"

دوسرے باب میں اہل علم کے نزدیک وقت کی قدرو قیمت، ان کے ذوقِ مطالعہ اور طلب علم میں ان کی قربانیوں کا تذکرہ ہے، اور اس باب میں تقریباً پچاس پاکیزہ صفات، تاریخی شخصیات کے واقعات آگئے ہیں، موصوف نے اس باب میں جس کاروانِ علم کے واقعات لئے ہیں اس میں پہلی، دوسری اور تیسری صدی ہجری کے قدماء بھی ہیں اور زمانۂ حاضر اور ماضی قریب کے اہل علم بھی!

ہم آج کل جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں علم و عمل کا جو حال ہے وہ اہلِ فہم سے پوشیدہ نہیں، طلبہ و علماء آج درس و تدریس سے دور، وقت کی اہمیت کے احساس سے عاری، ذوقِ مطالعہ سے خالی اور قلم و قرطاس سے بے گانہ نظر آتے ہیں۔ دوسرے باب میں ذکر کردہ یہ واقعات جہاں راہِ علم میں ہمارے اسلاف کی لافانی قربانیوں کو واضح کرتے ہیں وہاں یہ ہم سب کے لئے تازیانۂ عبرت بھی ہے کہ ؎

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست　　　　این رشتہ راموز کہ چندیں دراز نیست

ذیل میں ہم اسی باب کے واقعات میں سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ اللہ کے ان نیک بندوں نے کس طرح اپنی زندگیاں علم کی اشاعت میں فنا کر ڈالیں اور زندگی کے ایک ایک لمحہ کی کیسی قدر کی، مثلاً حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ پڑھیئے اور دیکھئے کہ نظام الاوقات پر ان کی پابندی کا کیا عالم تھا، لکھتے ہیں:

"آپؒ کا انضباط اوقات نہایت حیرت انگیز تھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک مشین ہے جو ہر وقت چل رہی ہے، کبھی وقت بے کار نہیں، اوروں کو تو چھوڑیئے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے استاذ تھے ایک بار مہمان ہوئے، آپ نے راحت کے سب ضروری انتظامات کر کے جب تصنیف کا وقت آیا تو بہ ادب عرض کیا کہ "حضرت! میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں، اگر اجازت ہو تو کچھ دیر لکھنے کے بعد حاضر ہو جاؤں" فرمایا "ضرور لکھو، میری وجہ سے اپنا حرج ہرگز نہ کرو، گو اس روز آپ کا دل لکھنے میں لگا نہیں لیکن ناغہ نہ ہونے دیا تاکہ بے برکتی نہ ہو۔"

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچپن کے حالات ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"لوگ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں بسر کرتے ہیں مگر بارہ تیرہ برس کی عمر میں میرا یہ حال تھا کہ کتاب لے کر کسی گوشہ میں جا بیٹھتا اور کوشش کرتا کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہوں۔"

حضرت خاتمۃ المحدثین مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مؤلف لکھتے ہیں:

"آپ نے مطالعہ میں محنت کی شدید مشقتیں اٹھائیں، حتیٰ کہ اپنے آپ کو تھکا تھکا کر رکھ دیا، آپ کی زندگی کی نہ جانے کتنی ہی راتیں ایسی گزریں کہ ان میں پہلو بستر سے ناآشنا اور جدا رہا۔

چنانچہ ایک مرتبہ آپ بیمار ہوئے، علالت طول پکڑ گئی، فجر کے وقت یہ افواہ مشہور ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب کا وصال ہوگیا۔ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ یہ سن کر آپ کے مکان کی طرف لپکے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی البتہ تکلیف کی شدت تھی جو برقرار ہے، عیادت کے لئے یہ حضرات کمرے میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نماز کی چوکی پر بیٹھے سامنے تکیے پر رکھی ہوئی کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہیں اور اندھیرے کیوجہ سے کتاب کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔"

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کا ذکر بھی کتاب میں شامل ہے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی حضرت کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"زمانے نے کروٹیں لیں، گردشِ افلاک نے تغیرات ظاہر کئے۔ موسم بدلے، عمر کے اوقات نے بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کی صورتیں پلٹیں، سب کچھ ہوا لیکن بر ہو یا بحر، حضر ہو یا سفر، ریل ہو یا جہاز، عسر ہو یا یسر، صحت ہو یا مرض، کسی بھی حال میں آپ کے انضباط اوقات اور پابندیٔ معمولات میں تغیر نہ دیکھا، اس استقامت پر ہزاروں ہزار حسی کرامتیں قربان کہ اسی کو اہل دل نے فوق الکرامۃ لکھا ہے۔"

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ خود اپنے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"بسا اوقات رات دن میں ڈھائی تین گھنٹے سے زیادہ سونا نصیب نہیں ہوتا تھا اور بلامبالغہ کئی مرتبہ بلکہ بہت سی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ روٹی کھانا یاد نہیں رہی عصر کے وقت جب ضعف معلوم ہوتا تھا تو اس وقت یاد آتا کہ دوپہر روٹی نہیں کھائی اور رات کو کھانے

کا معمول تو اس سے پہلے ہی چھوٹ گیا تھا، تیس پینتیس گھنٹے روٹی
کھائے ہوئے گزر جاتے تھے۔"

جب یہ حال ہمارے قریب کے بزرگوں کا ہے تو خود خیال فرمایئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عقیل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کے احوال کیسے ہوں گے اور کس کس مصیبت سے ان حضرات نے اپنے اوقات کو فارغ کیا ہوگا اور پھر انہوں نے امت کے لئے کیسی کیسی علمی خدمات انجام دیں کہ آج تک ان کی نظیر پیش نہیں کی جاسکی۔

ہمارے ممدوح ابن الحسن عباسی قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے آپ کے لئے ان تمام شہ پاروں کو ہزاروں صفحات کھنگال کر جمع کیا ہے اور اسلاف کے ذوقِ مطالعہ اور تحصیل علم کے لئے کی جانے والی ان کی مبارک کوششوں کو ایک کتابی شکل عطا کی ہے۔

مجموعی طور پر کتاب کا انداز نہایت ہی آسان اور عام فہم ہے جس سے عام لوگ بھی استفادہ کرسکتے ہیں، کتاب میں جہاں موضوع کی یکسانیت موجود ہے وہاں قاریٔ کتاب کی تفریح طبع کے لئے تاریخی واقعات، اردو عربی و فارسی کے اشعار کو بھی جگہ جگہ ذکر کیا گیا ہے جس سے مطالعہ کی لذت دو چند ہوجاتی ہے۔

اگر اس کتاب کے بار بار مطالعہ کرنے سے وہ رنگ نصیب ہوجائے جو ہمارے اسلاف کا خاصہ اور امتیاز تھا تو مصنف کی محنت وصول ہوجائے گی اور زندگی سنور جائے گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو ان نفوس قدسیہ کی اتباع نصیب فرمائیں، علم کا شوق و ذوق ہماری رگوں میں پیوست فرمائیں اور وقت کی قدر و قیمت کا احساس عطا فرمائیں۔ آمین، یارب العالمین۔

مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب
استاذ حدیث جامعہ بنوریہ کراچی

پیش لفظ

کسی عربی شاعر کا شعر ہے ؎

وَالْوَقْتُ أَنْفَسُ مَاعُنِيتَ بِحِفْظِهٖ
وَأَرَاهُ أَسْهَلَ مَا عَلَيْكَ يَضِيعُ

(یعنی وقت ایک نفیس ترین شی ہے جس کی حفاظت کا تمہیں مکلف بنایا گیا ہے جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہی چیز تمہارے پاس سب سے زیادہ آسانی سے ضائع ہو رہی ہے)

وقت اللہ جلّ شانہ کی ایک ایسی عام نعمت ہے جو امیر و غریب، عالم و جاہل اور چھوٹے بڑے سب کو یکساں ملی ہے، وقت کی مثال کڑکڑاتی دھوپ میں رکھی ہوئی برف کی اس سل سے دی گئی ہے جس سے اگر فائدہ اٹھایا گیا، تو فبہا ورنہ وہ تو بہرحال پگھل ہی جاتی ہے، اس وقت مسلم معاشرہ مجموعی طور پر ضیاعِ وقت کی آفت کا شکار ہے، یورپی معاشرہ اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود وقت کا قدر داں ہے اور زندگی کو ایک نظام کے تحت گزارنے کا پابند ہے، علم و فن اور سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی ترقیوں کا ایک بڑا سبب یہی ہے، جو قومیں وقت کی قدر کرنا جانتی ہیں وہ صحراؤں کو گلشن میں تبدیل کر سکتی ہیں، وہ فضاؤں پر قبضہ کر سکتی ہیں، وہ عناصر کو مسخر کر سکتی ہیں، وہ پہاڑوں کے جگر پاش پاش کر سکتی ہیں، وہ ستاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہیں، وہ زمانہ کی زمامِ قیادت سنبھال سکتی ہیں لیکن جو قومیں وقت کو ضائع کر دیتی ہیں، وقت انہیں ضائع کر دیتا ہے، ایسی قومیں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں وہ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے خسارے میں رہتی ہیں، وقت کا ضیاع ان کے ہاتھوں میں کشکولِ گدائی تھما دیتا ہے، اگر فضول کاموں سے ہم

روزانہ ایک گھنٹہ بچاتے تو کسی بھی سائنس کو اپنے قابو میں لاسکتے تھے، اگر روزانہ ایک گھنٹہ حصول علم کے لئے وقف کرلیتے تو دس سال میں ایک حد تک باخبر عالم بن سکتے تھے اگر روزانہ ایک کتاب کے دس صفحات کا مطالعہ کرتے تو سال بھر میں ساڑھے سات ہزار صفحات پڑھ سکتے تھے لیکن ہم نے وقت کی قدر نہ کی، ہم نے ناخلف اولاد کی طرح اس بیش بہادولت کو اندھا دھند لٹادیا، چنانچہ اسے لٹاتے لٹاتے ہم خود لٹ گئے، ہماری صحت لٹ گئی، ہماری زندگی لٹ گئی، لمحات کی قدرنہ کرنے سے منٹوں کا، منٹوں کی قدر نہ کرنے سے گھنٹوں کا، گھنٹوں کی قدر نہ کرنے سے دنوں کا، دنوں کی قدر نہ کرنے سے ہفتوں کا، ہفتوں کی قدر نہ کرنے سے مہینوں کا اور مہینوں کی قدر نہ کرنے سے سالوں کا ضائع کرنا ہمارے لئے آسان بن گیا ہے۔

ہم قہوہ خانوں، سینما ہالوں، نجی مجلسوں اور رقص و سرور کی محفلوں میں وقت ضائع کرتے ہیں، ہمارا کتنا ہی قیمتی وقت نکتہ چینی، غیبت، بہتان اور بے تحاشا سونے میں ضائع ہوجاتا ہے، اخلاق میں، علوم و فنون میں، ٹیکنالوجی میں، سائنس میں، معاشیات اور تسخیرات و ایجادات میں ہم اقوام عالم سے پیچھے رہ گئے ہیں۔

ہماری اس پستی و ادبار کی ایک بہت بڑی وجہ وقت کا ضیاع اور اس کا غلط استعمال ہے۔

عربی زبان میں وقت کی قدر و قیمت پر کافی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اردو میں اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب اب تک نہیں لکھی گئی اس لئے ضرورت تھی کہ اردو میں ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں وقت کی قدرو قیمت، زندگی کی اہمیت اور علم و مطالعہ کے شوق و جذبے کو اجاگر کیا گیا ہو.........

برادر گرامی......... مولانا ابن الحسن عباسی زید مجدہ نے وقت کی قدر و قیمت ہی کے حوالے سے قلم اٹھایا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ حق ادا کردیا ہے۔

میرے ناقص مطالعے کے مطابق وقت کے موضوع پر اردو زبان میں اتنی جامع اور دلچسپ کتاب اب تک نہیں لکھی گئی، انہوں نے ایک طرف کتاب و سنت کی نصوص اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں وقت کی اہمیت کو ثابت کیا ہے تو دوسری جانب اہل علم

کے محترم اور باوقار کارواں میں سے ایسی پچاس شخصیات کے حالات و واقعات جمع کردیئے ہیں جو وقت کی قدر کرنا جانتے تھے، ان میں سے اکثریت مرحومین کی ہے مگر چند ایک مینارۂ نور کی شکل میں اب بھی حیات ہیں۔ یہ حضرات مال و دولت کے معاملہ میں جس قدر دریا دل واقع ہوئے تھے، وقت کے بارے میں ان کا رویہ اتنا ہی کفایت شعاری اور احتیاط کا رہا، انہوں نے زندگی جیسے عظیم عطیہ کی خوب قدر کی اور ہر لمحہ اور ہر ساعت کو اپنے علمی اور عملی مشاغل کا مصرف بنا ڈالا، ان میں ایک ایک فرد، اصلاح و دعوت، ارشاد و افتاء، تدریس و تربیت اور تصنیف و تالیف کے حوالے سے جتنا کام کرگیا ہے، اتنا کام آج بڑی اکیڈمیاں اور انجمنیں تمام تر وسائل کے باوجود نہیں کرسکتیں۔

انہیں نہ انعام کا لالچ تھا، نہ صلے کی آرزو، نہ حکومتوں کی سرپرستی تھی نہ مآخذ و مراجع کی فراوانی تھی اور نہ ہی حمل و نقل اور طباعت و اشاعت کے جدید ذرائع ان کی دسترس میں تھے لیکن اس کے باوجود علم و تحقیق کے ایسے سنگ میل قائم کرگئے ہیں جنہیں عبور کرنا کم از کم آج کل کے کم ہمت انسانوں کے بس کی بات تو نہیں ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے ابو الوفاء بن عقیل کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ کے اس ایک بندے نے اسی (۸۰) فنون کے بارے میں کتابیں لکھیں ہیں، ان کی ایک کتاب آٹھ سو جلدوں میں ہے اور کہا جاتا ہے کہ دنیا میں لکھی جانے والی کتابوں میں یہ سب سے بڑی کتاب ہے۔ خود علامہ ابن الجوزیؒ نے اسلامی علوم و فنون میں سے تقریباً ہر علم و فن پر کوئی نہ کوئی تصنیف چھوڑی ہے۔

مشہور ہے کہ ان کے آخری غسل کے واسطے پانی گرم کرنے کے لئے وہ برادہ کافی ہوگیا تھا جو صرف احادیث لکھتے ہوئے قلم کے تراشنے میں جمع ہوگیا تھا۔

امام غزالیؒ نے اٹھتر اصلاحی، علمی اور تحقیقی کتابیں لکھیں جن میں صرف "یاقوت التاویل" چالیس جلدوں میں ہے۔

مشہور مسلمان فلسفی اور طبیب ابن سینا کی مختلف تصانیف میں سے "الحاصل و المحصول" بیس جلدوں میں "الانصاف" بیس جلدوں میں "الشفاء" اٹھارہ جلدوں میں "لسان العرب" دس جلدوں میں اور یونہی کئی دیگر کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں۔

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب نے ان جیسے بزرگوں اور ان کے علمی مآثر کا تذکرہ اس کتاب میں انتہائی دل آویز اور اچھوتے انداز میں کیا ہے، یہ ان کے انداز کی برکت ہے کہ بظاہر ایک خشک موضوع ہونے کے باوجود پڑھنے والا کسی لمحہ بھی اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

کتاب کیا ہے؟........ ایک پُر بہار خوبصورت گلشن ہے جس کے پھولوں کی دل آویزی، گل ولالہ کا حسن، روشوں کی پھبن، علم و عمل کے سربفلک درختوں کی قامت زیبا اور دل کو لبھانے اور روح کو وجد میں لانے والے نظارے ایک لمحے کے لئے بھی نظر کو بھٹکنے نہیں دیتے، جملوں کی تراش خراش، الفاظ کے انتخاب، ترکیبوں کی بناوٹ اور اشعار کے استعمال میں انہوں نے جس ادیبانہ مہارت کا ثبوت دیا ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

مجھے تو ان کی ذکاوت و ذہانت، زہد و تقویٰ، سادگی و انکساری، علمی اور تحقیقی ذوق اور ادبی صلاحیتیں دیکھ کر یوں محسوس ہوا کہ قحط الرجال کے اس دور میں دین حق کے سچے ترجمانوں کی صف میں ایک اور فرد کا اضافہ ہوا ہے۔

تہہ دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت دے، انہیں استقامت سے نوازے اور انہیں تازندگی سچے دین کی سچی ترجمانی کی توفیق مرحمت فرمائے۔

محمد اسلم شیخوپوری
یکم محرم ۱۴۱۵ھ

باب اوّل

متاعِ وقت

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ براید فلاں نماند
(شیخ سعدیؒ)

رو میں ہے رخشِ عمر!

بچپن کی معصوم شوخیاں کس قدر ماضی کی حسین یادیں بن جاتی ہیں، عہد شباب کا سیل تندر و وقت کے کوہ و بیابان کو رفتار کی کس تیزی سے طے کرکے انسانی زندگی کا افسانۂ پارینہ بن جاتا ہے اور کہولت و بڑھاپے کی سنجیدگیوں کے دشت میں دوڑنے کے بعد جب زندگی کے اختتام پر راہِ حیات کا مسافر برسوں کے لمحات پر مشتمل قافلۂ وقت پر طائرانہ نظر ڈالتا ہے تو اس کو بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کی شام و سحر سے مرکب حیاتِ مستعار ایک ایسا خواب محسوس ہونے لگتا ہے جس کی ابتدا کا ابھی پوری طرح شعور بھی نہ ہوا ہو کہ آنکھ کھلنے سے اس کے اختتام کا مرحلہ بھی سر ہو جائے ؎

تھا بہت دلچسپ، نیرنگ سراب زندگی
اتنی فرصت ہی نہ پائی جو ٹھہر کے دیکھتے

یہاں نہ اپنی مرضی سے آمد ہے اور نہ اپنی خواہش سے جانے کا سفر، آنے والے کو حیات لائی، آیا، قضا جب چاہے گی، لے چلے گی پھر کہاں اپنی مرضی سے آنا اور جانا ہوا ؎

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی مرضی سے آئے نہ اپنی مرضی سے چلے

اس راہ کے مسافر کے اختیار میں اگر کچھ ہے تو وہ آنے اور جانے کے درمیان عمر فانی کے ان لمحات کا مرحلہ ہے جس کا ظرف تعمیر و تخریب، آبادی و ویرانی اور خار و گل ہر دو کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اب یہ ہر ایک کا اختیاری معاملہ ہے کہ وہ تعمیری پہلو کا انتخاب کرکے اپنے لئے فلاح و کامیابی اور تعمیر و آبادی کا سامان کرتا ہے یا وہ اس کے سیم و تھور کے خار زار میں قدم رکھ کر خود اپنی بربادی اور ویرانی کا راستہ ہموار کرتا ہے اول

الذکر سعادتمندوں کی راہ ہے اور مؤخرالذکر محروم نصیب لوگوں کا راستہ ہے۔

پھر دامن سعادت کی وسعت بھی ہر انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ چمن زیست سے وہ کتنی گلچینی کرکے دامن بھرتا ہے جو جتنی محنت کرے گا اس کا دامن نصیب اتنا ہی ثمر پائے گا، یہ قدرت کا عالمگیر قانون ہے جس میں نہ کبھی کوئی تبدیلی ہوئی ہے، نہ ہوگی فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً وَّلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلاً۔

سکون و ثبات سے خالی، مستقبل کے حال اور حال کے ماضی بننے کا عمل جتنا برق رفتار ہے اتنا ہی حیران کن بھی ہے کہ اِس مرکب کے راکب کو رفتار کی تیزی کا احساس تک نہیں ہوتا، عمر عزیز کی ان قیمتی ساعتوں کی رَو کا گھوڑا ایسا تیز گام ہے کہ اس پر سوار مسافر کے ہاتھ میں نہ اس کے روکنے کی باگ ہے اور نہ رفتار کم کرنے کی لگام! اردو کے مشہور شاعر غالب نے اس مفہوم کو کس خوبصورتی سے شعر کا جامہ پہنایا ۔

رو میں ہے رخش عمر، کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

گلہائے رنگ رنگ سے ہے......

تنوّع اور تفنن سے دلچسپی اور یکسانیت و جمود سے اکتاہٹ انسانی طبیعت کا ہمہ گیر خاصہ ہے، اللہ جلّ شانہ کے فیضان قدرت نے انسانی زندگی میں اس تنوّع اور اختلاف کا ایک ایسا دلکش اور حسین نظام رکھا کہ حضرت انسان پل پل اس تنوّع کی رنگ آرائی سے محظوظ ہوتا رہے۔

تنوّع مکان!

اولاً مکان میں بحر و بر اور خشکی و تری کے تنوّع کی زینت دیکھئے، پھر خشکی پر قدرت نے جن نظر نواز مناظر کا سامان کیا کہ زمین پر بچھے ہوئے سبزہ و سمن میں ملبوس نشیب و فراز، دلکش بلندیاں، رنگا رنگ بستیاں، خوبصورت کہساروں کی حسین اونچائیاں، فرازِ کوہ سے گرتی ہوئی، بہشت گوش نغمات گاتی ندیاں، پھولوں کی خوشنمائی، پتوں کی دلربائی، نکھرے ہوئے مرغزاروں کی زیبائی اور مسکراتے لہلہاتے کھیت و گلشن کی جلوہ آرائی، فیضانِ قدرت کے حسن تخلیق کی نظرافروزی کے لئے جہاں جلوہ گاہِ تنوّع ہے، وہاں بنجر زمینیں، ویران صحرائیں، زندگی کے آثار نمود سے دور، گھٹاؤں میں لپٹی ہوئی کوہستانی سلوٹیں....
....اور ریگستانوں کے خشک لامتناہی سلسلے بھی قدرت کے اس نظامِ کائنات کا حصہ ہیں۔

پس ہر چشم بصیرت کو مکان کی اس دل آویز بوقلمونی کا نظارہ کر کے کہ وہ چاند یہ تارا ہے، وہ پتھر یہ نگیں ہے، وہ کوہ یہ دریا ہے، وہ گردوں یہ زمین ہے، فرحت و سرور کے ساتھ...... خالق کائنات کے وجود اور قدرت کے دلائل آفاقی کے عقدے بھی وا نظر آتے ہیں۔

قرآن نے جگہ جگہ انسان کی توجہ، تنوّع کے اس حسین نظام کی طرف مبذول کرائی

ہے:

﴿وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝﴾ (النحل: ۱۳)

"اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایسی چیزیں اگائیں جن کے رنگ مختلف ہیں، بے شک اس میں سمجھدار قوموں کے لئے (قدرت کے وجود کی) نشانی (اور دلیل) ہے۔"

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝﴾ (الزمر: ۲۱)

"کیا تم نے اس بات کو کبھی نہیں سوچا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس کو زمین کی سوتوں میں داخل کرتا ہے، پھر اس کے ذریعے مختلف رنگوں کی کھیتیاں پیدا کرتا ہے، پھر وہ کھیتی خشک ہوجاتی ہے اور آپ کو وہ زرد نظر آتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو چورا چورا کردیتا ہے، بیشک اس میں اہل عقل کے لئے بڑی عبرت ہے۔"

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝﴾ (فاطر: ۲۸)

"کیا تم نے کبھی اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس کے ذریعے سے ہم نے رنگارنگ پھل نکالے اور اسی طرح پہاڑوں کے بھی مختلف حصوں کی مختلف رنگتیں ہیں، کہ بعض سفید، بعض سرخ اور بعض بہت گہرے سیاہ۔"

تنوّعِ زماں!

پوری زندگی کو جھلمل جھلمل بنانے کے لئے پھر قدرت کی بخشائش کی نمود حسن نے مکان کی طرح زمان میں بھی تنوع کا یہی ساماں پیدا کیا، پس اگر ثبات ہے زمانہ میں تو وہ صرف تغیر ہی کو ہے........ اولاً دن رات کی مختلف حالتوں کو دیکھئے، دن کہ سراپائے روشنی ہے اور رات کہ تاریکی ہستی ہے، وہ تو ہے، پر اس متضاد اختلاف کے بعد بھی شب و روز کے ہر وقت کو ایک معین مقدار کے فاصلہ سے تغیر کے ایک ہمہ گیر نظام کا پابند بنایا گیا، قرآن نے اختلافِ لیل و نہار اور تغیرِاوقات کے اس نظام کو جگہ جگہ بیان کیا ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝﴾ (آل عمران:۱۹۰)

”بیشک آسمان اور زمین کی خلقت اور رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔“

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝﴾

(الروم:۱۷، ۱۸)

”پس تم شام کو اور صبح کو اور زوال کے بعد اور ظہر کو اللہ کی پاکی بیان کرو، کہ تمام آسمان اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے۔“

اوقات کے اس تنوع میں آپ نے کبھی غور کیا ہوگا کہ......

جو چیز آپ کو مسکراتی صبح کی گنگناتی لہروں میں نظر آئے گی، اس کی تاثیر کے جلوے، آپ ڈھلتے دن میں نہیں پائیں گے، آنکھ مچولی کھیلتی ہوئی دھوپ جو نظارا پیش کرے گی، ڈھلتے ہوئے سایوں کا منظر اس سے بالکل مختلف ہوگا، کھلتے ہوئے دن نظرافروزی کا جو سامان مہیا کریں گے، بادل چھائے ہوئے آسمان کی خوشگواری اس سے الگ نوعیت کی ہوگی، آسمان کی قندیلوں اور چاند کی حسن افروزیوں سے مزین راتوں کی تماشگاہ میں جو احساس آپ کو ہوگا، وہ دھوپ سے لدی ہوئی دن کی ساعتوں میں آپ کے وجدان سے

یکسر مختلف ہو گا۔

ذرا تصور کیجئے کہ اگر دن کی روشنی ہی روشنی ہوتی اور رات کی تاریکی کا تنوع نہ ہوتا یا رات کے اندھیرے کو دوام ہوتا اور دن کی سفیدی غائب ہوتی تو زندگی کس قدر بے کیف ہوتی، قرآن نے اسی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا:

﴿قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ (القصص: ۷۱-۷۳)

”آپ کہئے یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آئے تو کیا تم (توحید کے ایسے دلائل) سنتے نہیں ہو۔ آپ کہئے بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم آرام پاؤ، کیا تم (اس شاہد قدرت کو) دیکھتے نہیں، اور یہ اللہ کی رحمت ہے کہ جس نے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات کو آرام کرو اور دن میں روزی تلاش کرو تاکہ ان دو نعمتوں پر تم شکر کرو۔“

پھر وقت کے اس عالمگیر نظام میں موسموں کی تبدیلی و تنوع پر غور کیجئے....

مخمور بہاروں کی آبادیاں دیکھئے اور خزاں رسیدہ چمن کی ویرانیاں دیکھئے، یہ طوفان کے ہنگامہائے برق و باراں ملاحظہ ہوں اور وہ نسیم صبح اور باد صبا کی خوش خرامی کے منظر کے لطف کا اندازہ کیجئے، ایک طرف اگر ٹھنڈک سے جکڑے ہوئے دن اور ٹھٹھرے ہوئے موسم کا تنوع ہے تو دوسری طرف شعلے برساتے آسمان اور آگ اگلتی زمین کی گرمی و تپش

ہے غرض یہ کہ یہ دھیمی دھیمی فضائیں، یہ مہکی مہکی ہوائیں، یہ کالی کالی گھٹائیں، یہ چلچلاتی دھوپ، یہ صبح خورشید درخشاں، یہ شامِ جہاں تاب کا سماں، یہ شبنم کے موتیوں میں چمک، یہ پھولوں کے پیرہن میں مہک، یہ بلبل چمنستانی کا حسن لطافت، یہ شہباز بیابانی کی قوت و شوکت...... سب، قدرت کے حسن تنوع کا وہ بانکپن ہے جو خالق کائنات نے زندگی اور نظام اوقات کو دلچسپ بنانے کے لئے اس میں ودیعت رکھا ہے کہ ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق! اس جہاں میں زیب ہے اختلاف سے

لیکن قدرت کی فیاضیوں نے صرف اس پر بس نہیں کیا، زمان و مکان کے اختلاف کی طرح انسانی عمر کی منزلوں میں بھی تغیّر و تنوع کا سامان پیدا کیا۔

منازلِ زندگی کا تنوّع!

ہر زندگی طفولیت سے آغاز کرتی ہے، نو خیزی طے کرتی ہے، منزلِ شباب سے گزرتی ہے، کہولت کے زینے عبور کرتی ہے، اور بڑھاپے کی منزلِ ضعف پر سفر حیات کا اختتام کرتی ہے۔

انسانی زندگی کا بچپن دیکھئے وہ کتنا مختلف ہوتا ہے، اس کی دنیا میں اجالا ہے تو کھیل کود کے شرر سے، اس کی شوخیوں کا جہاں آباد ہے تو بازیچۂ خاک کے ہنر سے، اس کے گلشن ایام میں بہار ہے تو طفولیت کی سحر سے...... غم دوراں سے دور، جہانِ غفلت کی اس منزل سے ابھی زندگی سیر ہی کہاں ہوئی ہوتی ہے کہ شعور و احساس کی منزل آپہنچتی ہے اور زندگی جوں ہی وہاں قدم رکھتی ہے اس کے احساسات کروٹ لیتے ہیں، اس کی مشغولیتیں تبدیل ہوتی ہیں اور اس کی کاوشوں کا میدان مختلف ہوجاتا ہے...... لیکن یہاں بھی ابھی قدم ہی رکھا ہوتا ہے کہ...... شباب و جوانی کا مرحلۂ ہنگام آپہنچتا ہے...... زندگی کے مسافر کی یہ منزل قوت و نشاط، طاقت و رعنائی اور جمال و زیبائی کی معمور بہاروں سے عبارت ہے، یہاں نئے ولولوں کی دنیا بستی ہے، نئے جذبوں کا جہاں آباد ہوتا ہے، جو بن زیست پھٹا پڑتا ہے اور معمورۂ زندگی کی بزم پر سرمستیوں کی دیوانگی کا سا عالم

چھایا رہتا ہے لیکن ...... بہت ہی جلد سرشاری کے اس عالمِ بیگانگی کا خواب بھی الوداع الوداع کہتا ماضی کا حصہ بن جاتا ہے اور ...... حیاتِ انسانی کے پاس جذبات و احساسات، فکر و تدبر کی ایک نئی منزل دستک دیتی آ حاضر ہوتی ہے، اس منزل میں پہنچ کر قویٰ کے سائے ڈھلنے لگتے ہیں، طاقت کی فصل بہار گزر چکی ہوتی ہے، سفینۂ حیات بڑھتے بڑھتے ساحل عمر کے قریب ہوتا رہتا ہے اور زندگی کی شمع فروزاں دھیمی دھیمی ہو کر کوئی دم کی مہمان ہوتی ہے، اس منزل کے کنارے کھڑے ہو کر راہِ حیات کے مسافر کو منزلِ رفتہ کی یاد ستاتے ہوئے یہ بھی کہنا پڑتا ہے ۔

لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ يَوْمًا
فَأُخْبِرُهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيْبِ

اور اکبر نے اسی منزل پر آکر کہا تھا ۔

بہارِ عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سرے سے جواں ہوکر
ضعیفی زور پر آئی، ہوئے بے دست و پا اکبر
کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہوکر

یہاں زندگی کا ہر تار سینکڑوں گزشتہ نغموں کا اداس مزار معلوم ہوتا ہے اور ...... جیسے ہی یہ منزل ختم ہوتی ہے تب حضرتِ انسان پکار اٹھتا ہے ۔

وائے نادانی! بعد از مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

قرآن نے جا بجا انسانی زندگی کی ان متنوع اور مختلف منازل کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ، ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ، ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ، ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا، ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ، ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ

تَعْقِلُوْنَ ۞ ﴾ (المؤمن: ۶۷)

"وہ (پروردگار) جس نے تمہارا وجود مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر علقہ سے، پھر ایسا ہوا ہے کہ تم کو وہ طفولیت کی حالت میں ماں کے شکم سے نکالتا ہے پھر بڑے ہوتے ہو اور سن تمیز تک پہنچتے ہو، اس کے بعد تمہارا جینا اس لئے ہوتا ہے تاکہ بڑھاپے کی منزل تک پہنچو، پھر تم میں سے کوئی تو ان منزلوں سے پہلے مرجاتا ہے، کوئی چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اپنے مقررہ وقت تک زندگی بسر کرلے۔"

سورۃ روم میں زندگی کی ان ہی منازل کو ایک دوسرے اسلوب میں بیان کیا:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِی خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ، ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً، ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ، وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ۞ ﴾ (الروم: ۵۴)

"اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا، پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی، پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔"

خواجہ مجذوبؒ نے خوب کہا: ؎

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا
جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آکے کیا کیا ستایا
اجل تیرا کردے گی بالکل صفایا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

زندگی کی قدر، وقت کی اہمیت اور اس کا احساس!

انسان کو مختصر سی مدت کی مہلت دی گئی ہے، اس میں وہ جو کچھ بوئے گا، آگے اسی کی فصل کاٹے گا کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور چار دن کی اس عمر مستعار پر اگلی دائمی زندگی کا حال موقوف ہے، اس زندگی کے عمل سے وہ زندگی بنے گی کہ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری!

لیکن یہ عالم رنگ و بو غفلتوں کے ہزار سامان اپنے اندر رکھتا ہے اور یہاں چمک دمک کے ہزاروں جلوے ایسے ہیں کہ ان کے جہاں میں گم ہوکر زندگی کا اصلی ہدف آنکھوں سے اوجھل ہوجاتا ہے اور پیاسے کی طرح سراب کی نمود پر دریا کے گمان جیسا دھوکہ لگا رہتا ہے۔ غفلت کے اس گرداب سے نکلنے اور اصل تعمیری مقصد میں حیاتِ مستعار صرف کرنے کی طرف قرآن نے جابجا انسان کی توجہ مبذول کرائی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْاَرَادَ شُکُوْرًا﴾ (الفرقان: ۶۳)

”اور اللہ وہ ذات ہے جس نے رات دن ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اس شخص کے (سمجھنے کے) لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔“

قرآن میں زمانے اور دن رات کی قسم کے ساتھ ساتھ مختلف اوقات کی قسمیں ملتی ہیں، کہیں صبح کی، کہیں ضحیٰ کی اور کہیں وقت عصر کی قسم کھائی گئی ہے، ان قسموں کا ایک بڑا مقصد پکار پکار کر انسان کو وقت اور عمر عزیز کی گزرتی لہروں سے نفع اٹھانے اور پل پل لمحہ کو تول تول کر خرچ کرنے کی طرف توجہ دلانا ہے۔

شریعت کے احکام میں ذرا غور کیجئے کہ اسلام نے ہر عمل اور حکم کے متعلق ایک معین وقت کے اندر اندر ادائیگی کی پابندی لگائی ہے۔

ہر نماز کی ادائیگی ایک معین وقت کی پابند ہے، اگر وہ وقت نکل جائے تو اس وقت کی نماز قضا تو ہوسکتی ہے لیکن اس قضا کو آپ ادا....... نہیں کہہ سکتے۔

روزہ ہے، سال میں ایک خاص مہینہ اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے اگر اس مخصوص ماہ میں یہ فریضہ ادا نہیں کیا گیا بعد میں پوری زندگی کے روزوں سے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

زکوٰۃ ہے، ایک معین مدت گزر جانے کے بعد اس فریضہ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے۔

حج ہے کہ اس کا ایک مخصوص دن ہے اس دن اگر ادا نہیں کیا گیا تو پھر سال بھر اگر کوئی عرفات کے میدان میں وقوف کرتا رہے اس کو حج نہیں کہا جاسکتا۔

ان پانچ بڑے ارکان کے علاوہ شریعت کے دیگر اکثر احکام بھی اسی طرح وقت کے نظم و ضبط کے ایک مخصوص نظام کے پابند ہیں، اس میں ایک طرف جہاں فریضہ کی بروقت ادائیگی مطلوب ہے وہاں وقت اور اس میں نظم و ضبط کی اہمیت بھی بتانا مقصود ہے۔

وقت کی قدر، عمر عزیز کی اہمیت، اس کے احساس، اور تعمیری زندگی اختیار کرنے کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی مختلف اسلوب و انداز سے توجہ دلائی گئی ہے، حدیث کے مشہور امام، ابوداؤد جن کی "سنن" صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے فرماتے تھے: "میں نے اپنی سنن پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کی ہے۔" (ان کی سنن چار ہزار آٹھ سو احادیث پر مشتمل ہے) پھر انہوں نے اپنی سنن سے اسلامی نظام زندگی کے دستور کی جامعیت پر نمونہ کے طور پر چار احادیث کا انتخاب پیش کیا، ان چار میں ایک حدیث ہے:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ

"آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ایک بات یہ ہے کہ انسان لایعنی مشاغل ترک کردے۔"

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ، وَ صِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ

"پانچ کو پانچ سے پہلے غنیمت سمجھئے، موت سے پہلے زندگی کو، بیماری سے پہلے تندرستی کو، مشغولیت سے پہلے فراغت کی گھڑی کو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، اور فقر سے پہلے مالداری کو۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الرقاق میں اور امام ترمذیؒ نے کتاب الزہد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ

"دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں ایک صحت اور دوسری فراغت۔"

صحت کی قدر اس وقت آتی ہے جب بیماری کی تکلیف سر پر آجاتی ہے اور دوسری نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھئے جو فراغت کی چند گھڑیوں کے لئے ترستے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "جمع الجوامع" میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر روز صبح کو جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس وقت دن یہ اعلان کرتا ہے:

مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّعْمَلَ خَيْرًا فَلْيَعْمَلْهُ، فَإِنِّي غَيْرُ مُكَرَّرٍ عَلَيْكُمْ أَبَدًا

"آج اگر کوئی بھلائی کرسکتا ہے تو کرلے، آج کے بعد میں پھر کبھی واپس نہیں لوٹوں گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ دعا کیا کرتے تھے:

أَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْنَا فِيْ غَمْرَةٍ، وَلَا تَأْخُذْنَا عَلٰى غِرَّةٍ، وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْغَافِلِيْنَ

"اے اللہ! ہمیں شدت میں نہ چھوڑیئے، اور ہمیں غفلت کی حالت میں نہ پکڑیئے اور ہم کو غفلت والوں میں سے نہ بنایئے۔"

فرماتے تھے زمانہ کی گردش اگرچہ ایک عجیب امر ہے لیکن انسان کی غفلت اس سے زیادہ عجیب ہے، انسان کو تو اپنی عمر کے اس دن پر آنسو بہانے چاہئیں جو گزر جائے اور اس میں اس نے کوئی نیکی نہ کی ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ تھی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ صَلَاحَ السَّاعَاتِ وَالْبَرَكَةَ فِي الْاَوْقَاتِ

"اے اللہ! ہم آپ سے زندگی کی ساعات کی بہتری اور اوقات عمر میں برکت کا سوال کرتے ہیں۔"

فرمایا کرتے تھے "میری طبیعت پر یہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جب میں کسی کو بالکل فارغ دیکھوں کہ نہ وہ دین کے کام میں مشغول ہو اور نہ دنیا کے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

اَلْاَیَّامُ صَحَائِفُ أَعْمَارِكُمْ، فَخَلِّدُوْهَا صَالِحَ أَعْمَالِكُمْ

"یہ ایام تمہاری عمروں کے صحیفے ہیں، اچھے اعمال سے ان کو دوام بخشو۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ "میں اس دن سے زیادہ کسی چیز پر نادم نہیں ہوتا جو میری عمر سے کم ہو جائے اور اس میں میرے عمل کا اضافہ نہ ہو سکے۔"

امیرالمؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے: "دن رات کی گردش آپ کی عمر کم کر رہی ہے تو آپ عمل میں پھر کیوں سست ہیں۔" ان سے ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ "یہ کام کل تک مؤخر کیجئے" آپ نے فرمایا: "میں ایک دن کا کام بمشکل کرتا ہوں، آج کا کام اگر کل پر چھوڑوں تو دو دن کا کام ایک دن کیسے کروں گا۔" مشہور بزرگ حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے:

یَا ابْنَ اٰدَمَ! إِنَّمَا أَنْتَ أَیَّامٌ، فَإِذَا ذَهَبَ یَوْمٌ ذَهَبَ بَعْضُكَ

"اے ابن ادم! تو ایام ہی کا مجموعہ ہے، جب ایک دن گزر جائے تو یوں سمجھ کہ تیرا ایک حصہ بھی گزر گیا۔"

اور فرماتے تھے: "میں نے ایسی قومیں دیکھی ہیں جن کے ہاں وقت کی قدر و قیمت

تمہاری دنانیرو دراہم کی محبت سے کہیں زیادہ تھی۔"

چھٹی صدی کے مشہور عالم علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کے لئے ایک نصیحت نامہ "لِفْتَةُ الْكَبِدِ فِيْ نَصِيْحَةِ الْوَلَدِ" کے نام سے لکھا، وقت کی اہمیت اور عمر عزیز کی قدر و منزلت کے سلسلے میں وہ اس میں لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ يَا بُنَيَّ، إِنَّ الايَّامَ تَبْسُطُ سَاعَاتٍ وَ السَّاعَاتُ تَبْسُطُ أَنْفَاسًا، وَكُلُّ نَفَسٍ خَزَانَةٌ فَاحْذَرْأَنْ يَّذْهَبَ نَفَسٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ فَتَرىٰ فِيْ الْقِيَامَةِ خَزَانَةً فَارِغَةً فَتَنْدَمَ، وَانْظُرْ كُلَّ سَاعَةٍ مِنْ سَاعَاتِكَ بِمَاذَا تَذْهَبُ، فَلاَتُوْ دِعْهَا إِلاَّ إِلٰى أَشْرَفِ مَا يُمْكِنُ وَلاَ تُهْمِلْ نَفْسَكَ، وَعَوِّدْ هَا أَشْرَفَ مَايَكُوْنُ مِنَ الْعَمَلِ وَ أَحْسَنَهُ، وَابْعَثْ إِلٰى صَنْدُوْقِ الْقَبْرِ مَايَسُرُّكَ يَوْمَ الْوُصُوْلِ إِلَيْهِ

"بیٹے! زندگی کے دن چند گھنٹوں، اور گھنٹے چند گھڑیوں سے عبارت ہیں، زندگی کا ہر سانس گنجینہ ایزدی ہے، ایک ایک سانس کی قدر کیجئے کہ کہیں بغیر فائدہ کے نہ گذرے تاکہ کل قیامت میں زندگی کا دفینہ خالی پاکر اشک ندامت نہ بہانے پڑیں، ایک ایک لحہ کا حساب کریں کہ کہاں صرف ہورہا ہے اور اس کوشش میں رہیں کہ ہر گھڑی کسی مفید کام میں صرف ہو، بے کار زندگی گزارنے سے بچیں اور کام کرنے کی عادت ڈالیں تاکہ آگے چل کر آپ وہ کچھ پاسکیں جو آپ کے لئے باعث مسرت ہو۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: "ایک مدت تک میں صوفیاء کرام کے پاس رہا، ان کی صحبت سے مجھے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ: اَلْوَقْتُ سَيْفٌ اِقْطَعْهُ وَإِلاَّ قَطَعَكَ "وقت تلوار کی مانند ہے آپ اس کو (کسی عمل میں) کاٹئے ورنہ (حسرتوں میں مشغول کرکے) وہ آپ کو کاٹ ڈالے گا۔" اور دوسری یہ کہ اپنے نفس کی حفاظت

کریں کیونکہ اگر آپ نے اسے اچھے کام میں مشغول نہ رکھا تو وہ آپ کو کسی برے کام میں مشغول کردے گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے ذمہ کام بہت زیادہ ہیں اور وقت بہت مختصر، انسان کا مستقبل موہوم ہے، اس کا حال ثبات سے خالی ہے، اور اس کا ماضی اس کی قدرت سے باہر ہے، جس نے حال سے فائدہ اٹھایا، طلب و محنت جاری رکھی اور اپنی دنیا آپ زندوں میں پیدا کی، اس کے دامن نصیب میں تو کچھ آجاتا ہے ورنہ اس گردش کی تنگیٔ داماں کا کوئی علاج نہیں ہے، نہ یہ کسی کی خاطر رکتی ہے اور نہ گزر جانے کے بعد واپس لائی جاسکتی ہے، اقبال نے کتنی خوبصورتی سے زمانہ کی حقیقت، اس کی بے وفائی اور بے نیازی کے چہرہ سے نقاب کشائی کی ہے ؎

جو تھا، نہیں ہے، جو ہے، نہ ہوگا، یہی اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اسی کا مشتاق ہے زمانہ

آگے زمانہ کی کیفیت خود اس کی زبانی پیش کی گئی ہے ؎

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ مری
کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ
نہ تھا اگر تو شریک محفل، قصور تیرا ہے یا کہ میرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

وقت سائنس دانوں اور فلاسفہ کی نظر میں

وقت فلاسفہ اور سائنس دانوں کے مباحث کا ایک اہم میدان رہا ہے، وقت سے مختلف پہلوؤں پر فلسفیانہ بحثوں کے تفصیلی ذخیرہ نے اس موضوع کو وافر مواد فراہم کیا ہے، تاہم واقعہ یہ ہے کہ وقت اور زمانہ کی حقیقت کی تعبیر، اس کی تعریف و تشریح میں بحث و تحقیق کی ڈوری جوں جوں طویل ہوتی گئی، ان کی آراء کے میدان نے بھی مختلف پہلو اختیار کئے اور یوں یہ مسئلہ سلجھنے میں فروزاں ہونے کے بجائے الجھنے میں فزوں تر ہوتا گیا، چنانچہ پروفیسر ایم شریف لکھتے ہیں:

> "ماہیت زمان ایک ایسا الجھا ہوا مسئلہ ہے جسے سلجھانے کی کوشش ہر دور کے فلسفیوں نے کی ہے...... اور دور حاضر تک بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے، عام خیال کے مطابق زمان ایک دھارے کی مانند ہے جو لمحہ بہ لمحہ مستقبل کی طرف بڑھتا چلا جارہا ہے اور واقعات اس دھارے میں ماضی کی سمت بہتے چلے جاتے ہیں، گویا اس خیال کی رو سے دھارے کا بہاؤ ایک رخ کو ہے اور اس کی رو. ..... واقعات کے تیرتے ہوئے شہتیروں کو مخالف سمت بہالئے جارہی ہے، یہ ایک بدیہی تناقض ہے، عوامی نظریۂ زماں اسی قسم کے تناقضات کا حامل ہے، جنہیں ہر زمانے کے فلاسفہ دور کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔" (زماں و مکاں صفحہ ۲۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ماہیت زماں کے اس الجھے ہوئے مسئلہ میں آج تک فلاسفہ اور سائنس دان کوئی ایسی متفقہ رائے قائم نہ کرسکے جو سمجھنے کے لحاظ سے سہل و آسان اور حقیقت کی تعبیر و تشریح میں واضح اور بے غبار ہو، دور حاضر کے مشہور سائنس دان

پروفیسر سٹیون ہاکنگ اپنی مشہور کتاب "وقت کا سفر" کے نویں باب میں وقت کے تین مختلف تیروں کی تعیین اور ان کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقت کے ساتھ بے ترتیبی یا انٹروپی میں اضافہ ایک ایسی مثال ہے جسے ہم "وقت کا تیر" کہتے ہیں اور جو ماضی سے مستقبل کو ممیز کرکے وقت کو ایک سمت دیتی ہے، وقت کے کم از کم تین مختلف تیر ہیں، پہلا تو وقت کا تھرموڈائنامک تیر ہے جو وقت کی وہ سمت ہے جس میں بے مثال ترتیبی یا انٹروپی بڑھتی ہے۔ پھر وقت کا نفسیاتی تیر ہے، یہ وہ سمت ہے جس میں ہمیں وقت گزرتا محسوس ہوتا ہے، یعنی وہ سمت جس میں ہم ماضی تو یاد رکھتے ہیں مگر مستقبل نہیں اور آخر میں وقت کا کائناتی تیر ہے، یہ وقت کی وہ سمت ہے جس میں کائنات سکڑنے کے بجائے پھیل رہی ہے۔"

(وقت کا سفر، نواں باب، وقت کا تیر، صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰)

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم "زمانہ" کے متعلق اپنے مخصوص انداز میں رقمطراز ہیں:

"عرب کے فلسفی ابوالعلاء معری نے زمانہ کا پورا پھیلاؤ تین دنوں کے اندر سمیٹ دیا تھا، کل جو گزر چکا، آج جو گزر رہا ہے، کل جو آنے والا ہے......

ثَلاَثَةُ أَيَّامٍ هِيَ الدَّهْرُ كُلُّهُ
وَمَا هُنَّ إِلَّا الأَمْسُ وَ الْيَوْمُ وَ الْغَد
وَمَا الْقَمَرُ إِلَّا وَاحِدٌ غَيْرَ أَنَّهُ
يَغِيبُ وَ يَأْتِيْ بِالضِّيَاءِ الْمُجَدَّد

لیکن تین زمانوں کی تقسیم میں نقص یہ تھا کہ جسے ہم "حال" کہتے ہیں، وہ فی الحقیقت ہے کہاں؟ یہاں وقت کا جو احساس بھی ہمیں میسر ہے، وہ یا تو "ماضی" کی نوعیت رکھتا ہے یا مستقبل کی،

اور انہی دونوں زمانوں کا ایک اضافی تسلسل ہے جسے ہم "حال" کے نام سے پکارنے لگتے ہیں، یہ سچ ہے کہ "ماضی" اور "مستقبل" کے علاوہ وقت کی ایک تیسری نوعیت بھی ہمارے سامنے آتی رہتی ہے لیکن وہ اس تیزی کے ساتھ آتی اور نکل جاتی ہے کہ ہم اسے پکڑ نہیں سکتے، ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں، لیکن ادھر ہم نے پیچھا کرنے کا خیال کیا اور ادھر اس نے اپنی نوعیت بدل ڈالی، اب تو ہمارے سامنے "ماضی" ہے جو جاچکا یا "مستقبل" ہے جو ابھی آیا ہی نہیں، لیکن خود "حال" کا کوئی نام و نشان دکھائی نہیں دیتا، جس وقت کا ہم نے پیچھا کرنا چاہا تھا وہ "حال" تھا اور جو ہماری پکڑ میں آیا ہے وہ "ماضی" ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ ابوطالب کلیم کو انسانی زندگی کی پوری مدت دو دن سے زیادہ نظر نہیں آئی: [1]

بد نامیٔ حیات دو روزے نبود بیش
واں ہم کلیم باتو چگویم، چساں گزشت
یک روز صرف بستن دل شد بہ ایں وآں
روزے دگر بکندن دل زیں و آں گزشت

ایک عرب شاعر نے یہی مطلب زیادہ ایجاز و بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے [2]

وَمَتٰی یُسَاعِدُنَا الْوِصَالُ وَ دَهْرُنَا
یَوْمَانِ، یَوْمٌ نَوًی، وَیَوْمٌ صُدُوْدٌ

---

[1] زندگی کی بدنامی دو دن سے زیادہ نہیں ہے، اے کلیم! ہم تجھ سے کیسے کہیں کہ ہم نے انکو کس طرح گذارا ایک دن تو دل کو اِدھر اُدھر لگانے میں صرف ہوگیا اور دوسرا دن ادھر سے اکھاڑنے کی نذر ہوگیا

[2] ہمیں محبوب کا وصال کیسے میسر ہوسکتا ہے جب کہ ہمیں دو دن تو زندگی ملی ہے، ایک دن فراق میں گذارا اور ایک دن محبوب کی بے رخی کی نذر ہوگیا۔

اور اگر حقیقت حال کو اور زیادہ نزدیک ہو کر دیکھئے تو واقعہ یہ
ہے کہ انسانی زندگی کی پوری مدت ایک صبح شام سے زیادہ نہیں،
صبح آنکھیں کھلیں، دوپہر امید و بیم میں گزری، رات آئی تو پھر
آنکھیں بند تھیں، لَمْ يَلْبَثُوْا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا۔"

(غبار خاطر صفحہ ۳۲۲، ۳۲۳)

وقت اور زمان کی ماہیت میں فلاسفہ اور سائنس دانوں کی آراء کے اختلاف کا اندازہ کچھ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بحث و تحقیق کرتے ہوئے فلاسفہ کے ایک مکتبۂ فکر نے سرے سے زمانے کے وجود ہی سے انکار کردیا، جو فلاسفہ زمانہ کے وجود کے قائل ہیں، وہ بھی آگے دو گروہوں میں تقسیم ہیں، ایک گروہ زمانے کو جوہر قرار دیتا ہے جب کہ دوسرا گروہ اس کو عرض کہتا ہے..... وقت کو جوہر قرار دینے والے فلاسفہ کے مکتب فکر میں بھی دو نظریئے پائے جاتے ہیں، ایک نظریہ یہ ہے کہ وقت جوہر مجرد ہے جب کہ دوسرے نظریہ کی رو سے وقت جوہر مجرد نہیں بلکہ جسم ہے اور چونکہ ہر جسم ابعاد ثلاثہ (طول، عرض، عمق،) سے عبارت ہے اس لئے اس مؤخرالذکر نظریہ کے لحاظ سے وقت میں طول کے ساتھ ساتھ عرض اور عمق بھی ہے، اس نظریہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض بزرگوں سے نہایت مختصر وقت میں طویل اور لمبی مدت کے مقتضی کام کی تکمیل منقول ہے..... مثلاً عصر اور مغرب کے درمیان پورے قرآن کا ختم...... اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ اس کام کی تکمیل میں وقت کے طول سمیت اس کے عرض اور عمق سے بھی فائدہ اٹھایا گیا نتیجۃً ایک طویل المدت کام مختصر وقت میں انجام دیا گیا۔

وقت اور زمانہ کے سلسلہ میں فلاسفہ کے درمیان دوسری ایک معرکۃ الآراء بحث اس کے تغیر و سکون سے متعلق ہے..... زمان غیر متغیر و ثابت ہے یا متغیر و سیار؟ اس سلسلہ میں مفکرین کے مطالعہ نے دو بڑے رخ اختیار کئے ہیں:

❶ مفکرین کے ایک طبقہ نے یہ خیال ظاہر کرتے ہوئے تغیر زماں کی حقیقت سے انکار کردیا کہ ہماری تجربات کی دنیا حقیقت کا محض عکس یا مجازی روپ ہے اور حقیقت خود ہمیشہ غیر متغیر رہتی ہے، زمانہ کے بہاؤ میں تغیر صرف انسان کے احساس کا تقاضہ ہے، اٹلی

کے جنوب میں ایک یونانی آبادی "ایلیا" کا باشندہ "پارمینڈیز" پہلا وہ شخص ہے جس نے اس مسئلے پر فلسفیانہ نظر ڈالی اور وہ اسی نتیجے پر پہنچا، یہی نظریہ مشہور مسلمان فلسفی امام غزالیؒ کا ہے اور اسی کو یوڈیمس نے اختیار کیا۔

❷ فلاسفہ کا دوسرا گروہ وہ ہے جس نے زماں میں سکون کا سرے سے انکار کردیا، اس نظریہ کے سب سے بڑے داعی شاعر مشرق علامہ اقبال ہیں، ان کے نزدیک زمانہ مسلسل ایک دائمی حرکت کا نام ہے، وہ کسی منزل پر رکتا نہیں، سفر اس کے لئے برگ و ساز اور حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے اور وقت کا قافلہ تڑپنے، پھڑکنے اور حرکت کرنے میں ہی راحت محسوس کرتا ہے، انہوں نے جابجا اپنے اشعار میں زمانہ کی حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کی ہے، ان کے شہرۂ آفاق "ساقی نامہ" کے ایک بند کے یہ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے
تڑپنے، پھڑکنے میں راحت اسے
سفر زندگی کے لئے برگ و ساز
سفر ہے حقیقت، حضر ہے مجاز
بڑی تیز جولاں، بڑی زود رس
ازل سے ابد تک رمِ یک نفس

زمانہ کہ زنجیر ایام ہے
دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

علامہ اقبال نے "پیام مشرق" میں "نوائے وقت" کے زیر عنوان وقت کی حقیقت و اہمیت پر خود وقت کی زبانی روشنی ڈالی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ وقت تمام اشیاء کی جان ہے، اس سے نئی اور انوکھی اشیاء کی تخلیق ہوتی ہے، وقت کی اس آزاد تخلیقی حرکت پر زندگی کی ساری جدوجہد کا دارومدار ہے، علامہ اقبال کی یہ نظم حسین ترکیبوں، البیلے الفاظ اور شاعرانہ تخیل کی بلند پروازیوں کا ایک ایسا دلکش مرقع ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ حسن معانی کا اعجاز اور اسلوبِ بیان کا ایک خوبصورت گلدستہ و نمونہ ہے، یہ نظم اور اس کا مفہوم پیش خدمت ہے: ؎

خورشید بدا مانم، انجم بگریبانم
درمن نگری ہیچم، درخودنگری جانم
در شہر و بیابانم، درکاخ و شبستانم
من دردم و درمانم، من عیش فراوانم
من تیغ جہاں سوزم، من چشمۂ حیوانم

چنگیزی و تیموری مشتے زغبارِ من
ہنگامۂ افرنگی یک جستہ شرارِ من
انسان و جہان او از نقش و نگارِ من
خون جگر مرداں سامانِ بہارِ من
من آتش سوزانم، من روضۂ رضوانم

آسودہ و سیارم، ایں طرز تماشا بیں
دربادۂ امروزم، کیفیت فردا بیں
پنہاں بہ ضمیر من، صد عالم رعنا بیں
صدکوکب غلطاں بیں، صد گنبدِ خضرا بیں
من کسوت انسانم، پیراہن یزدانم

تقدیر فسونِ من، تدبیر فسونِ تو
تو عاشق لیلائے من دشت جنونِ تو
چوں روح رواں پاکم از چند و چگون تو
تو راز درونِ من، من راز درون تو
از جان تو پیدائم، درجانِ تو پنہانم
من رہرو و تو منزل، من مزرع وتو حاصل
تو ساز صد آہنگے، تو گرمئ ایں محفل
آوارۂ آب و گل، دریاب مقام دل
گنجیدہ بہ جامے بیں، ایں قلزم بے ساحل
از موج بلند تو سربرزدہ طوفانم

(نوائے وقت، پیام مشرق)

وقت انسان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے.....

١ سورج میرے دامن میں اور ستارے میرے گریبان میں ہیں، میری اصل حقیقت جاننے کے لئے خود اپنے اندر دیکھ، میں تیری جان ہوں، میں شہرو بیابان اور محل ہر جگہ پر چھایا ہوا ہوں، میں موت کے گھاٹ بھی اتارتا ہوں اور زندگی بھی بخشتا ہوں۔

٢ چنگیزی و تیموری میری مٹھی کا ایک غبار اور ہنگامۂ افرنگی میرادنٰی سی جھلک ہے، انسان اور یہ کائنات میرے نقش و نگار اور مردوں کے جگر کا خون میری بہار ہی کا سامان ہے، یعنی دنیا میں جتنے ہنگامے ہوتے ہیں، یہ سب میرے ہی ادنٰی کرشمے ہیں ..... میں جلانے والی آگ بھی ہوں اور باغوں کا باغ بھی!

٣ میں ساکن بھی ہوں اور متحرک بھی، یہ عجیب طرز تماشا دیکھئے، میری آج کی شراب میں آنے والی کل کی کیفیت آپ دیکھ سکتے ہیں، ابھی سینکڑوں کائنات میرے ضمیر میں پوشیدہ ہیں، میں انسان کا لباس بھی ہوں، اور یزداں کا پیراہن بھی!

تقدیر بالآخر میری ہی ہوئی ہے۔ تو میری لیلیٰ کا عاشق اور میں تیرے جنون کا دشت و صحرا ہوں، مجھ میں تیرا راز اور تجھ میں میرا راز پوشیدہ ہے، میں تیرے شعور سے نکلتا ہوں اور تیرے ہی شعور میں ختم ہو جاتا ہوں۔

٥ کیونکہ میں رہرو ہوں اور تو منزل ہے، میں کھیت و مزرع ہوں لیکن تو اس کا حاصل ہے یعنی منتہا اور مقصود تو ہی ہے، ساری کائنات میں تیرے ہی دم سے محفل کی گرمی و آبادی ہے، پھر تو کیوں اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے، اگر تو مقامِ دل کو پاجائے تو ساری کائنات تجھ میں سماجاتی ہے اور تیری بلند آہنگیوں سے میرے دریا میں بھی طوفان اٹھتے ہیں۔

"وقت کی قدر و قیمت"

ذیل میں ہم وقت کی قدر و قیمت پر مولانا رحمت اللہ سبحانیؒ کی مشہور کتاب "مخزن اخلاق" سے ان کی تحریر کچھ ترمیم اور عنوانات کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

"صوفیائے کرام فرماتے ہیں "اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ" (وقت کاٹنے والی تلوار ہے) حکماء کا قول ہے کہ زمانہ سیال ہے، اسے کسی آن سکون نہیں، خدا ڈراتا ہے کہ تم کہیں رہو موت تمہیں نہیں چھوڑے گی، وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ ہر کام کا ایک وقت ہے لیکن انسان موت کا وقت نہیں جانتا، انبیاء کرام بھی نصیحت کرتے ہیں کہ وقت کے بارے میں ہوشیار رہو، وقت کو برباد نہ کرو، وقت کو غیر مفید باتوں میں صرف نہ کرو، گھڑی گھڑی، لحظہ لحظہ کا تمہیں حساب دینا پڑے گا، تاریخ بھی ہمیں یہی سبق دیتی ہے، صدیوں کا تجربہ بھی ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ دنیا میں جس قدر کامیاب و کامران ہستیاں گزر چکی ہیں، ان کی کامیابی و ناموری کا راز صرف وقت کی قدر اور اس کا صحیح استعمال تھا، وقت ایک ایسی زمین ہے کہ اگر اس میں سعی کامل کی جائے تو یہ پھل دیتی ہے، بے کار چھوڑ دی جائے تو خار دار جھاڑیاں اگاتی ہے۔

وقت واقعات کا ایک دریا ہے!

وقت گزرتے ہوئے واقعات کا ایک دریا ہے، اس کا بہاؤ تیز اور زبردست ہے، جونہی کوئی چیز اس کی زد میں آتی ہے اس کی لہریں اسے اپنے ساتھ بہالے جاتی ہیں، پھر اور کوئی شے اس کی جگہ لے لیتی ہے لیکن وہ بھی اسی طرح بہہ جاتی ہے، خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے صدیاں ریت کے ذروں کی طرح گرتی ہیں ۔

نگہدار فرصت کہ عالم دمے است
دمے پیش عالم بہ از عالمے است

وقت ہی زندگی ہے!

ایک مشہور مثال ہے "اَلْوَقْتُ مِنْ ذَهَبٍ" یعنی وقت بھی ایک سونا ہے، لیکن یہ صرف ان لوگوں کے لئے صحیح ہے جو موجودات کی قدر و قیمت محض قیاس و تصور کے ذریعہ ہی سے کرسکتے ہیں لیکن جو لوگ پاکیزہ خیالات و نظریات اور اچھے افکار کے حامل ہوتے ہیں ان کے ہاں تو وقت بہت گراں ہے، ان کے نزدیک وقت کا مقام بہت بلند اور ارفع ہے، وہ کہتے ہیں کہ "اَلْوَقْتُ هُوَالْحَيَاةُ" یعنی وقت ہی زندگی ہے، انسان کو سوچنا چاہئے کہ اس دنیا میں اس کی زندگی ہی کیا ہے؟ اس کی زندگی پیدائش اور موت کے درمیان معمولی سا غیر یقینی اور بے اندازہ وقفہ ہی تو ہے، سونا تو آنے جانے والی چیز ہے وہ اگر ہاتھ سے نکل جائے تو دوبارہ بھی حاصل ہوسکتا ہے اور پہلے سے کئی گنا زیادہ بھی ہوسکتا ہے لیکن جو وقت کہ گزرچکا ہے اور جو زمانہ کہ چلا گیا ہے وہ کسی صورت میں اور کسی قیمت پر بھی واپس نہیں آسکتا، ذرا

انصاف سے سوچئے کہ کیا وقت "سونے" سے زیادہ قیمتی نہیں؟ کیا وقت الماس سے زیادہ مہنگا نہیں؟ اور کیا وقت ہر چیز سے زیادہ گراں نہیں؟

پھر پچھتائے کیا ہوت......

وقت ہمارے پاس اسی طرح آتا ہے جیسے کوئی دوست بھیس بدل کر آتا ہے اور چپ چاپ بیش قیمت تحفہ جات اپنے ساتھ لاتا ہے لیکن اگر ہم ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو وہ اپنے تحائف سمیت چپکے سے واپس چلاجاتا ہے اور پھر کبھی واپس نہیں آتا، ہر صبح کو ہمارے لئے نئی نئی نعمتیں آتی ہیں، لیکن وقت ضائع کرتے کرتے ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت رفتہ رفتہ ختم ہوجاتی ہے، کھوئی ہوئی دولت محنت اور کفایت شعاری سے پھر حاصل ہوسکتی ہے، کھویا ہوا علم مطالعہ سے مل سکتا ہے، کھوئی ہوئی تندرستی دوا سے واپس آسکتی ہے لیکن کھویا ہوا وقت لاکھ کوششوں سے بھی دوبارہ حاصل نہیں ہوسکتا..... بعد میں انسان کو یہ پرانا سبق حاصل ہوتا ہے "پن چکی" اس پانی سے نہیں چل سکتی جو بہہ گیا ہو۔

من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش
اے زفرصت بے خبر در ہرچہ باشی زود باش

وقت گزر جانے پر افسوس بے نتیجہ ہے، پھر پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت، موت پر اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا کہ وقت کے فوت ہونے پر، دوزخی یہی کہیں گے "اے خدا! تو ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیج دے۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے، "کوئی دن ایسا نہیں جب وہ طلوع ہوتا ہے مگر یہ کہ وہ

پکار پکار کر کہتا ہے کہ "اے انساں! میں ایک نوپید مخلوق ہوں، میں تیرے عمل پر شاہد ہوں، مجھ سے کچھ حاصل کرنا ہے تو کرلے، میں تو اب قیامت تک لوٹ کر نہیں آؤں گا۔" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومن کے لئے دو خوف ہیں، ایک عاجل، جو گزر چکا ہے، معلوم نہیں خدا اس کا کیا کرے گا اور ایک آجل جو ابھی باقی ہے، معلوم نہیں اللہ اس میں کیا فیصلہ صادر فرمائے، تو انسان کو چاہئے کہ اپنی طاقت سے اپنے نفس کے لئے، دنیا سے آخرت کے لئے، جوانی سے بڑھاپے کے لئے، اور زندگی سے قبل از موت کچھ نفع حاصل کرے۔" ۔

در زندگی بکوش ہمیں دم غنیمت است
زیرا کہ روز رگ بکس آشکارا نیست

وقت کو کام میں لائیے!

وقت کو رائگاں کھونے والے کہہ دیا کرتے ہیں ۔

ذکر خدا و کار جہاں، یاد رفتگاں،
دو دن کے اس قیام میں کیا کرے کوئی

لیکن انہیں یاد رہے کہ وقت سے کام لینے والے اس تھوڑی سی زندگی میں موجد بن گئے، فلاسفر بن گئے، بزرگان دین اور اولیاء بن گئے، دین و دنیا کے مالک بن گئے، اس کے بر خلاف جتنے ننگے، بھوکے اور فاقہ کش تم دنیا میں دیکھ رہے ہو، یہ سب وہی لوگ ہیں جنہوں نے بچپن میں اپنا وقت رائیگاں کھویا ہے، اس کی ایک بنیادی ٹیڑھی اینٹ نے ان کی تمام زندگی کی عمارت ٹیڑھی کردی، بے کار کھویا ہوا ایک لمحہ ننھے سے پودے کی کئی شاخوں کو کاٹ ڈالتا ہے۔ فضول کاموں سے ایک گھنٹہ روزانہ بچا کر معمولی آدمی بھی کسی

سائنس کو پوری طرح اپنے قابو میں رکھ سکتا ہے، دن میں ایک گھنٹہ ہر روز خرچ کر کے جاہل سے جاہل انسان بھی دس سال میں ایک درجے کا باخبر عالم بن سکتا ہے، ایک گھنٹے میں معمولی صلاحیت کا ایک بچہ خوب اچھی طرح سمجھ کر ایک کتاب کے بڑے بیس صفحے اور اس حساب سے سال بھر میں سات ہزار صفحے پڑھ سکتا ہے، غرض روزانہ ایک گھنٹہ کی بدولت ایک حیوانی زندگی، کار آمد اور مسرت بھری انسانی زندگی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

لفظ "کل" ایک بہت بڑا دھوکہ!

ایک اور دھوکہ ہے جو انسان کو وقت ضائع کرنے پر ندامت اور افسوس سے بچاتا رہتا ہے اور وہ لفظ "کل" ہے، کہا گیا ہے کہ انسان کی زبان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو "کل" کے لفظ کی طرح اتنے گناہوں، اتنی غفلتوں، اتنی بے پروائیوں اور اتنی برباد ہونے والی زندگیوں کے لئے جواب دہ ہو کیونکہ اس کی آنے والی "کل" یعنی فردا آتی نہیں بلکہ وہ فردائے قیامت ..... یا گزری ہوئی "کل" یعنی دیروز بن جاتی ہے، اور پچھلی "کل" کو ہم کبھی واپس نہیں لاسکتے اور فردائے قیامت نہایت ہی دور ہوتی ہے، ان دونوں قسم کی "کل" کو ہم "آج" میں مستغرق نہیں کرسکتے، وقت جب ایک دفعہ مرگیا تو اس کو پڑا رہنے دو، اب اس کے ساتھ اور کچھ نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ اس کی قبر پر آنسو بہائے جائیں، انسان کو "آج" کی طرف لوٹ آنا چاہئے مگر لوگ اس کی طرف لوٹتے نہیں ہیں اور عملاً فردا کو کبھی امروز بناتے نہیں ہیں [1]

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم
باز چوں فردا شود، امروز رافردا کنم

ایک ہندی شاعر کا بے نظیر مقولہ ہے ۔

کل کرے سو آج کر، آج کرے سو اب
پل میں پرے ہوئے گی پھر کرے گا کب

داناؤں کے رجسٹر میں "کل" کا لفظ کہیں نہیں ملتا..... یہ تو محض بچوں کا بہلاوا ہے کہ فلاں کھلونا تم کو کل دیا جائے گا، یہ ایسے لوگوں کے استعمال میں آنے والی چیز ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں، کامیابی کی شاہراہ پر بے شمار اپاہج سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام عمر "کل" کے تعاقب میں کھودی..... حیف ہے ان بدنصیب انسانوں پر جن کی تجاویز صرف اس "کل" کے لفظ نے پوری نہ ہونے دیں، لفظ "کل" نالائق کاہلوں کی جائے پناہ ہے۔

لندن افریقن ایسوسی ایشن نے سیاح لیڈر (یارڈ) کو افریقہ بھیجنے کی تجویز پیش کی، اس سے دریافت کیا گیا کہ تم کب تک جانے کے لئے تیار ہوسکتے ہو، اس نے جواب دیا "کل صبح تک" پھر "جان جورس" سے پوچھا گیا کہ تم کب تک جہاز پر پہنچ سکتے ہو اس نے جواب دیا "ابھی" چنانچہ اسی کو بھیجا گیا جو بعد میں ارل سینٹ ونسینٹ بن گیا اور یارڈ "کل" کی وجہ سے محروم رہ گیا۔

ماندم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شداز نظر
یک لحہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

جو کام وقت پر آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ وہ ہفتوں اور مہینوں تک پڑا رہنے سے وبال جاں معلوم ہونے لگتا ہے کہ غفلت ہر روز ناطاقتی بڑھاتی رہتی ہے، مثل مشہور ہے کہ "وقت پر ایک ٹانکا سو ٹانکوں سے بچالیتا ہے" خطوط کا جواب جس آسانی سے ان کے

آنے پر دیا جاسکتا ہے ویسا کبھی نہیں دیا جاسکتا، ملتوی کرنے کے معنی اکثر ترک کرنے کے ہوتے ہیں اور "کرنے کو ہوں" کا مطلب نہ کرنا ہوتا ہے۔

وقت کے چند غیر مسلم قدر داں!

نپولین اس اعلیٰ موقع پر جو ہر لڑائی میں رونما ہوتا ہے بہت زور دیا کرتا اور اس سے فائدہ اٹھاکر میدان مار لیا کرتا تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ اہل اسٹریا کو میں نے اسی طرح فتح کیا کہ انہیں پانچ منٹ کی قدر و قیمت معلوم نہ تھی، جن چھوٹی باتوں سے خود نپولین کو "واٹرلو" کے میدان میں شکست ہوئی ان میں سب سے نمایاں بات یہ تھی کہ اس مہلک صبح کو نپولین اور اس کے جرنیل "کروگی" نے چند بیش قیمت لحات ضائع کردیئے تھے۔ "بلوشر" میدان جنگ میں وقت پر پہنچ گیا اور کروگی وقت سے چند منٹ بعد پہنچا، یہی چند لحات نپولین کو سینٹ ہلینا میں بھیجنے والے اور کروڑہا انسانوں کی قسمت میں دن رات کی تبدیلی پیدا کرنے والے ثابت ہوئے۔

فرینکلن نہایت محنتی، انتھک کام کرنے والا، اوقات کا بے حد پابند تھا وہ زندگی کا ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتا تھا، کھانے اور سونے کے لئے کم سے کم وقت جو دیا جاسکتا تھا، دیتا تھا۔ جب وہ بچہ تھا تو ایک مرتبہ اپنے والد کو دیر تک کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ ہر ایک پیالے پر خدا سے برکت کی دعا مانگ رہا تھا، فرینکلن نے گھبرا کر اپنے والد سے پوچھا "آپ برکت کی یہ دعا تمام پیالوں پر ایک ہی دم ہمیشہ کے لئے نہیں مانگ سکتے، اس طرح بہت سا وقت بچ جائے گا" اس نے اپنی سب سے اچھی تصانیف جہاز میں سفر کرتے ہوئے لکھی ہیں۔

واشنگٹن کے سیکرٹری نے ایک مرتبہ چند منٹ دیر سے آنے کا یہ عذر پیش کیا کہ اس کی گھڑی پیچھے تھی، واشنگٹن نے اس سے کہا "یا تم اپنی گھڑی بدل لو ورنہ مجھے اپنا سیکرٹری بدلنا پڑے گا۔"

مارکس کیٹو نے اپنے نوکروں کو حکم دے رکھا تھا کہ یا تو کچھ کام کرتے رہا کریں یا سو جایا کریں، وہ جاگنے والے بیکاروں پر سونے والوں کو ترجیح دیتا تھا۔

سر والٹر سکاٹ سے ایک شخص نے نصیحت چاہی، اس نے کہا "ہوشیار رہو اپنے دل میں کوئی ایسی رغبت پیدا نہ ہونے دو جو تمہیں وقت رائیگاں کرنے والا بنادے جو کرنا ہے اسے فی الفور کرو، کام کے بعد آرام کی خواہش دل میں نہ آنے دو۔

فیثا غورث سے پوچھا گیا کہ "وقت کیا ہے؟" اس نے جواب دیا "وقت اس دنیا کی روح ہے۔"

ضیاع وقت خودکشی!

سچ یہ ہے کہ وقت ضائع کرنا، ایک طرح کی خودکشی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ خودکشی ہمیشہ کے لئے زندگی سے محروم کردیتی ہے اور تضییع اوقات ایک محدود زمانے تک زندہ کو مردہ بنا دیتی ہے، یہی منٹ، گھنٹے اور دن جو غفلت اور بے کاری میں گزر جاتے ہیں، اگر انسان حساب کرلے توان کی مجموعی تعداد مہینوں بلکہ برسوں تک پہنچتی ہے، اگر کسی سے کہا جائے کہ آپ کی عمر سے دس پانچ سال کم کردیئے گئے، تو یقیناً اس کو سخت صدمہ ہوگا، لیکن وہ معطل بیٹھا ہوا خود اپنی عمر عزیز کو برباد کررہا ہے مگر اسکے زوال پر اس کو کچھ افسوس نہیں ہوتا اور دائمی سوز و گداز میں مبتلا رہتا ہے۔

عمرِ عزیز قابلِ سوز و گداز نیست
این رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

اگرچہ وقت کا بے کار کھونا عمر کا کم کرنا ہے لیکن اگر یہی ایک نقصان ہوتا تو چنداں غم نہ تھا بہت بڑا نقصان اور خسارا جو بے کاری اور تضییع اوقات سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بیکار آدمی کے خیالات ناپاک اور زبوں ہوجاتے ہیں اور طرح طرح کے جسمانی و روحانی عوارض میں مبتلا ہوجاتا ہے، حرص و طمع، ظلم و ستم، قمار بازی، زنا کاری اور شراب نوشی عموماً وہی لوگ کرتے ہیں جو معطل اور بے کار رہتے ہیں، جب تک انسان کی طبیعت اور دل و دماغ نیک اور مفید کام میں مشغول نہ ہوگا اس کا میلان ضرور بدی اور معصیت کی طرف رہے گا، پس انسان اسی وقت صحیح انسان بن سکتا ہے جب وہ اپنے وقت پر نگران رہے، ایک لمحہ بھی فضول نہ کھوئے، ہر کام کے لئے ایک وقت اور ہر وقت کے لئے ایک کام مقرر کردے ؎

آنکہ مصرف میکند پیدا برائے سیم و زر
کاش نقدِ وقت راہم مصرفے پیدا کند

اگر آپ غور کریں گے تو نوّے فیصد لوگ صحیح طور پر یہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ کہاں اور کیوں صرف کرتے ہیں، جو شخص دونوں ہاتھ اپنی جیبوں میں ڈال کر وقت ضائع کرتا ہے تو وہ بہت جلد اپنے ہاتھ دوسروں کی جیب میں ڈالے گا۔

آپ مسرور ہوں یا مغموم، تکلیف اور تردد سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آپ کا کبھی فارغ وقت نہیں ہونا چاہئے، سستی نسوں کو اس طرح کھاجاتی ہے جس طرح لوہے کو زنگ! زندہ آدمی کے لئے بے کاری زندہ درگور ہونا ہے، وقت روئی کے گالوں کی

مانند ہے، عقل و حکمت کے چرخہ میں کات کر اس کے قیمتی پارچہ جات اگر بنائے گئے تو کام میں آجائیں گے ورنہ جہالت کی آندھیاں اسے اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیں گی.....“

وقت خام مسالے کی مانند ہے جس سے آپ جو کچھ چاہیں بنا سکتے ہیں، گذشتہ زمانے کے متعلق افسوس اور حسرت نہیں کرنی چاہئے، کہ یہ بے سود ہے، آئندہ زمانے کے خواب نہیں دیکھنے چاہئے کہ یہ موہوم ہیں، وقت کو پیچھے سے نہیں پکڑنا چاہئے کہ ہاتھ نہیں آئے گا، بلکہ آگے سے روک کر اس کو قابو میں لانا چاہئے۔

وقت ایک عام نعمت ہے!

الغرض وقت وہ سرمایہ ہے جو ہر شخص کو قدرت کی طرف سے یکساں عطا ہوا ہے جو لوگ اس سرمائے کو معقول طور سے اور مناسب موقع پر کام میں لاتے ہیں جسمانی راحت اور روحانی مسرت ان ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ وقت ہی کے صحیح استعمال سے ایک وحشی مہذب بن جاتا ہے اور ایک مہذب، فرشتہ سیرت! اس کی برکت سے جاہل، عالم، مفلس، تونگر، نادان، دانا، بنتے ہیں، وقت ایک ایسی دولت ہے جو شاہ و گدا، امیر و غریب، طاقت ور اور کمزور سب کو یکساں ملتی ہے۔“ (مخزن اخلاق صفحہ ۶۰۶، ۶۱۴ ترمیم کے ساتھ)

رفتارِ وقت کا شعور واحساس

وقت ایک قطرہ ہے حیات کائنات کا، ایسا قطرہ جو ازل سے ابد تک مسلسل بہا جارہا ہے تاہم اس کے بہاؤ کی رفتار کا معاملہ عجیب تر اس لئے ہے کہ اس کی رفتار تیز سے تیز تر ہونے کے باوجود زندگی کا وجدان اس تیزی کے احساس سے اکثر محروم رہتا ہے۔
زندگی عام معمول پر ہو تو رفتارِ وقت کا احساس نہیں ہوتا، جب کوئی نیا حادثہ زندگی کے پرسکون دریا کی سطح پر شورش پیدا کردے تب وقت کی رفتار کا کچھ اندازہ ہونے لگتا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ پیش آنے والے واقعہ نے اگر خوشی و مسرت کا پیغام لایا ہے تو دن گھنٹوں اور گھنٹے منٹوں کے حساب سے گزرتے محسوس ہوتے ہیں، اس کے بر خلاف وہ حادثہ اگر غم و تکلیف کی نوعیت کا ہو تو وقت کی رفتار بہت سبک رو معلوم ہوتی ہے، کہا گیا ہے ؎

تَمَتَّعْ بِأَيَّامِ السُّرُوْرِ فَإِنَّهَا
قِصَارٌ وَ أَيَّامُ الْهُمُوْمِ طِوَالِ

"خوشی کے ایام سے فائدہ اٹھایئے، کیونکہ وہ بڑے مختصر اور ایام غم طویل ہوتے ہیں۔"

شاعرانہ مبالغہ آرائی میں محبوب کے ساتھ وصال کے وقت کے مختصر ہونے اور شبِ فرقت کے طول کے چرچوں سے کون ناواقف ہوگا، ذرا دیکھئے، شبِ فرقت کے طول پر شاعر کس قدر نالاں ہے ؎

دم گھٹا جاتا ہے افسردہ دلی سے یارو
کوئی افواہ ہی اڑا دو کہ کچھ رات کٹے

ہجر میں آہ و بکاء رسم کہن ہے لیکن
آج یہ رسم ہی دوہراؤ کہ کچھ رات کٹے

اور اسی مضمون پر ایک اور نے یوں طبع آزمائی کی ۔

شبِ وصال بہت کم ہے آسمان سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

لیکن اس مفہوم میں سب سے جامع اور بلیغ اشعار ایک عربی شاعر نے کہے ہیں جو علامہ آلوسیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "روح المعانی" (جلد۹ صفحہ:۱۷۰) میں نقل کئے ہیں ۔

لَيْلِيْ وَ لَيْلٰى نَفٰى نَوْمِيْ اخْتِلَافُهُمَا
بِالطُّوْلِ وَ الطُّوْلِ يَا طُوْبٰى لَوِاعْتَدَلَا
يَجُوْدُ بِالطُّوْلِ لَيْلِيْ كُلَّمَا بَخِلَتْ
بِالطُّوْلِ لَيْلٰى وَ إِنْ جَادَتْ بِهٖ بَخِلَا

"میری رات اور لیلیٰ دونوں کے وقت کے طول میں اختلاف نے میری نیند حرام کردی ہے، کتنا ہی اچھا ہوتا اگر دونوں کے وقت کا طول معتدل (اور ایک جیسے) ہوتا۔"

"جب محبوبہ لیلیٰ، وقت وصل کے طول میں بخل کرتی ہے (اور زیادہ دیر نہیں ٹھہرتی) تب رات لمبی ہونے میں خوب سخی بن جاتی ہے (اور کاٹے نہیں کٹتی) لیکن جب لیلیٰ وقت وصل کے طول میں فیاض ہوتی ہے تو اس وقت رات بخیل بن جاتی ہے (اور بہت جلد گزر جاتی ہے)۔"

قرآن شریف کی سورۃ معارج، آیت نمبر پانچ میں قیامت کے دن کی مقدار پچاس ہزار سال بتائی گئی ہے جب کہ سورۃ السجدہ کی آیت نمبر پانچ میں اس دن کی مقدار ایک ہزار سال آئی ہے، مفسرین نے دونوں آیتوں میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ لوگوں کے

مختلف احوال کے اعتبار سے ہے، جن لوگوں کا عذاب سخت اور تکلیف زیادہ ہوگی، انہیں قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا کہ ان کو وقت کی رفتار بڑی آہستہ اور سُست رو محسوس ہوگی اور جن کے عذاب کی نوعیت ان سے نسبتاً ہلکی ہوگی انہیں ہزار سال کا معلوم ہوگا۔

کسی معمر شخص سے وفات کے وقت دریافت کیا گیا کہ دنیا کی زندگی کیسی لگی؟ کہنے لگا:

"زندگی مجھے دو دروازوں کے درمیان کا معمولی سا وقفہ معلوم ہوئی ایک سے ابھی داخل ہی ہوا تھا کہ جھپک سے دوسرے سے نکل بھی آیا۔"

بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ؎

عمر دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں

وقت بچانے کے چند اہم اصول!

وقت انسان کی بہترین پونجی اور گرانمایہ سرمایہ ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انسان جتنی بے دردی، لاپرواہی اور بے فکری کے ساتھ وقت ضائع کرتا ہے، اپنی ملکیت کی کسی اور چیز کو اتنی بے دردی اور غفلت کے ساتھ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

وقت کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرنے، اس کو ضیاع سے بچانے، اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے سلسلے میں وقت کے موضوع پر بحث کرنے والوں نے کچھ تدابیر اور اصول مقرر کئے ہیں ذیل میں ہم ان میں سے تین بڑے اصولوں کا ذکر کرتے ہیں۔

① نظام الاوقات!

شب و روز کے اوقات کے لئے ایک نظام عمل متعین کرنے، آنے والے وقت کے لئے ایک مخصوص عمل کا پروگرام بنانے اور زندگی کے تمام اوقات کے لئے کاموں کی ترتیب و تشکیل کے عمل کو نظام الاوقات کہا جاتا ہے، ہر انسان کے ذمہ مختلف کاموں اور امور کی ادائیگی ہوتی ہے، ان کاموں کی ادائیگی سے عہد برا ہونے کی آسان، سہل اور بہترین صورت یہی ہے کہ انسان پہلے سے ایک نظامِ عمل تشکیل دے اور اس پر پابندی سے عمل پیرا ہو۔

اوقات کا یہ نظام بناتے ہوئے کاموں کی تقدیم و تاخیر کی ترتیب میں وقت اور کام دونوں کی نوعیت اور کیفیت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ کونسا عمل کس وقت زیادہ بہتر طریقہ سے ادا ہو سکتا ہے اور کون سا وقت کس عمل کے لئے زیادہ ساز گار ماحول فراہم کرتا ہے۔

.......جو کام زیادہ نشاط، طبیعت کی تازگی اور ذہن و دماغ کی توجہ کا تقاضہ کرتا ہو، اس کی ادائیگی کے لئے وقت کا انتخاب بھی ایسا ہونا چاہئے جب انسان کی طبیعت میں تازگی اور

نشاط ہو، مثلاً صبح کے وقت انسان کی قوتوں اور صلاحیتوں کی فضا پر تازگی اور رعنائی چھائی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے اوقاتِ صبح میں برکت کی دعاء فرمائی ہے امام ترمذیؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُكُوْرِھَا "اے اللہ! میری اُمت کے لئے صبح کے اوقات میں برکت عطا فرما۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت فاطمہؓ کے پاس صبح کے وقت تشریف لے گئے آپؓ لیٹی آرام فرمارہی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جگاتے ہوئے فرمایا:

یَا بُنَیَّةُ، قُوْمِیْ، اِشْھَدِیْ رِزْقَ رَبِّكِ وَلَا تَكُوْنِیْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُقَسِّمُ أَرْزَاقَ النَّاسِ مَابَيْنَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلٰی طُلُوْعِ الشَّمْسِ

"بیٹی! اٹھئے، اپنے رب کے رزق کی تقسیم کے وقت حاضر رہیے، اور غفلت والوں میں سے مت بنیے، کیونکہ اللہ جل شانہ طلوع فجر اور طلوع شمس کے درمیان لوگوں کا رزق تقسیم کرتا ہے۔"

چونکہ صبح کا وقت انسان کی طبعی نشاط کا بابرکت وقت ہوتا ہے اس لئے اس میں تقرر بھی ایسے کام کا ہونا چاہئے جو اس نوعیت کا مقتضی ہو، اسی طرح شب و روز کے دیگر اوقات کے لئے بھی کاموں کے انتخاب میں وقت اور کام دونوں کی کیفیت، نوعیت اور فطری ماحول اور مزاج کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

زندگی کو نظام الاوقات کے پابند بنانے سے جہاں اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہاں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب پہلے سے ایک پروگرام طے ہوگا اور آنے والے وقت کے لئے ایک نظامِ عمل مقرر ہوگا تو اس وقت کی آمد پر انسان کی توجہ ازخود اس کام کی ادائیگی کی طرف مبذول ہوگی اور یوں وقت، تردد اور سوچنے میں ضیاع کا شکار نہیں ہوگا.... کہا جاتا ہے وقت ایک ظالم خونریز کی مانند ہے، دانا وہی ہے جو اس کو پکڑ کر قابو میں کرلے لیکن چونکہ اس کی چوٹی پیچھے کی بجائے آگے کی جانب ہے اس لئے اس کو

قابو کرنے میں وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جو پیش بین ہو اور آنے والے وقت کے بچاؤ کے لئے اس نے پیشگی تدبیر کر رکھی ہو، مولانا محمد حسین آزاد اپنی مشہور کتاب "نیرنگ خیال" میں "وقت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> "وقت ایک پیرہن کہن سال کی تصویر ہے، اس کے بازوؤں میں پریوں کی طرح پر پرواز لگے ہیں کہ گویا ہوا میں اڑتا چلا جاتا ہے، ایک ہاتھ میں شیشۂ ساعت ہے کہ جس سے اہل عالم کو اپنے گزرنے کا انداز دکھاتا جاتا ہے اور ایک میں درانتی ہے کہ لوگوں کی کشت امید یا رشتۂ عمر کو کاٹا جاتا ہے یا ظالم خونریز ہے کہ جو دانا ہیں اسے پکڑ کر قابو میں کر لیتے ہیں لیکن اوروں کی چوٹیاں پیچھے ہوتی ہیں اس کی چوٹی آگے رکھی ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو وقت گزر گیا وہ قابو میں نہیں آسکتا، ہاں جو پیش بین ہو وہ پہلے ہی سے روک لے۔" (نیرنگ خیال صفحہ ۱۱)

اس پیش بینی کا تقاضہ ہے کہ پہلے سے ایک نظام الاوقات ترتیب دیا جائے اور زندگی کو اس کا پابند بنالیا جائے۔

نظام الاوقات کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے سبب ہر کام اپنے مقررہ وقت میں پوری دلجمعی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے ورنہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ جب انسان کے ذمہ بہت سے کام ہوں اور ان کے لئے اوقات کا نظام مقرر نہ ہو تو ایک کام کی ادائیگی کے وقت دل دوسرے کاموں میں اٹکا رہتا ہے اور یوں انسان کی طبیعت ایک انجانی سی الجھن کا شکار رہتی ہے۔

تاریخ میں جتنی علمی شخصیات گزری ہیں، جنہوں نے عظیم تصنیفی کارنامے انجام دیئے ہیں ان کی پابندیٔ نظام الاوقات ضرب المثل ہے اور یہی ان کے کارناموں کا بنیادی راز ہے، اس کا کچھ اندازہ ان واقعات سے کیا جاسکتا ہے جو آگے ان شخصیات کے متعلق اس سلسلے میں آرہے ہیں۔

۲ صحت!

انسانی جسم کی صحت اللہ جل شانہ کی عظیم بیش بہا نعمت ہے، ذہن و دماغ کی صحت اسی وقت برقرار رہتی ہے جب جسم صحت کی نعمت سے مالا مال ہوا اور وقت کی رفتار سے بھرپور فائدہ زندگی کی صحت مند ہونے ہی کی صورت میں ممکن ہے۔

انسان اگر امراض اور بیماریوں کا شکار ہو جائے، جسم افسردگی کی آفت میں مبتلا ہو، دل کا چمن مرجھایا ہو تو زندگی کا لطف جاتا رہتا ہے اور حیات کا ہر منظر خزاں کا شکنجہ محسوس ہوتا ہے کہ زندگی دل کے جینے سے عبارت ہے اور دلِ افسردہ کو بلبل کی شیریں نوائی بھی غم کے نالے اور قمریوں کی خوش الحانی حزن و الم کا فغاں معلوم ہوتی ہے، جسم و دل اداس ہو، تو پھولوں کی نکہت اور باغ کی زینت بھی اداسی کا نشان و علامت دکھائی دیتی ہے۔ یہ جو جان و دل عطا کئے گئے ہیں، امانت ہیں، ہر امانت حفاظت کا حق رکھتی اور اس کی ادائیگی کا جائز مطالبہ کرتی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لأهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا........فَأَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ

"بیشک تجھ پر تیرے رب کا حق ہے اور تیرے نفس اور اہل و عیال کا حق ہے، پس ہر حق والے کو اس کا حق دیا کر۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ آرام فرما رہے تھے، ان کے صاحبزادے خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے "اباجی! آپ سو رہے ہیں اور لوگ دروازے پر آکر کھڑے ہیں" حضرت عمرؒ نے فرمایا:

يَا بُنَيَّ، إِنَّ نَفْسِيْ مَطِيَّتِيْ، وَأَخَافُ أَنْ أَحْمِلَ عَلَيْهَا فَتَقْعُدَ بِيْ

"بیٹے! میری جان میری سواری ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ حد سے زیادہ اس پر بار ڈالوں گا تو وہ چل نہ سکے گی۔"

اسی لئے وقت اور زندگی سے تعمیری کام لینے کے لئے جسمانی صحت کی حفاظت اور

اس کا خیال رکھنا ایک فطری اور ضروری امر ہے۔

وہ کام جو غلو اور صحت کو متاثر کرنے والے انہماک کی حد تک ہو، پسندیدہ نہیں، تیز رفتا چل کر راہ میں غفلت کی نیند سونے والے خرگوش سے دھیمی چال چلنے والا وہ کچھوہ جو منزل پر پہنچے بہرحال بہتر ہے کہ دھیمی دھیمی چال ہی سے زندگی کی رہ گزر باسانی طے ہو سکتی ہے، جنہیں تیز روی پر ناز ہوتا ہے وہ عموماً منزل پر کم ہی پہنچ پاتے ہیں،........ پانی کا وہ قطرہ جو ہمیشہ ٹپکتا ہے پتھر کے سخت سینہ میں بھی شادابی کا اثر پیدا کرلیتا ہے اس پُر شور برساتی ندی سے بہتر ہے جو چند لمحوں کے ہنگامہ کے بعد ختم ہوجائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَحَبُّ الاعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ مَادَامَ وَإِنْ قَلَّ

"اللہ کو وہ عمل محبوب ہے جو دائمی ہو اگرچہ مقدار میں کم ہو۔"

③ احتساب!

کیا کھویا اور کیا پایا؟ کتنا فائدہ ہوا اور کتنا نقصان؟ اس کے پرکھنے کی کسوٹی احتساب کا عمل ہے، چاہے وہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی اسٹیج پر....

وقت کے متعلق احتسابی عمل سے گزرنے کے بعد دل میں اگر زندگی کی کچھ اہمیت ہے تو شب و روز ضائع جانے والے اوقات پر ایک حسرت پیدا ہوتی ہے اور حسرت کے داغ اکثر نشان منزل ہوتے ہیں........ یوں کہ اس سے آئندہ وقت کو ضیاع سے بچانے کے لئے ایک عملی جذبہ بیدار ہوجاتا ہے......... یہ جو بات کہی جاتی ہے اور وہ اپنی جگہ درست بھی ہے کہ ماضی پر حسرت اور مافات پر ندامت وقت کو مزید ضائع کرنا ہے یہ اس وقت ہے جب ندامت و حسرت کی وہ کیفیت مستقبل میں کسی نئے عزم اور جذبے کا سبب نہ بنے، اگر مافات پر ندامت، تلافی کا جذبہ اور عملی ولولہ پیدا کرتی ہے تو یہ احساس ضیاعِ وقت کے زمرے میں نہیں آتا اور وقت کے سلسلے میں احتساب کے اصول سے تلافیٔ مافات کا یہی جذبہ اور عمل کا عزمِ جواں پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

وقت کی تہہ میں افراد اور قوموں کی ترقیوں کا راز مضمر ہے

وقت افراد اور قوموں کا سرمایہ ہے، ترقی کی وہ راہیں جو اس سرمایہ کے ٹھیک استعمال ہی کی بدولت طے ہوسکتی ہیں انہی اقوام کی رہِ گذر بن سکتی ہیں جو اس گرانمایہ پونجی کو صحیح استعمال کرتی ہیں، فرد معاشرے کا جز ہے اور افراد ہی کے ہاتھوں میں اقوام کی تقدیر ہوتی ہے، کسی قوم کے زوال کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کے افراد ضیاعِ وقت کی آفت کا شکار ہوجائیں۔

مسلمان قوم جو ایک درخشاں تاریخ رکھتی ہے اور جس کے جاہ و جلال اور عظمت وسطوت کے پرچم سرنگوں ہوئے کوئی زیادہ عرصہ نہیں گذرا، وقت کی قدر اس کے مذہبی فرائض میں داخل ہے اور یہ اس کی تاریخی خصوصیت رہی ہے، وہ صدیوں پوری دنیا پر چھائی رہی، علم و حکمت کے میدانوں میں بڑھتی اور ترقی کی سیڑھیاں چڑھتی رہی، ان کی علم و دانش کی درسگاہیں تو وقت کی پابند تھیں ہی، .... عیش فراواں اور وسعت حکومت رکھنے والے بادشاہوں کے درباروں میں بھی یہ سبق سکھایا جاتا کہ وہ کام جو فائدہ سے خالی ہو، چاہے کتنا ہی حیرت انگیز کیوں نہ ہو، کمالِ زندگی نہیں، زوالِ زندگی ہے۔

مشہور ہے کہ کسی شخص نے ہارون الرشید کے دربار میں ایک حیرت انگیز کرتب دکھانے کی اجازت چاہی تھی، اجازت مل گئی تو دربار میں حاضر ہوکر فرش کے بیچوں بیچ ایک سوئی کھڑی کردی اور کچھ فاصلے پر کئی سوئیاں ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوگیا پھر اس نے ایک سوئی اٹھائی اور فرش پر کھڑی ہوئی سوئی کا نشانہ لیا، حاضرین کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ یہ دوسری سوئی پہلی سوئی کے ناکے میں داخل ہوکر پار ہوچکی ہے، اس طرح اس نے تقریباً دس سوئیاں پھینکیں اور سب کی سب پہلی سوئی کے ناکے سے پار ہوگئیں۔

ہارون رشید نے یہ حیرت انگیز کمال دیکھا تو حکم دیا کہ "اس شخص کو دس دینار انعام میں دیئے جائیں اور دس کوڑے لگائے جائیں" حاضرین نے اس عجیب و غریب انعام کی وجہ پوچھی تو ہارون رشید نے کہا........ "دس دینار اس شخص کی ذہانت، نشانے کی سچائی کا انعام ہے اور دس کوڑے اس بات کی سزا ہے کہ اس نے اپنی خداداد صلاحیتیں اور قیمتی وقت ایک ایسے کام میں صرف کیا جس کا دین و دنیا میں کوئی فائدہ نہیں"۔[1]

آج مغرب مادی ترقی کی جن شاہراہوں پر گامزن ہے، اس نے سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کے جو مراحل طے کئے ہیں اور فلسفہ و حکمت کی جن بلندیوں پر کمندیں ڈالی ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ مغربی معاشرہ ہزار خرابیوں کے باوجود وقت کی قدر کرتا ہے، افراد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے مواقع فراہم کرتا ہے اور علم و حکمت میں تلاش و جستجو کا ایک جذبہ اپنے اندر رکھتا ہے، مجموعی طور پر کام چوری کی عادت مغربی معاشرہ میں نہیں ہے، ملازمت کے وقت کی پابندی اور اس وقت میں جم کر کام کرنا ان کے بدترین معاشرے کا بہترین خاصہ ہے اور ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے ایک وقت اور ہر وقت کے لئے ایک نظام کا پابند معاشرہ ہی ترقی کر سکتا ہے، انگریزوں کے ساتھ برسوں رہنے والے ایک مسلمان کرنل نے بالکل درست لکھا ہے کہ.......

"یہ فرنگی لوگ عشق بھی ٹائم ٹیبل بنا کر کرتے ہیں اور دمِ عشق بھی
ایک آنکھ گھڑی پر رکھتے ہیں بلکہ الارم لگالیتے ہیں........"

پروفیسر آرنلڈ کا وہ واقعہ پڑھئے جو شبلی نعمانی مرحوم نے اپنے روم و شام کے سفرنامے میں لکھا ہے اور اندازہ کیجئے کہ اس غیر مسلم کے دل میں وقت کی کیا قدر اور علم کا کتنا جذبہ ہے، وہ لکھتے ہیں:

"عدن سے چونکہ دلچسپی کے نئے سامان پیدا ہوگئے تھے، اس لئے
ہم بڑے لطف سے سفر کر رہے تھے، لیکن دوسرے ہی دن ایک

---

[1] یہ واقعہ کافی مشہور اور اردو کی کئی کتابوں میں ہے، مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے اپنی کتاب "اسلام اور جدت پسندی" کے صفحہ ۷۴ میں لکھا ہے تاہم تاریخ کی اصل کتابوں میں احقر کو نہ مل سکا۔

پُرخطر واقعہ پیش آیا جس نے تھوڑی دیر تک مجھے پریشان رکھا، ۱۰ مئی کی صبح کو میں سوتے سے اٹھا تو ایک ہم سفر نے کہا، جہاز کا انجن ٹوٹ گیا ہے، میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھر رہے تھے......... انجن بالکل بے کار ہو گیا تھا اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا، میں سخت گھبرایا اور نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے......... اس اضطراب میں، میں اور کیا کر سکتا تھا، دوڑا ہوا "مسٹر آرنلڈ" کے پاس گیا، وہ اس وقت نہایت اطمینان کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، میں نے ان سے کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟......... بولے، ہاں، انجن ٹوٹ گیا ہے، میں نے کہا، آپ کو کچھ اضطراب نہیں؟ بھلا یہ کتاب دیکھنے کا کیا موقع ہے؟ فرمایا.... "اگر جہاز کو برباد ہی ہونا ہے، تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے، اور ایسے قابل قدر وقت کو رائیگاں کرنا بالکل بے عقلی ہے".... ان کے استقلال اور جرأت سے مجھ کو بھی اطمینان ہوا۔"

(سفرنامہ روم و مصر و شام، از شبلی نعمانی صفحہ:۱۶)

یہ چیز تو تھی مسلمانوں کے اپنانے کی، لیکن اپنایا اسے مغرب نے، افسوس یہ ہے کہ مسلمان قوم مغرب کی تقلید پر جب بے محابا اتر آئی تو فحاشی و عریانی، رقص و موسیقی، جنسی اشتعال انگیزی اور اختلاط مرد و زن جیسی ہلاکت آفرینیوں میں ان کی تقلید تو کر لی جس نے مغرب کو سلگتے ہوئے داغوں اور محرومیوں کے سوا کچھ نہیں دیا، تاہم اس معاشرے میں جو اچھائیاں تھیں وہ ان سے نہیں لیں۔

آج مسلم معاشرے میں پیدا ہونے والے بچے کی زندگی تباہ کرنے کے لئے ہزار جال بچھائے گئے ہیں، وڈیو گیم، ٹی وی، سینما اور فحش و رومانی لٹریچر کا ایک سیلاب بلا خیز ہے جس میں اس کی معصوم زندگی کے حسین اور کار آمد لمحات ضائع اور بے فائدہ بہتے چلے جا رہے ہیں۔

تعلیم کا زمانہ جو درحقیقت انسانی عمر کی ناپختہ ٹہنی کے برگ و بار کا زمانہ ہوتا ہے، اگر وقت کی قدر کے صحت بخش چشموں سے اس کو سیراب کیا گیا تب تو یہ ٹہنی آگے ایسے سایہ دار درخت کی شکل اختیار کرسکتی ہے جس کی شاداب شاخیں ہزاروں درماندہ رہرووں کے لئے پر سکوں چھاؤں فراہم کرتی ہوں......... لیکن اگر اس ٹہنی کو ضیاعِ وقت کی دیمک لگ گئی تو دوسروں کے لئے سامان راحت کی فراہمی تو کجا خود اپنی شادابی اور زندگی سے بھی محروم ہو رہتی ہے۔

جامعات و مدارس میں پڑھنے والے نوجوان جو قوم کا مستقبل اور سرمایہ ہیں، ان کے اوقات کا ایک بڑا حصہ ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں فضول مجلسوں کی نذر ہوجاتا ہے، محفل سجاکر گھنٹوں گپ بازی کا لایعنی مشغلہ ان کی ایک محبوب عادت بن گیا ہے، تعطیلات کا طویل زمانہ بغیر کسی نظام اوقات اور مفید مشغلے کے یوں ہی گذر جاتا ہے اور تعلیم کا زمانہ پورا کرکے جب نکلتے ہیں تو پھر زبان حال سے پکار پکار کر کہتے ہیں کہ ؎

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

وقت کی قدر اہل علم کی نظر میں

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے کشکول زندگی "صید الخاطر" اور ابن مفلح حنبلی اپنی تصنیف "آداب شرعیہ" میں وقت کی قدر و قیمت کے متعلق لکھتے ہیں:

"وقت کو ضائع ہونے سے تب بچایا جاسکتا ہے جب دل میں اس کی اہمیت کا احساس ہو، انسان کو چاہئے کہ ایک نظام الاوقات بنائے اور اس میں کاموں کی ترتیب "الأھم فالأھم" کے اصول کے مطابق رکھے، ہمارے اسلاف عمر عزیز کے قیمتی لمحات کے بڑے قدر دان تھے........ مشہور تابعی عامر بن عبدالقیس کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک مرتبہ کسی نے کوئی بات کرنی چاہی تو وہ فرمانے لگے:

"سورج کی گردش روک دو تو تم سے بات کرنے کے لئے وقت نکال لوں۔"

لایعنی لوگوں سے اللہ کی پناہ!

"میں نے لوگوں کو عجیب غفلت و لاپرواہی سے وقت ضائع کرتے دیکھا ہے، انہیں رات کو اگر فرصت مل جائے تو بے فائدہ باتیں شروع کردیتے ہیں اور اگر دن کو کوئی فارغ وقت میسر آجائے تو سوجاتے ہیں، میں بے مقصد اور لایعنی قسم کے لوگوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، کئی لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ میل جول ان کی عادت بن گیا ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ لایعنی میل ملاپ خدمت خلق

ہے، طویل طویل مجلسیں قائم کرکے بے فائدہ گفتگو میں محو رہتے ہیں، جس میں غیبت وغیرہ کا شامل ہوجانا ایک لازمی امر ہے یہ چیز ہمارے زمانہ میں بہت زیادہ ہوگئی ہے (یہ چھٹی صدی ہجری کا شکوہ ہے!.........)۔ جس سے لوگ ملنے جاتے ہیں بسا اوقات اس کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ مجلس دیر تک جمی رہے کہ بیچارا تنہائی سے اکتا گیا ہوتا ہے۔ بالخصوص تہنیت اور عیادت وغیرہ کے موقعوں پر جب لوگ ایک دوسرے کے ہاں جاتے ہیں تو صرف سلام اور مبارک کہنے پر اکتفاہی نہیں کرتے تا آنکہ غیر مفید بحثوں میں وقت ضائع نہ کرلیں۔"

وقت بچانے کی ایک صورت!

"چونکہ وقت انسان کا قیمتی سرمایہ ہے، اچھے اور صالح کاموں میں وقت صرف کرنا ایک لازمی امر ہے، اس لئے مجھے لوگوں کا یہ بے فائدہ میل جول بالکل پسند نہیں، اب میرے سامنے ایک صورت تو یہ تھی کہ میں لوگوں سے بالکل الگ تھلگ رہتا، تو یہ صورت بھی مناسب نہیں تھی کہ اس سے انس و محبت کا تعلق یکسر ختم ہوجاتا، دوسری صورت یہ تھی کہ ان کے ساتھ میں بھی لایعنی ملاقاتوں کا سلسلہ قائم رکھتا، ظاہر ہے اس میں وقت کا ضیاع اور نقصان تھا، اس لئے میں نے ایک تیسری صورت اختیار کی کہ اول تو کسی کے ساتھ ملنے سے بچنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہوں تاہم اگر کسی سے ملے بغیر چارہ ہی نہ ہو تو کلام میں نہایت اختصار سے کام لیتا ہوں، نیز ملاقات کے ان اوقات کے لئے ایسے ہلکے پھلکے کام چھوڑ رکھتا ہوں جن میں زیادہ دماغ سوزی کی ضرورت نہیں پڑتی، مثلاً قلم کا قط لگانا، کاغذ کاٹنا اور اس قسم کے دوسرے کام، میں ان

اوقات میں کرتا ہوں......... تاکہ یہ اوقات صرف باتوں ہی میں ضائع نہ ہوں۔"

وقت کی قدر بڑے نصیب کی بات ہے!

"بہت سے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ انہیں اپنی زندگی کا کوئی ہدف اور مقصد معلوم ہی نہیں، بعض کو اللہ نے دولت دے رکھی ہے تو بازاروں میں بیٹھے لوگوں کو دیکھ دیکھ کر وقت گزارتے ہیں، کچھ شطرنج وغیرہ کھیلنے بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو سلاطین و بادشاہوں کے بے فائدہ، من گھڑت قصے اور حکایات سننے کا مشغلہ اختیار کرکے زندگی ضائع کرتے ہیں۔ ان چیزوں کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وقت کی قدر اور زندگی کی اہمیت کا احساس اللہ کا ایک انعام ہے اور یہ انعام ہر کسی کو نہیں ملتا، وہ جسے چاہیں عطا کردیں کہ یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے اور بڑے نصیب کی بات ہے، اللہ جل شانہ ہمیں وقت کی قدر اور اس کی اہمیت کا احساس عطا فرمائیں! آمین!"

وقت کے بارے میں اسلاف کی احتیاط!

"علمائے سلف اپنے وقت کے بارے میں بڑے محتاط تھے، وقت کے ضائع ہونے کا انہیں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا کسی بزرگ سے چند لوگ ملاقات کے لئے گئے، ملاقات کے آخر میں انہوں نے ان بزرگ سے معذرت کے طور پر کہا "شاید ہم نے آپ کو اصل کام سے ہٹا کر مشغول کردیا" وہ بزرگ فرمانے لگے "تم ٹھیک کہتے ہو، میں پڑھنے میں مصروف تھا، آپ لوگوں کی وجہ سے میں نے پڑھنا چھوڑ دیا۔"

چند لوگ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے،

جب مجلس انہوں نے طویل کی اور کافی دیر تک نہیں اٹھے تو حضرت معروف کرخی ان سے فرمانے لگے:

إِنَّ مَلَكَ الشَّمْسِ لَا يَفْتُرُ عَنْ سَوْقِهَا فَمَتٰى تُرِيْدُوْنَ الْقِيَامَ؟

”نظام شمسی چلانے والا فرشتہ تھکا نہیں (اس کی گردش جاری اور وقت گزر رہا ہے) آپ لوگوں کے اٹھنے کا کب ارادہ ہے؟

داؤد طائی روٹی کے بجائے چورہ استعمال کرتے تھے، فرماتے تھے، دونوں کے استعمال میں کافی تفاوت ہے روٹی کھاتے چباتے کافی وقت لگ جاتا ہے جب کہ چورے کے استعمال سے نسبتاً اتنا وقت بچ نکل آتا ہے کہ اس میں پچاس آیات تلاوت کی جاسکتی ہیں....... عثمان باقلانی ہمیشہ ذکر میں مصروف رہتے تھے، فرماتے تھے: ”چونکہ کھاتے وقت ذکر نہیں ہو سکتا اس لئے جب میں کھانے میں مشغول ہو جاتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری روح نکل رہی ہو“ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ، غُرِسَتْ لَهٗ بِهَا نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ

”جو شخص ایک مرتبہ ”سبحان اللہ وبحمدہ“ کہے گا، اس کے عوض اس شخص کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جائے گا“

ذرا اندازہ کیجئے! زندگی کی کتنی قیمتی گھڑیاں ایسی ہیں جو انسان ضائع کر دیتا ہے اور اتنے عظیم اجر و ثواب سے محروم رہتا ہے۔ دنیا کے یہ ایام آخرت کے لئے کھیتی کا درجہ رکھتے ہیں، کون ہے ایسا جس میں عقل ہو کہ اپنی کشت میں بیج نہ بوئے یا کاہلی و سستی سے کام لے۔ اس لئے ضرورت ہی کے تحت لوگوں سے ملا جائے، عام حالات میں صرف علیک سلیک پر اکتفا کیا جائے، زیادہ میل جول

ترک کرکے خلوت اور کنج تنہائی وقت کو ضیاع سے بچانے میں بہت مدد ہے، اسی طرح کھانے کی مقدار میں کمی بھی وقت بچانے میں معاون بن سکتی ہے کیونکہ بسیار خوری بسیار خوابی کا سبب ہے، ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں یہ چیز بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔"

جس سے محنت کا جذبہ زندہ رہے!

"علمائے سلف بہت عالی ہمت تھے، ان کی عالی ہمتی کا اندازہ آپ ان کی ان تصانیف سے کرسکتے ہیں جو ان کی زندگیوں کا نچوڑ ہیں، علم میں کمال چاہنے والے طالب علم کو چاہئے کہ اسلاف کی کتابوں سے واقفیت حاصل کرے تاکہ ان کی عالی ہمتی دیکھ کر اس کا دل زندہ اور اس کے محنت کرنے کا عزم متحرک ہو، نیز کتاب کسی بھی فن کی ہو فائدہ سے تو بہرحال خالی نہیں ہوتی (اس لئے اسلاف کی ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے)"

آگے علامہ ابن جوزی اپنے زمانہ کے لوگوں کی کم ہمتی کا شکوہ کرکے فرماتے ہیں:

"میں اپنے زمانہ کے پست ہمت لوگوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، نہ تو ان میں کوئی ایسا عالی ہمت ہے کہ مبتدی اس کی اقتدا کرے اور نہ کوئی ایسا صاحب تقویٰ ہے کہ سالک اس کی اتباع کرے، لہٰذا اپنے اسلاف کی سیرت کو پڑھیئے، ان کے حالات و تصانیف کا مطالعہ کیجئے کہ ان کی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ انہیں دیکھنے کی مانند ہے"۔[1]

---

[1] یہ تفصیل شیخ عبدالفتاح رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "قیمۃ الزمن" میں علامہ ابن الجوزی کے "کشکول زندگی" "صید الخاطر" اور ابن مفلح کی تصنیف "آداب شرعیہ" سے نقل کی ہے ہم نے وہیں سے ترجمہ کر کے لی ہے دیکھئے، قیمۃ الزمن عند العلماء صفحہ ۵۷ تا ۶۲۔

صاحب عیون الانباء نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

وَاللّٰهِ إِنِّیْ أَتَأَسَّفُ فِیْ الْفَوَاتِ عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِالْعِلْمِ وَقْتَ الاکْلِ، فَإِنَّ الْوَقْتَ وَ الزَّمَانَ عَزِیْزٌ (عیون الانباء جلد ۲ صفحہ ۳۴)

"خدا کی قسم! کھانا کھاتے وقت علمی مشغلہ ترک کرنے کی وجہ سے مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ وقت اور زمانہ بڑا ہی عزیز سرمایہ ہے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا اور فقہ حنبلی کے لئے مآخذ کی حیثیت رکھنے والی مشہور کتاب "منتقی الاخبار" کے مصنف مجدالدین ابن تیمیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ابن رجب نے "ذیل طبقات حنابلہ" (جلد ۲، صفحہ ۲۴۹) میں ان کے متعلق لکھا ہے:

"وہ عمر عزیز کا کوئی لمحہ ضائع ہونے نہیں دیتے تھے، زندگی کی ایک ایک گھڑی کو کسی مفید مصرف میں لگانے کا اس قدر اہتمام تھا کہ کبھی تقاضہ اور ضرورت سے جاتے تو اپنے کسی شاگرد سے کہتے تم کتاب بلند آواز سے پڑھو تاکہ میں بھی سن سکوں اور وقت ضائع نہ ہو۔"

بات بڑی عجیب ہے لیکن عجب چیز ہے احساس زندگانی کا!

آٹھویں صدی کے مشہور شافعی عالم اور فقیہ شمس الدین اصبہانی کا تذکرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے "درر کامنہ" (جلد ۶ صفحہ ۸۵) میں، اور علامہ شوکانی نے "البدر الطالع" (جلد ۲ صفحہ ۲۸۹) میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ کھانا اس ڈر کی وجہ سے کم کھاتے تھے کہ زیادہ کھانے سے تقاضہ کی ضرورت بڑھے گی اور خلا جاکر وقت ضائع ہوگا"

حافظ ابن عساکر نے "تبیین کذب المفتری" (صفحہ ۲۶۳) میں پانچویں صدی کے مشہور عالم سلیم رازی کے بارے میں لکھا ہے کہ "لکھتے لکھتے جب ان کا قلم گھس جاتا تو قلم کا قط لگاتے ہوئے ذکر شروع کردیتے تاکہ یہ وقت صرف قط ہی لگانے میں ضائع نہ ہو"

علم عروض کے موجد اور علم نحو کے مشہور امام خلیل بن احمد فرماتے تھے: أَثْقَلُ السَّاعَاتِ عَلَيَّ سَاعَةٌ آكُلُ فِيهَا "یعنی وہ ساعتیں مجھ پر بڑی گراں گزرتی ہیں جن میں، میں کھانا کھاتا ہوں۔"

علامہ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" (جلد۳، صفحہ۱۱۴) میں خطیب بغدادی کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ راہ چلتے بھی مطالعہ کرتے تھے۔" تاکہ آنے جانے کا وقت ضائع نہ ہو، حافظ ابن رجب نے "ذیل طبقات حنابلہ" میں اور علامہ ابن الجوزی نے "المنتظم" میں ابوالوفاء بن عقیل کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

> "میں کھانے کے وقت کو مختصر کرنے کی بہت کوشش کرتا ہوں، اکثر روٹی کے بجائے چورہ پانی میں بھگو کر استعمال کرتا ہوں، کیونکہ روٹی اور چورہ کے استعمال میں کافی تفاوت ہے، روٹی کھانے میں کافی وقت لگ جاتا ہے جب کہ ثانی الذکر کے استعمال سے مطالعہ وغیرہ کے لئے نسبتاً کافی وقت بچ جاتا ہے۔"

ایک خط میں لکھتے ہیں:

> وَأَنَّ أَجَلَّ تَحْصِيلٍ عِنْدَ الْعُقَلَاءِ بِإِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ هُوَ الْوَقْتُ فهو غَنِيمَةٌ تُنْتَهَزُ فِيهَا الْفُرَصُ، فَالتَّكَالِيفُ كَثِيرَةٌ وَالاوْقَاتُ خَاطِفَةٌ (ذیل طبقات حنابلہ ۱/۱۴۹ - ۱۴۶)
>
> "علماء و عقلاء سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی سب سے اہم پونجی جس کو بچا بچا کر استعمال کرنا چاہئے وقت ہے، لمحاتِ زندگی فراہم کرنے والا وقت درحقیقت بڑی غنیمت ہے اس لئے اس کو بچا بچا کر رکھنا چاہئے کہ انسان کے ذمہ کام بہت ہیں جب کہ وقت اچک کر بہت جلد غائب ہونے والی چیز ہے۔"

یہ وقت کی قدر دانی ہی کا نتیجہ تھا کہ ابن عقیل نے ابن الجوزی کے بیان کے مطابق کئی مختلف فنون میں کتابیں لکھیں، ایک کتاب انہوں نے آٹھ سو جلدوں میں لکھی، کہا

جاتا ہے کہ دنیا میں اس سے بڑی کتاب نہیں لکھی گئی۔[۱]

چھٹی صدی کے مشہور عالم ابن سکینہ کے تذکرہ میں علامہ ذہبی نے سیراعلام النبلاء (جلد ۲۱ صفحہ ۵۰۴) میں لکھا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے "صرف سلام کیا کرو، اس سے زیادہ کچھ نہ کہا کرو۔" اور یہ اس لئے کہ عام طور پر ملاقات کے وقت رسماً خیر و عافیت پوچھی جاتی ہے تاکہ اس میں وقت ضائع نہ ہو کہ ؎

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست
ایں رشتہ رامسوز کہ چندیں دراز نیست

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی پابندیٔ وقت ضرب المثل تھی، حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ اپنے شیخ کے متعلق فرماتے ہیں:

> "حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو وقت کی بڑی قدر تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت ہی میں وقت کی اہمیت کو مضمر کردیا تھا، وقت کے ایک ایک لمحہ کو صحیح اور برمحل استعمال کرنے کا اس قدر اہتمام تھا کہ ہر وقت ان کی نظر گھڑی پر رہتی تھی اور نہایت ہی سہولت اور بے تکلفی سے نظام الاوقات کے تحت ہر کام کو انجام دیتے تھے......... ساری عمر اپنے تمام معمولات اور ضروریاتِ زندگی کو مقررہ اوقات میں ایک ہی انداز میں ڈھال لیا تھا۔"

آگے فرماتے ہیں:

> "سچی بات یہ ہے کہ وقت بڑی قدر کی چیز ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ دین و دنیا کی دولت یہی وقت ہے جس نے وقت سے فائدہ اٹھایا اس کے دین کا بھی نفع ہوا اور دنیا کا بھی! جوانی کا زمانہ اکثر غفلت کا زمانہ ہوتا ہے اور عاقبت کی فکر بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے، جب جوانی کے بعد اعصاب کمزور ہونے لگتے ہیں، دل و دماغ میں ضعف

---

[۱] قَالَ الْحَافِظُ الذَّهَبِيُّ فِيْ تَارِيْخِه لَمْ يُصَنَّفْ فِي الدُّنْيَا أَكْبَرُ مِنْ هٰذَا الْكِتَابِ (ذیل طبقات الحنابلہ ۱۵۶/۱)

پیدا ہو جاتا ہے، طاقت و ہمت جواب دے جاتی ہے، اس وقت اکثر جب ہوش آتا ہے کہ ہماری پچھلی عمر بڑی کوتاہیوں اور خامیوں میں بسر ہوئی اب کیا کریں؟ اور اگر کرنا بھی چاہیں تو اس کے لئے کوئی سامان نہیں ہے.......... نہ دل و دماغ ہے اور نہ ہمت و طاقت ہے، یہ بڑی مایوسی اور بیچارگی کا عالم ہوتا ہے۔"

(مآثر حکیم الامت صفحہ ۳۶۷)

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بارے میں ان کے صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم لکھتے ہیں:

"حضرت والد صاحب کو وقت کی قدر و قیمت کا بڑا احساس تھا اور آپ ہر وقت اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتے تھے اور حتی الامکان کوئی لمحہ فضول جانے نہیں دیتے تھے، آپ کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ آپ کے وقت کا کوئی حصہ ضائع چلا جائے، آپ سنت کے مطابق گھر والوں کے ساتھ ضروری اور بسا اوقات تفریحی گفتگو کے لئے بھی وقت نکالتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ کے دل میں کوئی آلارم لگا ہوا ہے جو ایک مخصوص حد تک پہنچنے کے بعد آپ کو کسی اور کام کی طرف متوجہ کردیتا ہے۔ ایک روز ہم لوگوں کو وقت کی قدر پہچاننے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ ہے تو بظاہر ناقابل ذکر سی بات، لیکن تمہیں نصیحت دلانے کے لئے کہتا ہوں کہ مجھے بے کار وقت گزارنا انتہائی شاق معلوم ہوتا ہے انتہا یہ ہے کہ جب میں قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء جاتا ہوں تو وہاں بھی خالی وقت گزارنا مشکل ہوتا ہے چنانچہ جتنی دیر بیٹھنا ہوتا ہے، اتنے اور کوئی کام تو ہو نہیں سکتا اگر لوٹا میلا کچیلا ہوتا ہے تو اسے دھولیتا ہوں۔" (البلاغ مفتی اعظم نمبر صفحہ ۵۰۶)

مسلمان مصنّفین کے عظیم تصنیفی کارناموں کا راز!

آپ نے پڑھا ہو گا ورنہ ضرور سنا ہو گا کہ مشہور محدث ابن شاہین نے صرف روشنائی اتنی استعمال کی کہ اس کی قیمت سات سو درہم بنتی تھی، امام محمد کی تالیفات ایک ہزار کے قریب ہیں، ابن جریر نے زندگی میں تین لاکھ اٹھاون ہزار اوراق لکھے، علامہ باقلانی نے صرف معتزلہ کے رد میں ستر ہزار اوراق لکھے، امام غزالی نے اٹھتر کتابیں لکھیں جن میں صرف "یاقوت التاویل" چالیس جلدوں میں ہے، ابن جوزی کے آخری غسل کے واسطے پانی گرم کرنے کے لئے وہ برادہ کافی ہو گیا تھا جو صرف حدیث لکھتے ہوئے ان کے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا، مشہور مسلمان فلسفی اور طبیب ابن سینا کی تصانیف میں سے "الحاصل و المحصول" بیس جلدوں میں "الانصاف" بیس جلدوں میں، "الشفاء" اٹھارہ جلدوں میں "لسان العرب" دس جلدوں میں اور اس طرح دیگر کئی تصانیف کئی کئی جلدوں میں ہیں، نویں صدی کے مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانی کی "فتح الباری شرح بخاری" چودہ جلدوں میں "تہذیب التہذیب" بارہ جلدوں میں، "الاصابۃ" نو جلدوں میں "لسان المیزان" چار جلدوں میں اور "تغلیق التعلیق" پانچ جلدوں میں ہے۔

تصنیفی میدان میں مسلمان مصنّفین کی ان عظیم تصنیفات کا کچھ حصہ تو بچ گیا اور ایک حصہ وہ ہے جو حوادث زمانہ کی نذر ہو گیا، وہ جو تاریخ میں ہے کہ تاتاریوں کی بربریت نے جب بغداد کا رخ کیا تو انسانوں کی تباہی کے ساتھ ساتھ بغداد کے عظیم اسلامی کتب خانوں کو بھی دجلہ کے حوالہ کیا، کہا جاتا ہے کہ ایک عرصہ تک اس کا پانی سیاہ بہہ رہا تھا......... تاہم زمانے کی اس خورد برد سے بچے ہوئے ذخیروں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں، جن کا ایک بڑا حصہ یورپ کے کتب خانوں کی زینت ہے اور جس کو دیکھ کر اقبال نے بڑے درد سے کہا تھا ۔

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تصنیف کے اس مشغلہ کے ساتھ ان کی زندگی دیگر ضروریات سے فارغ تھی .... جہاں لکھنے والوں نے ان کے ان عظیم تصنیفی کاموں کا ذکر کیا، وہیں سوانح نگار مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ شب و روز سینکڑوں نوافل ان کا معمول تھے۔ آخری شب "بیداریٔ آہ سحر گاہی" کی پابند تھی، مختصر مدت میں قرآن شریف کا ختم معمولات زندگی کا حصہ تھا، اقرباء کی ادائیگی حقوق کا اہتمام تھا، طلبہ اور عوام کے لئے علمی مشغلہ کا مستقل انتظام تھا۔

آج کے دور کی سہولتیں اس زمانے میں ناپید تھیں، وہ زندگی اگرچہ قوت و صلاحیت کی زندگی تھی تاہم مشکلات و مشقت سے خالی نہ تھی، زندگی کی ہر قوت کو ایک مشقت کا سامنا تھا اور ہر صلاحیت ایک صعوبت کے مقابل تھی۔ سفر کے لئے زمین پر دوڑنے اور ہوا میں اڑنے والے دورِ جدید کے ذرائع کا وجود کیا معنی تصور تک نہ تھا۔ لکھنے کے لئے آج کا رواں دواں قلم ایجاد نہ ہوا تھا، وہ نرکل کی لکڑی اور دوات، جہاں سطر در سطر قلم روشنائی میں ڈبونے کا محتاج تھا۔ پھر کاغذ کی یہ فراوانی کہاں! .... یہ نرکل کے اس قلم کی کرامت تھی یا اہل قلم کے کمال و محنت کا نتیجہ، کہ چمڑوں اور ہڈیوں کی ناہموار سطح پر بھی اس کا تیز رفتار سفر جاری رہتا۔

اس زندگی کی راتیں روشنی کی زبوں حالی کا شکار تھیں، کہاں آج یہ بجلی کا جھلمل کرتا ہوا عالم اور کہاں وہ ٹمٹماتے چراغ کی اداس روشنی! لیکن آہ! اس چراغ کا انتظام بھی ہر ایک کے بس کی بات کہاں تھی، پاسبانوں کی قندیلوں کی روشنی میں رات رات بھر مطالعہ کرتے، پڑھتے اور لکھتے تھے۔

پھر آج کی طرح سینکڑوں صدیوں کی برومندی کا ثمرہ ان کے سامنے نہ تھا کہ وہ دور برومندی کا تھا، ثمر برومندی کا نہیں .... اب کی طرح کتابیں مدون نہ تھیں، مراجع سے مقصد کی بات نکالنے کو آسان تر کرنے کے لئے جدید فنی کام وجود میں نہیں آیا تھا۔
مشقت کے ان پہلوؤں کو سامنے رکھئے اور ان کے ان کارناموں کو دیکھئے یہ بھی نہیں

کہ ان کا قلم چل گیا سو جیسے تیسے ہو بس چل گیا بلکہ قلم کا مسافر جہاں سے گزرا، چراغ علم لے کر راہِ تاباں سے گزرا........ یوں کہ آنے والا جب اس طرف کبھی آنکلے تو احساس ہو کہ ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

یہ بھی نہیں کہ ان کی عمروں نے ان کی زندگیوں کے ساتھ وفا زیادہ کی، نہیں، نہیں، اکثر کی زندگیوں نے وہی ساٹھ ستر کے درمیان بہاریں دیکھ کر اپنا سفر ختم کیا جس کی پیشن گوئی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے متعلق فرمائی تھی:

أَعْمَارُ أُمَّتِيْ بَيْنَ السِّتِّيْنَ إِلَى السَّبْعِيْنَ، وَأَقَلُّهُمْ مَنْ يَّجُوْزُ ذٰلِكَ

"میری امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہوں گی، بہت کم لوگ اس سے آگے بڑھیں گے۔"

پھر یہ بھی نہیں کہ وہ دنیا کے جھمیلوں سے فارغ تھے بلکہ دنیا اپنے جھمیلوں اور رنگینیوں کے ساتھ آتی رہی اور ہر جھمیلا اور ہر رنگینی، ساتھ سامانِ غفلت لاتی رہی، تاہم اس سے ان کے عشق علم کے دامن پر کوئی حرف نہیں آیا کہ علم ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، اس میں نت نئی تحقیقات ان کی محنتوں کا مرکز تھیں اور فکر و نظر کی نئی راہوں کی تلاش ہی ان کی جدوجہد کی منزل تھی، سرکاری بڑے بڑے منصب وہ صرف اسوجہ سے ٹھکرا دیتے کہ اس سے ان کا علمی ماحول متاثر ہو گا کہ ؎

میرا نشیمن نہیں در گہ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو، خاک نشیمن بھی تو
تجھ سے مری زندگی سوز و تپ و درد و داغ
تو ہی میری آرزو، تو ہی مری جستجو
پاس اگر تو نہیں ہے، شہر ہے ویراں میرا
تو ہے تو آباد ہے اجڑے ہوئے کاخ وکو

علم کے اس جذبے اور محنت کے اس عزم و حوصلے کے ساتھ ساتھ سب سے بڑھ کر بات یہ تھی کہ ان کی زندگی نظام الاوقات کی پابند تھی، وقت کی قدر تھی اور زندگی کی ایک ایک سانس کی قیمت وصول کرنے کی فکر دامن گیر تھی اور یہی راز تھا ان کے عظیم تصنیفی کارناموں کا! چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں:

> "اس زمانے کے بزرگوں کی ساری زندگی مقررہ اوقات کے ساتھ بندھی ہوتی تھی، یہ ان کے ضبط اوقات ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کے علمی مشاغل اور مجاہدات کے ساتھ جو بجائے خود حیرت انگیز ہیں، وہ علم کا کام اور کیسا کام! انجام دے سکتے تھے۔ بعض لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اتنی نمازیں پڑھتے تھے اور اتنی مختصر مدت میں قرآن ختم کرتے تھے......... آخر ان کو اس کا موقع کیسے مل جاتا......... لیکن سمجھا نہیں گیا، پہلی بات تو یہی ہے کہ اپنے اوقات کو لایعنی مشاغل میں صرف کرنے کے جو عادی ہیں وہ ان لوگوں کے اوقات کی برکتوں کا اندازہ ہی نہیں کرسکتے ہیں جو اپنی ایک ایک سانس کی قیمت حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ آخر عام لوگوں کا کیا حال ہے، تھوڑا وقت وہ معاشی کاروبار میں ضرور لگاتے ہیں لیکن اس کے بعد کھیل تماشوں، سینمابینی، تاش بازی اور اس قسم کی مختلف بازیوں میں جتنا وقت بے کار خرچ کر دیتے ہیں اگر اسی میں وہ کام کرنے کا تجربہ کریں تو خود ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ جو کچھ ان بزرگوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آئے۔"

(تدوین حدیث صفحہ ۱۷۴)

فکر و نظر کا وہ کونسا میدان ہے جس میں مسلمانوں کے تاریخی نقوش ثبت نہ ہوں، آج بھی جو قومیں ترقی کی جن شاہراہوں پر گامزن ہیں، چاہے اس کا تعلق سائنس اور فلسفہ سے ہو یا طب و جغرافیہ سے، فلکیات سے ہو یا عمرانیات و نفسانیات سے، ان سب

کے بنیادی مراحل کی تعمیر میں اسلامی تاریخ کی علمی محنتوں کا خون شامل ہے۔

پس کروڑوں رحمتیں نازل ہوں ان بزرگوں پر جن سے ہماری تاریخ کی عظمتیں وابستہ ہیں اور ٹھنڈی ہوں مرقدیں ان کی، جن کے نشاناتِ قلم آج بھی بھٹکے ہوئے مسافروں کے لئے روشنی کے مینار ہیں۔

اے وائے تن آسانی........

آج اگرچہ زندگی کی وہ قوتیں نہیں تاہم زمانے نے زندگی کے لئے سہولتوں کا ایک جال بچھادیا، سفر کے لئے ذرائع کا ایک سیل رواں بہادیا، بجلی کے قمقموں سے ایک دنیا جگمگا اٹھی، ہر فن مختلف خدمات سے بہرہ ور ہوا، ہر علم نے نئی نئی راہیں کھول دیں، مطلب کی بات نکالنے کے لئے ایک مستقل فن "فہارس" کا وجود میں آیا، امام بخاریؒ کی وہ صحیح جس سے حدیث کی تخریج میں صعوبت کے ایک دور میں بڑے چرچے تھے، آج اس کی فہرستیں اٹھایئے، بخاری کا پورا منظر سامنے ہوگا، جستجو کی حدیث کا ایک ایک مقام متعین ہوگا، ان ہی خدمات و سہولیات کو دیکھ کر کسی مصری عالم نے بڑی حسرت سے کہا تھا کہ "اگر یہ چیزیں میری ابتدائی تصنیف کے زمانے میں آجاتیں تو میری نصف زندگی بچ رہتی" .... تاہم دوسری طرف عصر جدید نے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق نت نئی ایجادات کے انبار لگادیئے، سائنس و فلسفہ نے نئے نئے گل اگادیئے، انسانی ذہن و دماغ نے اختراعات کے وہ کرشمے دکھائے جن کا تصور بھی پہلے ایک عجوبہ نظر آتا تھا...... ... یوں علم کی راہیں آسان بھی ہوگئیں، آسان نہیں بھی، مشکل بھی ہوگئیں، مشکل نہیں بھی۔

البتہ راہِ علم میں محنت کا وہ جذبہ جو پہلے تھا، اب نہیں ہے، حصولِ علم کی وہ تڑپ جو ٹھٹھری ہوئی سردی اور کڑکڑاتی دھوپ و گرمی میں ریگستانوں اور تپتے ہوئے صحراؤں کے میل ہا میل کا سفر طالب علم سے کراتی، اب ایسی داستانیں اسلامی تاریخ کے صرف اوراق ہی کی زینت ہیں۔

مشہور اسلامی ریاضی داں "البیرونی" کے نام سے کون ناواقف ہوگا، لکھا ہے کہ ان کا ہاتھ کبھی قلم سے اور ان کا دل کبھی فکر علم سے فارغ نہ ہوتا، ان کی وفات کے وقت کا وہ

واقعہ پڑھیئے جو علامہ یاقوت حموی نے معجم الادباء (جلد۱۷صفحہ۱۸۱-۱۸۲) میں لکھا ہے اور دیکھئے کہ کتنی تڑپ تھی ان کے دل میں علم کی، .... ابوالحسن علی بن عیسیٰ ان کی وفات کے وقت حاضر خدمت ہوئے، ان پر حالت نزع کی طاری تھی، تکلیف کی شدت تھی، طبیعت میں گھٹن تھا، زندگی کی اٹھتر منزلیں طے کرنے والے علم کے اس شیدائی نے اسی حال میں ان سے دریافت کیا کہ "تم نے ایک روز جدات فاسدہ (نانیوں) کی میراث کا مسئلہ مجھے کس طرح بتایا تھا؟" .... علی بن عیسیٰ نے کہا، کیا تکلیف کی اس شدت میں بھی بتاؤں؟ البیرونی نے جواب دیا، ایسا جواب جو صرف علم کا سچا عاشق ہی دے سکتا ہے، فرمایا، "دنیا سے اس مسئلہ کا علم لے کر میں رخصت ہوں، کیا یہ اس سے بہتر نہیں کہ میں اس سے جاہل ہوکر اس دار فانی سے کوچ کروں" ....

چنانچہ نزع کی اس کیفیت میں علی نے وہ مسئلہ ان کے سامنے دھرایا اور البیرونی نے یاد کرلیا، علی بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ رخصت ہوکر ابھی میں راستے ہی میں تھا کہ گھر میں آہ و بکا کی آواز نے مجھے ان کی وفات کی اطلاع دی۔

یہ تو ذرا دور کی بات ہے، درمیان میں کئی صدیوں کا پردہ حائل ہوگیا ہے لیکن دارالعلوم دیوبند کے رئیس افتاء مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ زیادہ اگلے وقتوں کے نہیں، ان کا یہ واقعہ خود انہی کی زبانی حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "جلالین شریف کے درس میں ایک دن خود ہی یہ واقعہ ارشاد فرمایا کہ میں ایک شب سونے کے لئے لیٹا تو اچانک قلب میں یہ اشکال وارد ہوا کہ قرآن کریم نے تو یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ .... "لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى" (انسان کے کام اسی کی سعی آئے گی۔) جس کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آخرت میں کسی کے لئے غیر کی سعی کار آمد نہ ہوگی اور حدیث نبوی میں ایصال ثواب کی ترغیب آئی ہے جس سے تخفیف عذاب، رفع عقاب اور ترقیٔ درجات کی صورتیں ممکن بتلائی گئی ہیں .... جس سے صاف نمایاں ہے کہ آخرت

میں غیر کی سعی بھی کار آمد ہوگی، پس یہ آیت و روایت میں کھلا تعارض ہے، فرمایا کہ اس کا حل سوچتا رہا مگر ذہن میں نہ آیا، سوچتے سوچتے یہ خوف قلب پر طاری ہوا کہ جب آیت و روایت میں یہ تعارض ذہن میں جاگزیں ہے اور حل ذہن میں نہیں ہے تو گویا اس آیت پر میرا ایمان سُست اور مضمحل ہے........ اس دھیان کے آتے ہی اسی وقت چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا اور سیدھے گنگوہ کی راہ لی، مقصد یہ تھا کہ راتوں رات گنگوہ پہنچ کر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ اشکال حل کروں.......... حالانکہ آپ پیدل چلنے کے عادی نہ تھے اور وہ بھی گنگوہ جیسے لمبے سفر کے جو دیوبند سے بائیس کوس کے فاصلہ پر ہے، یعنی تقریباً تیس میل اور وہ بھی رات کے وقت......... چنانچہ صبح صادق سے پہلے گنگوہ پہنچے، حضرت گنگوہی قدس سرہ تہجد کے لئے وضو فرمارہے تھے کہ حضرت مفتیٔ اعظم نے سلام کیا، فرمایا کون؟ عرض کیا، عزیزالرحمان، فرمایا تم اس وقت کہاں؟ عرض کیا کہ حضرت! ایک علمی اشکال لے کر حاضر ہوا ہوں،......... اشکال کی تفصیل بتائی، حضرت گنگوہیؒ نے وضو کرتے ہوئے برجستہ فرمایا کہ آیت میں "سعی ایمانی" مراد ہے جو آخرت میں غیر کے لئے کار آمد نہیں ہوسکتی کہ ایمان تو کسی کا ہو اور نجات کسی اور کی ہوجائے اور حدیث میں "سعی عملی" مراد ہے جو ایک کی دوسرے کے کام آسکتی ہے، اس لئے کوئی تعارض نہیں۔" (پیش لفظ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ صفحہ ۳۳، ۳۴)

اسلامی تاریخ کے اسلاف کی علم کی راہ میں یہی وہ مشقتیں تھیں جو وہ برداشت کرتے رہے اور جن کی بنا پر ان کے علم و فن کی عظمتوں کا پرچم پوری دنیا پر لہراتا رہا مولانا حبیب الرحمٰن شیروانیؒ نے بالکل درست لکھا ہے کہ:

"امام زہری ہوں یا امام مزنی، حکیم فارابی ہوں یا شیخ الرئیس، ان کے علمی کمالات کی بنیاد مطالعہ کی یہی کثرت تھی کہ ایک ایک کتاب کو سو سو بار پڑھتے تھے اور پچاس پچاس برس دیکھتے، اب مطالعہ معدوم لہٰذا علمیت معدوم! بے درد ہیں وہ لوگ جوان بزرگوں کی جان کاہیوں کو نظر انداز کر کے ان علمی کمالات کو محض اس زمانے کے آثار کا ثمرہ بتاتے اور اپنے زعم باطل میں اپنے لئے ایک عذر تراشتے ہیں۔" (علمائے سلف صفحہ ۴۴)

جو سختیٔ منزل کو سامانِ سفر سمجھے
اے وائے تن آسانی! ناپید ہے وہ راہی

دینی مدارس کے وہ طلبہ جو محنت، مطالعہ اور راہِ علم میں تکالیف برداشت کرنے میں مشہور تھے، اب رفتہ رفتہ علم و مطالعہ کا ذوق ان میں ناپید ہورہا ہے، تن آسانی کی جانب ان میں میلان بڑھ رہا ہے، زندگی کا بلند مقصد ان کی نظروں سے اوجھل ہورہا ہے اور ان کا علمی دائرہ بہت ہی تنگ ہوتا چلا جارہا ہے.......... ان کے قیمتی اوقات کا اکثر حصہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات اور فضول باتوں کی نذر ہوجاتا ہے اور لایعنی تعلقات کی کثرت ہی ایک ایسا مرض ہے جو انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتا....... حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنی تربیت کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"میرے والد نوراللہ مرقدہ کے یہاں سب سے زیادہ شدت ترک تعلقات پر تھی، ان کا مقولہ جو بار بار انہوں نے ارشاد فرمایا، یہ تھا کہ آدمی چاہے کتنا ہی غبی اور کند ذہن ہو اگر اس میں تعلقات کا مرض نہیں تو وہ کسی وقت ذی استعداد بن کر رہتا ہے اور آدمی جتنا بھی ذی استعداد، ذہین اور علم کا شوقین ہو اگر اس کو تعلقات کا چسکہ ہے تو وہ اپنے جوہر کھو کر رہے گا۔" (آپ بیتی جلد۱ جلد۶)

علمی دنیا میں علامہ ابن اثیر کا نام محتاج تعارف نہیں، علامہ ابن خلکان نے اپنی مشہور

کتاب وفیات الاعیان (جلد ۴ صفحہ ۱۴۲) میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی اکثر تصانیف بیماری کی حالت میں لوگوں سے دور رہ کر لکھی ہیں، ایک طبیب نے آکر ان کا علاج شروع کیا، چند دنوں میں ان کی صحت بننے لگی، ابن اثیر نے اپنے بھائی سے کہا کہ طبیب کو رخصت کردیجئے، وجہ پوچھی تو فرمانے لگے، صحت بننے کے بعد لوگوں سے دور رہنا مشکل ہوجائے گا جس سے علمی مشغلہ کا نقصان ہوگا......... بیماری ان سے دور رہنے کا ایک اچھا بہانہ ہے۔

ضیاعِ وقت کے ناسور نے نہ صرف دین کے بلند مقاصد کے حامل ان طلبہ کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے بلکہ اکثر علماء بھی اس آفت کا شکار ہیں، انہیں خلوت سے وحشت اور مطالعہ کی دھیمی دھیمی فضاؤں سے خوف سا لگا رہتا ہے، ابوالحسن علی بن محمد نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "ادب الدنیا والدین" (صفحہ ۹۴) میں بڑی اچھی بات لکھ دی ہے:

مَنْ تَفَرَّدَ بِالْعِلْمِ لم تُوْحِشْهُ الْخَلْوَةُ وَ مَنْ تَسَلّٰی بِالْکُتُبِ لَمْ یَفُتْهُ سَلْوَةٌ، وَمَنْ اٰنَسَهُ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ لَمْ یُوْحِشْهُ مَفَارَقَةُ الاخْوَانِ

"جو علم کو لے کر تنہائی اختیار کرلے، خلوت سے اس کو وحشت نہیں ہوگی، جو کتابوں کو اپنے لئے سامانِ تسلی بنادے تو وہ تسلی پائے گا اور جس کو قرآن کی تلاوت سے انس ہوجائے تو بھائیوں اور دوستوں کی جدائی سے اس کو کوئی غم نہ ہوگا۔"

بہت سوں کو یہ عذر ہوتا ہے کہ کتاب اٹھاتے ہیں تو سر میں درد، دماغ پر بوجھ اور طبیعت میں گھٹن ہونے لگتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی ایک وجہ جہاں مطالعہ کے اس ذوق کا فقدان ہے جو دراصل ماحول کی موجودگی کی وجہ سے انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے وہاں اس کی ایک بہت بڑی وجہ دلوں کے اندر خود علم کی اہمیت داحساس کا فقدان بھی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بزم کی شورشوں اور محفل کی بذلہ سنجیوں سے کوسوں دور علم و مطالعہ کی فضا بظاہر بڑی اداس اداس لگتی ہے لیکن اس "خاموش انجمن" کی

شرکت میں لذت کا چسکہ اگر ایک بار لگ جائے تو دل کا وجدان یہی کہتا ہے کہ ۔

کیا چیز ہے، یہ جلوۂ گل میرے دل سے پوچھ
میری نگاہ میں ہے حقیقت بہار کی

آگے اسی خاموش انجمن کے ان مسند نشینوں کا ذکر ہے جو اس جلوۂ گل کی حقیقت بہار کے لطف سے آشنا اور اس کی لذت سے بہرہ ور تھے، آیئے، ذرا ان کو بھی پڑھ لیں۔

باب دوم

کاروان علم

امیرالمؤمنین فی الحدیث سیدنا محمد بن اسماعیل بخاریؒ

ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی!

اسماعیل پایہ کے عالم اور محدث تھے، ان کے دادا مغیرہ، والیٔ بخارا "یمان جعفی" کے ہاتھ پر مشرف با اسلام ہوئے تھے، اسی نسبت سے ان کو بھی جعفی کہا جانے لگا۔ (۱) اسماعیل کے والد کا نام ابراہیم تھا، تاریخ ابراہیم کے تذکرہ سے خاموش ہے۔ (۲)

اسماعیل کو حماد بن زید اور امام مالک سے حدیث کا شرفِ سماع حاصل ہے اور ان سے احادیث کے راوی بھی ہیں، ابن حبان نے اسماعیل کا تذکرہ کتاب الثقات میں محدثین کے طبقہ رابعہ کے تحت کیا ہے۔ (۳) تاج الدین سبکی ان کے متعلق طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں:

> "اسماعیل بن ابراہیم متقی علماء میں سے تھے، امام مالک سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا، حماد بن زید کی زیارت کی اور عبداللہ بن مبارک کی صحبت پائی، احمد بن حفص کہتے ہیں کہ میں اسماعیل کی وفات کے وقت حاضر خدمت ہوا تو فرمانے لگے "مجھے اپنے تمام سامان میں کسی بھی ایک درہم کے مشتبہ ہونے کا علم نہیں" احمد بن حفص کہتے ہیں یہ بات سن کر مجھے اپنی کمزوری و کم ہمتی کا احساس ہوا۔" (۴)

۱۳ شوال ۱۹۴ ہجری جمعہ بعد نماز جمعہ بخارا میں اسماعیل کے گھر بچہ پیدا ہوا۔ (۵) بچہ کا نام "محمد" رکھا گیا، کسے اندازہ تھا کہ یہ بچہ اسلامی تاریخ کے گلشن کا وہ گل سرسبد بنے گا

جس کی مہک صدیوں رہے گی اور جس کا آوازہ زمانہ کے دبیز پردے نہیں روک سکیں گے اور کسے معلوم تھا کہ صدیوں میں پیدا ہونے والا یہ "دیدہ ور" کائنات کی بہترین ہستی کے بکھرے اور نکھرے ہوئے ریحان و نسترن کی چمن بندی کی وہ لافانی خدمت انجام دے گا جو ان کو "لسان صدق فی العالمین" اور حیات جاوداں بخشے گی ۔

سالہا باشد کہ تایک سنگ اصلی ز آفتاب
لعل باشد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

شخصیات کی عبقریت اپنے خاندان اور وطن کے تذکروں کو بھی زندہ رکھتی ہے، بخارا کے تذکرہ میں اگر آج دلچسپی ہے تو اسی حوالہ سے کہ وہ امام بخاری کا وطن ہے۔

کچھ بخاریؒ کے وطن بخارا کے بارے میں!

بخارا دریائے جیحون کی زیریں گزر گاہ پر ایک بڑے نخلستان میں واقع ان مردم خیز علاقوں کا ایک شہر(٦) ہے، جن سے علم و فن کی تاریخی شخصیات کی عظمتیں وابستہ ہیں جو علم و دانش کے بڑے بڑے سورماؤں کا وطن رہا اور جہاں صحاح ستہ کے مصنفین پیدا ہوئے۔

امام بخاری کا بخارا ہو یا امام مسلم کا نیشاپور، امام ابوداؤد کا سجستان ہو یا امام ترمذی کا ترمذ، امام نسائی کا نسا ہو یا ابن ماجہ کا وطن قزوین، یہ سب اسی ماوراء النہر اور اس کے ارد گرد علاقوں کے لالہ زار ہیں، یہ اور بات ہے کہ ان آخری صدیوں میں پھر ان علاقوں کی وہ مردم خیزی باقی نہ رہی جو اس کی تاریخی خصوصیت تھی ۔

نہیں اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایران وہی تبریز ہے ساقی

سطح سمندر سے بخارا کی بلندی ۲۲۷ فٹ (۲۲۲ء۴ میٹر) ہے اور یہ طول البلد مشرقی ۶۴ درجہ ۳۸ دقیقہ (گرین وچ) اور عرض البلد شمالی ۳۹ درجہ ۴۳ دقیقہ پر واقع ہے۔(۷) اس کی مساحت (۲۰۵۰۰۰) کلومیٹر ہے۔ (۸) معجم البلدان میں علامہ یاقوت حموی بخارا کے

متعلق لکھتے ہیں:

"بخارا (باء کے ضمہ کے ساتھ) ماوراء النہر کے بڑے اور عظیم شہروں میں سے ہے۔ مقام "آمل الشط" سے اس کی طرف دریا عبور کیا جاتا ہے، اس جہت سے دریائے جیحون اور بخارا کا فاصلہ دو دن کا ہے، بخارا کا طول ستاسی درجہ اور عرض اکتالیس درجہ ہے اور اقلیم خامس میں واقع ہے، بخارا کی وجہ تسمیہ باوجود تلاش کے مجھے معلوم نہ ہوسکی، بخارا ایک قدیم اور باغ و بہار والا شہر ہے، ماوراء النہر کے تمام شہروں میں جو شادابی اور حسن بخارا کو حاصل ہے کسی دوسرے شہر کو نہیں، جب آپ باہر سے اس کے قلعہ پر چڑھ کر اس کا نظارہ کریں گے تو ہر سو آپ کو مرغزار اور سبزہ ہی سبزہ نظر آئے گا درمیان میں بنے ہوئے محلات کا منظر حسین پھولوں کی مانند نظر نواز ہے"۔[1]

بخارا کی تاریخ پر ایک سرسری نظر!

اسکندر اکبر مقدونی کی فتوحات سے قبل بخارا فارسی حکومت کے تابع تھا، اس وقت اس کو "صغدیان" کہتے تھے، اسکندر اکبر نے جب فارس کے شہر فتح کئے تو بخارا بھی اس کے زیر نگیں آگیا۔ بعد میں انہیں سے یونانیوں کو ملا۔ (۹) پھر جب لشکر اسلام دنیا کے چپہ چپہ پر دین اسلام کا جھنڈا لہرانے کے لئے اٹھا تو بخارا کو بھی فتح کر ڈالا، ہوا یوں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں زیاد بن ابی سفیان کا ۵۳ ہجری میں انتقال ہوا تو

---

[1] معجم البلدان جلد ا صفحہ ۳۵۳، بخارا کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علامہ یاقوت حموی نے لاعلمی ظاہر کی ہے۔ البتہ دائرہ معارف اسلامیہ اردو جلد ۴ صفحہ ۱۰ میں ہے "باوجود لسانی مشکلات کے سنسکرت لفظ "بِہارا" (خانقاہ) سے اس لفظ (بخارا) کا اشتقاق غیر اغلب نہیں کیونکہ شہر نوج کث کے قریب میں ایک "وِہارا" موجود تھا اور بظاہر یہی شہر بخارا کا پیش رو تھا جو آگے چل کر اس میں مدغم ہوگیا۔"

ان کی جگہ ان کے بیٹے عبیداللہ کو خراسان کا عامل بنایا گیا۔ ۵۴ ہجری میں اس نے بخارا کی جانب پیش قدمی کی اور نسف و بیکند کو فتح کیا، (۱۰) بخارا کی حکومت اس وقت "خاتون" نامی عورت کے پاس تھی، عورت نے ترک کو مدد کے لئے کہا، ان کی ایک بڑی جماعت آئی، جنگ ہوئی اور ان کو شکست ہوئی، خاتون نے پیغام صلح بھیجا اور ایک لاکھ سالانہ پر صلح ہوئی، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۵ ہجری میں سعید بن عثمان کو خراساں کا امیر مقرر کیا۔ ۸۷ھ تک پھر اس کا تاریخی حال معلوم نہ ہوسکا۔ ۸۷ ہجری میں اسلامی فتوحات کے عظیم جرنیل قتیبہ بن مسلم کی قیادت میں اسلامی لشکر کے نہ تھمنے والے سیل رواں نے جب ان علاقوں کا رخ کیا تو بخارا کو بھی فتح کرڈالا۔ (۱۱)

پھر جب چنگیز خان کی تاریخی بربریت کا نامبارک آغاز ہوا تو عالم اسلام کے بیسیوں شہروں کی طرح بخارا بھی اس کی بربادیوں کا لقمہ بنا اور یہاں اس نے سفاکی کی وہ تاریخ مرتب کی جس کی مثال تباہی اور قتل و درندگی کی تاریخ میں کم سے کم ملے گی، چند محلات چھوڑ کر پورے شہر کو نذر آتش کر کے تاراج کیا گیا۔ یہ ۴ ر ذوالحجہ ۶۱۶ھ ۱۰ ر فروری ۱۲۲۰ء کا واقعہ ہے۔ (۱۲)

پھر وہ تاتاری قوم جو اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے اور دنیا کے نقشہ سے اس کا وجود ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی جب پوری کی پوری مسلمان ہوگئی کہ ۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اور کعبے کو صنم خانے سے پاسبان مل گئے تو چنگیزی خاندان کے مشہور اسلامی فاتح تیمور لنگ کے ہاتھ بخارا ۱۳۷۰ء میں آیا اور بخارا ایک بار پھر اسلامی تہذیب وتمدن کا مرکز بن گیا، بخارا تیمور لنگ کی اولاد کے پاس رہا حتیٰ کہ ۱۴۹۸ء میں ازبکوں نے اس پر قبضہ کیا۔ (۱۳) اور تیموری خاندان کی حکومت یہاں سے ختم کر ڈالی۔

چونکہ روس کے لئے ہندوستان کی ایک رہ گزر بخارا بھی ہے، اس اہمیت کے پیش نظر مغربی وسائل کی مدد سے روس نے اس پر ۱۸۷۳ء میں قبضہ جمایا۔ (۱۴)

پھر جب ۱۹۹۱ء میں کئی ریاستوں کے عناصر سے بنے ہوئے روس کے وفاق کا عقدہ کشا ہوا اور چھ مسلم ریاستیں آزاد ہوئیں تو آزاد ہونے والی چھ ریاستوں میں بخارا ریاست

ازبکستان کا شہر ہے جس کا دارالحکومت تاشقند ہے۔

برسوں روس کی جارحیت کی زیر نگین رہنے والی اس ریاست سے کیمونزم کی گرد اگرچہ اب تک مکمل نہیں جھڑی تاہم ایام کی گردش پیہم کے ان مراحل کے بعد اب بخارا ایک اسلامی ریاست کے تحت ہے اور ان علاقوں کے "عروقِ مردہ" میں اب خونِ اسلام دوڑا ہے، اگر اسلامی تہذیب اور دینی تعلیم کا یہاں پھر چرچا ہونا شروع ہو تو ۔

نہیں ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

کیونکہ یہیں علم و فن کی نابغۂ روزگار شخصیات میں سے محدث ابوزکریا عبدالرحیم بن احمد متوفی (۴۶۱ھ) پیدا ہوئے اور بخارا ہی کو فلسفہ و حکمت کی بلندیوں پر پہنچنے والے مشہور حکیم ابن سینا متوفی (۴۲۸ھ) کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ (۱۵)

تربیت، اسفار، شیوخ!

امام نے جب آنکھ کھولی تو ہر طرف اسلامی علوم کا چرچا تھا، دنیوی ترقیاں اسلامی علوم میں مہارت پر موقوف تھیں، علم حدیث کا شاداب درخت بہاروں پر تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد ساز دور ابھی ابھی گزرا تھا، صحابہ کی یادیں تازہ اور ان کے تربیت یافتہ زندہ تھے، عالم اسلام کے بڑے شہر محدثین کے مرکز اور دنیا کے چپہ چپہ سے آنے والے تشنگانِ علم حدیث کی آماجگاہ تھے، خیر القرون کی اس مبارک فضا میں امام نے پرورش پائی، پھر قدرت کی فیاضیوں نے بلا کا حافظہ دیا، نہ ختم ہونے والے شوق سے نوازا، جہد مسلسل کی توفیق ملی، بلند ہمتی کا جوہر پایا اور سب سے بڑھ کر وہ عظیم اخلاص میسر ہوا جس کے بغیر سب کچھ بیکار، ہر عمل نامکمل اور سراب کی نمود ہے۔

امام نے سفر کی لاٹھی ہاتھ میں لی اور عالم اسلام کے بڑے شہروں کا رخ کیا، علوم کی بہتی سوتوں اور حدیث کے فرحت بخش ٹھنڈے چشموں سے تشنگی بجھا کر طلب علم کی حرارت کی تسکین کی، خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

"امام بخاری نے طلب علم میں تمام محدثین کے شہروں کا سفر کیا،

خراسان اور اس کے پہاڑوں، عراق کے تمام بلاد، نیز حجاز، شام اور مصر میں جا جا کر حدیثیں حاصل کیں۔" (۱۶)

امام بخاری کی تعلیم و تربیت کے متعلق تاج الدین سبکی "طبقات" میں لکھتے ہیں:

"امام بخاری کی نشوونما یتیم ہونے کی حالت میں ہوئی، سماع حدیث کا آغاز ۲۰۵ھ میں کیا، ابن مبارک کی تصانیف حفظ کیں، بچپن ہی سے علم کی محبت نصیب ہوئی، قوی حافظہ اس کا معاون بنا، اپنے وطن بخارا میں محمد بن سلام بیکندی، محمد بن یوسف اور ابراہیم بن اشعث سے سماع حدیث کے بعد ۲۲۰ھ میں دوسرے شہروں کا رخ کیا۔ بلخ میں مکی بن ابراہیم اور یحیٰی بن بشر سے احادیث سنیں، مرو میں علی بن الحسن اور عبدان وغیرہ سے سماع کیا، نیشاپور میں یحیٰی بن یحیٰی اور بشر بن الحکم سے شرف تلمذ حاصل کیا، ری میں ابراہیم بن موسیٰ سے پڑھا، بغداد میں شریح بن نعمان کے تلمیذ رہے، بصرہ میں ابوعاصم نبیل، بدل بن المحبر اور محمد بن عبداللہ سے سنا، کوفہ میں ابونعیم، طلق بن غنام اور حسن بن عطیہ وغیرہ کے شاگرد بنے، مکہ میں حمیدی، مدینہ میں عبدالعزیز اویسی اور مطرف بن عبداللہ سے سماعت کی، الغرض واسط، مصر، دمشق، قیساریہ، عسقلان اور حمص میں مخلوق خدا کے ایک جم غفیر سے آپ نے احادیث سنیں جن سب کا ذکر طول ذکر ہے۔" (۱۷)

تاج الدین سبکی نے طبقات (جلد ۲ صفحہ ۳) میں امام بخاری کے سفر "الجزیرہ" کا انکار کیا ہے اور حاکم کی "تاریخ نیسا پور" میں الجزیرہ کی طرف امام کے تذکرۂ سفر کو وہم قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وَفِيْ تَارِيْخِ نِيْسَا بُوْرَ لِلْحَاكِمِ أَنَّهٗ سَمِعَ بِالْجَزِيْرَةِ، ......

وَهٰذَا وَهْمٌ فَإِنَّهٗ لَمْ يَدْخُلِ الْجَزِيْرَةَ

"حاکم کی "تاریخ نیسا بور" میں ہے کہ امام بخاری نے الجزیرہ میں حدیث کا سماع کیا، لیکن یہ ان کا وہم ہے کیونکہ امام الجزیرہ میں سرے سے داخل ہی نہیں ہوئے۔"

جبکہ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری (صفحہ۴۷۹) میں امام بخاری کے سفرالجزیرہ کا ذکر کیا ہے اور خود امام بخاری کا یہ قول نقل کیا کہ دَخَلْتُ إِلٰى الشَّامِ وَ مِصْرَ وَالْجَزِيْرَةِ مَرَّتَيْنِ "میں شام، مصر اور الجزیرہ دو دو بار گیا ہوں۔" علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی تہذیب الاسماء و اللغات (جلد۱ صفحہ۶۷) میں امام بخاری کے الجزیرہ میں سماع کا تذکرہ کیا ہے۔ بہرحال امام بخاری نے علم حدیث کے لئے عالم اسلام کے تمام شہروں کی خاک چھانی، وہ خود فرماتے ہیں:

فَإِنَّ عِلْمَ الْحَدِيْثِ يَحْتَاجُ إِلٰى بُعْدِ الاسْفَارِ وَ وَطِيِ الدِّيَارِ وَ رُكُوْبِ الْبِحَارِ (۱۸)

"علم حدیث کے لئے دور دور کے سفر، مختلف دیار کے گشت اور دریاؤں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔"

چنانچہ امام نے اپنی زندگی کے طویل علمی رحلات میں ایک ہزار سے زائد محدثین سے احادیث کا سماع کیا، فرماتے ہیں:

كَتَبْتُ عَنْ أَلْفِ شَيْخٍ وَأَكْثَر مَا عِنْدِيْ حديثٌ إِلَّا أَذْكُرُ اسْنَادَهُ (۱۹)

"میں نے ایک ہزار سے زائد شیوخ سے حدیثیں لکھیں، مجھے اپنی ہر حدیث کی سند یاد ہے۔"

عبقریت علم حدیث میں!

اللہ جل شانہ نے اس میدان میں ان سے کام لینا تھا اور جو کام لینا تھا اس کے تمام فطری اسباب ان میں پیدا فرمادیئے، احادیث میں علل کی معرفت کا میدان ہو یا صحیح و سقیم

میں امتیاز کا مسئلہ، ہزاروں راویوں کے احوال پر اطلاع کا کٹھن مرحلہ ہو یا اسماء رجال اور ان کی کنیتوں کے حفظ کا معاملہ، امام بخاری کی عبقریت نے ان تمام میدانوں میں جولانیاں کیں، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی ابتدائی سرگزشت کا آغاز کس طرح ہوا؟ تو فرمانے لگے۔ "میں ابھی طفل مکتب تھا کہ حفظ حدیث کا مجھے الہام ہوا..... اس وقت میری عمر دس سال یا اس سے بھی کم تھی، مکتب سے نکل کر محدث داخلی کے ہاں جانا شروع کیا، ایک دن وہ سند حدیث بیان کرتے ہوئے کہنے لگے "سفیان عن ابی الزبیر، عن ابراهیم" میں نے ان سے کہا، حضرت! ابوزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی ہے، انہوں نے مجھے جھڑکا، میں نے اصل کی جانب رجوع کرنے کے لئے کہا۔ گھر میں جاکر جب اصل دیکھ آئے تو کہنے لگے "لڑکے! پھر ابراہیم سے روایت کون کر رہا ہے؟" میں نے کہا "زبیر بن عدی" تو مجھ سے قلم لے کر اپنی کتاب کی تصحیح کی اور فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا، بخاری سے جب پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی، فرمانے لگے "گیارہ سال"۔

(۲۰)

گیارہ سال کے اس بچے کو دیکھئے اور داخلی جیسے محدث کی سند میں غلطی پر بھری مجلس میں تنبیہ کو دیکھئے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قدرت آنے والے وقت میں اس بچہ سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی عظیم خدمت لینا چاہتی تھی۔

امام بخاری کے ہم درس حاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ بخاری ہمارے ساتھ مشائخ بصرہ کے ہاں حدیث پڑھنے جاتے تھے، ہم احادیث لکھتے بخاری نہ لکھتے، ان سے ہم کہتے تھے کہ آپ لکھتے کیوں نہیں؟ سولہ دن گزرنے کے بعد بخاری ہم سے کہنے لگے "لاؤ، تم نے جو کچھ لکھا ہے۔" ہم نے پندرہ ہزار احادیث لکھی تھیں۔ وہ لے آئے تو بخاری وہ تمام احادیث زبانی سنا کر کہنے لگے "بتائیں میں نے وقت ضائع کیا"۔ (۲۱)

ابھی عمر کا اٹھارواں سال تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے اقوال پر مشتمل ایک کتاب "قضایا الصحابۃ والتابعین" کے نام سے لکھی اور اسی عمر میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تاریخ کبیر" لکھی۔ روضۂ اطہر کے پاس، مدینہ کی منور فضا اور حسین چاندنی راتوں میں لکھی گئی اس مبارک کتاب کے بارے میں خطیب بغدادی نے سعید بن

العاص کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے کہ:

"اگر کوئی شخص چاہے تیس ہزار حدیثیں ہی کیوں نہ لکھ دے تاہم وہ بخاری کی "تاریخ" سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔" (۲۲)

سلیم بن مجاہد ایک دن مشہور محدث محمد بن سلام بیکندی کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیکندی فرمانے لگے، اگر کچھ دیر قبل آتے تو ستر ہزار حدیثیں حفظ کرنے والا بچہ دیکھ لیتے، سلیم یہ سن کر بچہ کی طلب میں نکلے، ملاقات کر کے پوچھا۔ "ستر ہزار احادیث کے حفظ کا آپ کو دعویٰ ہے؟" بخاری کہنے لگے، "جی ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ، مزید یہ کہ جس صحابی اور تابعی کی حدیث آپ کو سناؤں گا ان تمام کی ولادت، وفات اور مساکن کا بھی علم رکھتا ہوں۔" (۲۳)

بیکندی کہتے تھے، جب یہ بچہ میرے درس حدیث میں آجاتا ہے میں پریشان ہو جاتا ہوں اور مجھے گھبراہٹ کی بنا پر حدیث میں التباس ہونے لگتا ہے۔ (۲۴)

یہ آسمانِ علم حدیث کے بدرِ کامل کی اس وقت کی چند جھلکیاں ہیں جس کے ظہور کی ابھی ابتدا تھی جس قمر کے مرحلہ "ہلال" میں ضیا پاشیوں کا یہ عالم ہو، ماہِ تاباں میں اس کے جلووں کا عالم کیا ہو گا؟

حافظہ کے کرشمے!

امام نے حافظہ بلا کا پایا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جس راہ کے آپ مسافر تھے اس میں غیر معمولی حافظہ کا قدرتی توشہ اگر پاس و معاون نہ ہوتا تو منزل کی ان بلندیوں پر جہاں آج آپ ہیں پہنچنا مشکل ہوتا، رجال کا فن امام کے زمانہ میں مدوّن نہ تھا، آج کی طرح کسی راوی کے ضعف و صحت کے حتمی فیصلوں پر کتابیں ابھی وجود میں نہیں آئی تھیں، سینکڑوں ثقہ و غیر ثقہ ہم نام راویوں میں فرق کرنے کا واحد ذریعہ حافظہ تھا اور ہزاروں کی تعداد میں رجال حدیث کے ضعف و صحت کا مدار بھی اسی پر تھا، محدثین امتحان لیتے، آپ کی قوت حفظ کے کرشمے دیکھتے اور ششدر و حیران ہوتے۔

ایک مرتبہ بغداد آئے، محدثین جمع ہوئے، امتحان لیا اس طرح کہ دس آدمیوں نے

دس دس حدیثیں لے کر ان کے سامنے پیش کیں، ان احادیث کے متون اور سندوں کو بدلا گیا تھا، متن ایک حدیث کا اور سند دوسری حدیث کی لگادی تھی، امام حدیث سنتے اور کہتے "لَا أَعْرِفُهٗ" (مجھے یہ حدیث نہیں معلوم) خواص امام کی مہارت جان گئے، کہنے لگے، امام واقعی امام ہیں، عوام کو خیال ہوا کہ یہ کیسے امام ہیں، ان کی جانب سے تو ہر حدیث کے بارے میں "لَا أَعْرِفُهٗ" کا اعلان ہے، جب اپنی دس دس حدیثیں سنا کر سب فارغ ہوگئے تو امام پہلے شخص کی جانب یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے...... "تم نے پہلی حدیث یوں سنائی تھی اور صحیح یوں ہے۔" سب کے ساتھ ایسا کیا، پہلے انہیں ان کی مقلوب حدیث سناتے پھر تصحیح کرتے جب ایک ہی مجلس میں ان سب کی سو مقلوب حدیثیں سنائیں پھر ان کی تصحیح کی تو مجمع حیران تھا، مجلس تعجب کا نشان تھی، (۲۵) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھا تو یہ تبصرہ بھی کردیا۔

هُنَا يُخْضَعُ لِلْبُخَارِى، فَمَا الْعَجَبُ مِنْ رَدِّهِ الْخَطَأَ إِلَى الصَّوَابِ، فَإِنَّهُ كَانَ حَافِظًا، بَلِ الْعَجَبُ مِنْ حِفْظِهِ لِلْخَطَأَ عَلٰى تَرْتِيْبِ مَا أَلْقَوْهُ عَلَيْهِ مِن مَّرَّةٍ وَّاحِدَةٍ (۲۶)

"یہاں بخاری کی امامت تسلیم کرنی پڑتی ہیں تعجب اس پر نہیں کہ بخاری نے غلط احادیث کی تصحیح کی، اس لئے کہ وہ تو تھے ہی حافظ، تعجب تو اس کرشمہ پر ہے کہ امام نے ایک ہی دفعہ میں ان کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق وہ تمام مقلوب احادیث یاد کرلیں۔"

واقعی اس واقعہ میں دوسری بات زیادہ باعث تعجب ہے، پر امام کے حافظہ نے اس سے بھی زیادہ عجائبات دکھائے ہیں، ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ امام نے مشائخ بصرہ کی سولہ روزہ مجالس کی پندرہ ہزار احادیث زبانی سنائی تھیں جن میں ایک دن کی مجلس کی احادیث ۹۳۷ سے کچھ اوپر بنتی ہیں، امتحان کی اس مجلس میں تو صرف سو حدیثیں یکبار سننے سے یاد ہوئیں۔

ابوبکر کلواذانی کہتے ہیں کہ میں نے بخاری جیسا شخص نہیں دیکھا وہ کسی عالم سے کتاب لے لیتے ہیں ایک نظر اس پر ڈالتے ہیں اور کتاب کی احادیث کے اکثر اطراف یاد کرلیتے

ہیں۔ (۲۷)

سمرقند میں چار سو محدثین جمع ہوئے، احادیث کی اسانید میں تبدیلیاں کیں، سات دن تک امام بخاری کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ (۲۸)

فرماتے تھے: "مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث حفظ ہیں"۔ (۲۹)

امام بخاری گلستانِ علمِ حدیث کی بہار تھے، جہاں جاتے تشنگانِ علم حدیث کی مجلسیں آباد ہوجاتیں، ایک مرتبہ بلخ گئے، اصحاب حدیث جمع ہوئے، املاء حدیث کی درخواست کی، ہزار راویوں کی ہزار حدیثیں سب کو لکھوادیں۔ (۳۰)

یوسف بن مروزی کہتے ہیں، میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا، کسی نے اعلان کیا۔ "بخاری آئے ہیں ان کی طلب میں نکلو۔" لوگ نکلے، میں بھی ساتھ ہولیا، کیا دیکھتا ہوں عقب ستون میں مصروفِ نماز ایک جوان شخص ہے جس کی داڑھی نے ابھی سفیدی کو اجازت نہیں دی، یہ تھے بخاری! جوں ہی نماز سے فارغ ہوئے، لوگوں نے مجلس حدیث منعقد کرنے کا مطالبہ کیا، امام انکار کیسے کرتے، حدیث کی مجلسوں سے ہی تو ان کی زندگی کا چمن آباد تھا، محدثین، فقہاء اور حفاظ کے ایک جم غفیر جمع ہوگیا، ابھی املا شروع نہیں کیا کہ مجمع کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ "میں ایک نوعمر انسان ہوں، آپ لوگوں نے مجھ سے املاء حدیث کا مطالبہ کیا تو اب مناسب یہ ہے کہ میں تمہیں ایسی احادیث سناؤں جو تمہارے پاس پہلے سے نہ ہوں تاکہ آپ سب مستفید ہوسکیں۔" پھر املا یوں شروع کرائی: حدثنا عبداللّٰہ بن عثمان بلدیکم، قال: ثنا ابی عن شعبة عن منصور عن سالم بن أبی الجعد عن أنس ان أعرابیا جاء الی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال، یا رسول اللّٰہ الرجل یحب القوم، .... الخ .... سند اور حدیث سنانے کے بعد فرمانے لگے "تمہارے پاس یہ حدیث ہے تو سہی لیکن منصور کے طریق سے نہیں۔" اس طرح املاء کراتے رہے اور ہر حدیث کے بعد یہ فرماتے رہے کہ یہ حدیث تمہارے پاس فلاں راوی کے طریق سے ہے، میرے بیان کردہ راوی کے طریق سے نہیں، مجلس برخاست ہوئی تو اہل مجلس حیران تھے۔ (۳۱)

فرماتے تھے، ایک دن حضرت انسؓ کے شاگردوں پر نظر دوڑائی تو ایک ہی لمحہ میں

تین سو حافظہ کے پردہ پر آگئے۔ (۳۲)

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد!

امام بخاری علم کی محبت قدرت کے عطیہ کے طور پر پائے تھے، اس لئے پوری زندگی گشت کرتے رہے، علم آپ کا اوڑھنا تھا، بچھونا تھا، علم آپ کے لئے سامانِ راحت تھا اس کے لئے زندگی کی ہر راحت کو قربان کیا، آپ کی زندگی کی رونق تھا، اس رونق پر دنیا کی تمام رونقیں لٹائیں، پوری عمر حدیث پڑھی، حدیث پڑھائی، حدیث لکھی اور دوسروں کو لکھوائی، غضب کے حافظہ کے باوجود طلب اور جدوجہد میں کمی نہ آئی، طلب اور محنت کے پتھر پر گھسنے کے بعد زندگی کی "حنا" رنگ لائی اور خوب لائی۔

محمد بن یوسف بخاری کہتے ہیں، میں امام بخاری کے ساتھ ایک رات ان کے گھر رہا، امام رات کو اٹھتے، چراغ جلاتے، کچھ لکھ کر پھر لیٹ جاتے۔ میں نے گنتی کی تو اٹھارہ بار آپ اٹھے۔ (۳۳)

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں، میں ایک سفر میں بخاری کے ساتھ تھا، میں نے دیکھا کہ امام بخاری رات کو پندرہ پندرہ اور بیس بیس مرتبہ اٹھتے، چراغ جلاتے اور احادیث پر کچھ نشان لگا کر لیٹ جاتے۔ (۳۴)

جامع بخاری کی صحت پر آج جو پوری دنیا متفق ہے کسے اندازہ ہے کہ محنت کے کن شدید مراحل سے گزرنے کے بعد اس درجہ تک پہنچی۔

ہانی بن نضر کہتے ہیں، ہم شام میں محمد بن یوسف فریابی کے پاس تھے، جوان تھے جوانوں کی طرح مزاح و مذاق رہتا لیکن بخاری صرف علم ہی پر چھائے رہتے، ہمارے ساتھ شریک نہ ہوتے۔ (۳۵)

محمد بن ابی حاتم نے کسی سے سنا کہ امام بخاری نے بلاذر (خاص قسم کی دوا) کھائی ہے اس لئے ان کا حافظہ قوی ہے انہوں نے امام بخاری سے دریافت کیا کہ حافظہ کی کوئی دوا ہے؟ امام فرمانے لگے، مجھے نہیں معلوم، پھر فرمانے لگے:

لَا أَعْلَمُ شَيْئًا أَنْفَعَ لِلْحِفْظِ مِنْ نُهْمَةِ الرَّجُلِ وَمُدَاوَمَةِ النَّظَرِ

"حافظہ کے لئے آدمی کے انہماک، دائمی نظر و مطالعہ سے بہتر کوئی چیز میرے علم میں نہیں ہے۔" (۳۶)

فرماتے تھے میں نے اپنی تمام کتابیں تین بار لکھی ہیں، محمد بن ابی حاتم نے پوچھا، آپ کو اپنی کتابوں کے تمام مندرجات یاد ہیں؟ فرمانے لگے: لَایَخْفٰی عَلَیَّ جَمِیْعُ مَافِیْھَا "ان میں سے کوئی چیز مجھ سے مخفی نہیں"۔ (۳۷)

امام بخاری کا عجیب کلام!

ری کے قاضی ابوالعباس عہدۂ قضا سے معزول ہو کر بخارا آئے، اسحاق بن ابراہیم اپنے شاگرد ابوالمظفر کو ان کی خدمت میں لے گئے، قاضی سے فرمائش کی کہ اس بچہ کو کچھ احادیث پڑھا دیجئے، ابوالعباس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے مشائخ سے سماع حدیث کا شرف نہیں حاصل، اسحاق کہنے لگے، یہ کیونکر ممکن ہے؟ آپ تو فقیہ ہیں، قاضی ابوالعباس نے کہا، درحقیقت میں جب لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو حدیث کا شوق مجھے امام بخاری کے پاس لے آیا، ان کے سامنے میں نے اپنے ارادہ و شوق کا اظہار کیا تو امام بخاری فرمانے لگے۔ "بیٹے! کسی بھی چیز میں داخل ہونے سے پہلے اس کے حدود و سوانے جان لیا کرو۔" میں نے کہا، میں جس چیز کا شوق لے کر آیا ہوں اس کے حدود و شرائط آپ ہی مجھے بتادیں تو بخاری فرمانے لگے:

اِعْلَمْ أَنَّ الرَّجُلَ لَا یَصِیْرُ مُحَدِّثًا کَامِلاً فِیْ حَدِیْثِهٖ إِلَّا بَعْدَ أَن یَّکْتُبَ أَرْبَعًا مَعَ أَرْبَعٍ کَأَرْبَعٍ مِثْلَ أَرْبَعٍ فِیْ أَرْبَعٍ عِنْدَ أَرْبَعٍ بِأَرْبَعٍ عَلٰی أَرْبَعٍ عَنْ أَرْبَعٍ لِأَرْبَعٍ، وَکُلُّ هٰذِهِ الرُّبَاعِیَّاتِ لَا تَتِمُّ إِلَّا بِأَرْبَعٍ مَعَ أَرْبَعٍ، فَإِذَا تَمَّتْ لَهٗ کُلُّهَا هَانَتْ عَلَیْهِ أَرْبَعٌ، وَابْتُلِیَ بِأَرْبَعٍ، فَإِذَا صَبَرَ عَلٰی ذٰلِكَ أَکْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الدُّنْیَا بِأَرْبَعٍ وَأَثَابَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ بِأَرْبَعٍ

"اس میں کوئی شک نہیں کہ آدمی اسی وقت کامل محدث بن سکتا ہے کہ اوّلاً چار چیزوں کو چار چیزوں کے ساتھ چار چیزوں کی طرح

لکھیں، جیسے چار چیزیں، چار (مقاصد) کی وجہ سے چار (قسم کے لوگوں) سے چار چیزوں پر، چار (مقامات) میں چار (حالات) کے وقت (اور زندگی کے مختلف) چار (زمانوں) میں لکھی جاتی ہیں اور یہ تمام رباعیات اسی وقت مکمل ہو سکتی ہیں جب انسان کو چار (کمالات) چار (نعمتوں) سمیت حاصل ہوں اور جب یہ سب آدمی کو حاصل ہوجائیں تو پھر اس کے لئے چار چیزیں آسان ہوجاتی ہیں اور چار (آزمائشوں) میں وہ مبتلا ہوجاتا ہے اور جب ان (آزمائشوں) پر صبر کرلے تو اللہ دنیا میں اس کو چار (نعمتوں) سے نوازتے ہیں اور آخرت میں چار نعمتیں نصیب فرماتے ہیں۔"

ابوالعباس بے چارے "رباعیات" کے اس طویل سلسلہ کا فلسفہ کیا جانتے، کہنے لگے اب مہربانی فرماکر ذرا اس کی تشریح بھی فرمادیجئے، امام بخاری نے تشریح فرماتے ہوئے کہا:

جو چار چیزیں اولاً لکھنا ضروری ہیں، وہ ہیں:

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور دیگر احکام شریعت، ② صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے احوال، ③ تابعین اور ان کے حالات، ④ دیگر علماء امت کی تاریخ،

ان چار کو جن چار کے ساتھ لکھنا ہے، وہ ہیں:

① راویوں کے نام، ② رجال حدیث کی کنیتیں ③ رجال حدیث کے علاقے اور، ④ ان کا زمانہ اور دور،

یہ ایسی لازمی ہیں جیسے خطبے کے ساتھ حمد و ثناء، انبیاء کے ناموں کے ساتھ درود و سلام، قرآن کی سورتوں کے ساتھ بسم اللہ اور نماز کے ساتھ تکبیر، جیسے احادیث مسندہ، احادیث مرسلہ، احادیث موقوفہ اور احادیث مقطوعہ چار قسم کی احادیث بچپن میں بھی لکھی جاتی ہیں اور لڑکپن میں بھی، جوانی میں بھی لکھتے ہیں اور کہولت میں بھی، مشغولیت کے وقت بھی اور فراغت میں بھی، فقر میں بھی اور غنا میں بھی، پہاڑوں پر چڑھ کر بھی اور دریاؤں کو عبور کر کے بھی، شہروں میں جاکر بھی اور صحراؤں کی خاک چھان کر بھی، پتھروں پر بھی اور اصواف (اون) پر بھی، چمڑوں پر بھی اور ہڈیوں پر بھی۔ پھر یہ احادیث بڑے

سے بھی لکھی جاسکتی ہیں اور ہم عمر سے بھی، چھوٹے سے براہ راست بھی لکھی جاسکتی ہیں اور اس کے والد کی کتاب سے بھی۔ اور ان سب کا مقصد یہ ہو کہ اللہ کی رضاء حاصل ہو، رضاء خداوندی کے طالبین میں ان احادیث کی اشاعت ہو، کتاب اللہ کے موافق عمل ہو اور آنے والی نسلوں کے لئے تالیف کی صورت میں ذخیرہ ہو، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان لکھنا بھی جانتا ہو اور زبان سے بھی واقف ہو، صرف کا بھی علم رکھتا ہو اور نحو کا بھی، اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی جانب سے صحت عطا ہو، کام کرنے کی قدرت حاصل ہو، شوق و طلب کا جذبہ ہو اور حافظہ کی قوت پاس ہو۔

جب ان تمام کی تکمیل ہوجائے تو پھر اہل وعیال اور مال و وطن کی محبت انسان کے لئے ہلکی ہوجاتی ہے اور دشمنوں کی شماتت، دوستوں کی ملامت، جاہلوں کے طعن اور علماء کے حسد کی آزمائش میں انسان مبتلا ہوجاتا ہے، اور جب ان تمام پر آدمی صبر کرلے تو دنیا میں اللہ کی جانب سے پھر چار نعمتیں ملتی ہیں:

① قناعت کی عزت، ② نفس کی ہیبت، ③ علم کی لذت، ④ اور ابدی حیات،

اور چار نعمتیں آخرت میں ملتی ہیں:

① حق شفاعت کہ جس کے لئے چاہے اللہ سے سفارش کردے۔

② عرش خداوندی کے سایہ میں جگہ۔

③ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے پانی پلانے کا اختیار۔

④ اور اعلی علیین میں انبیاء کے جوار میں سکونت۔

امام بخاری یہ تفصیل سنا کر قاضی ابوالعباس سے فرمانے لگے "بیٹے! اب تجھے علم حدیث کا مشغلہ اختیار کرنے میں اختیار ہے" قاضی ابوالعباس نے حدیث میں مہارت کی ان تمام شرطوں کی تاب اپنے اندر نہ پاکر فقہ کی طرف توجہ دی کہ اس کے لئے بہرحال اتنے پاپڑ نہیں بیلنے پڑتے اور فقیہ بن کر قاضی ہوئے۔

حافظ ابن حجر نے اس کلام کی امام بخاری کی طرف نسبت مشکوک قرار دی ہے اور اس پر وضع کا شبہ ظاہر کیا لیکن اس کے موضوع ہونے پر کوئی قوی دلیل پیش نہ کرسکے، چنانچہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمۂ اوجز المسالک میں مذکورہ کلام میں حافظ

کے اس شبہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔[۱]

لذتِ بیداریٔ شب!

آپ کے دن علم حدیث کے سدابہار گلشن کی سیر میں گزرتے اور آپ کی راتیں عبادت اور "آہ سحر گاہی" سے معمور تھیں، بندگی کا وہ درجہ آپ کو بھی نصیب تھا جہاں بیداریٔ شب کی لذت اور آہ سحرگاہی کے سامنے دنیا کی تمام لذتیں انسان کو ہیچ محسوس ہوتی ہیں اور جس کی تعبیر اقبال کے الفاظ نے یوں کی ہے ؎

واقف ہو اگر لذتِ بیداریٔ شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پراسرار

اور ؎

عطار ہو رومی ہو ،ازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

امام بخاری کا معمول تھا آخری شب سحر کے وقت اٹھتے اور تہجد کی نماز ادا کرتے۔ (۳۸)

نماز میں خشوع و خضوع کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دن نماز سے فارغ ہو کر پاس والوں سے کہنے لگے "میری قمیص میں دیکھو کوئی چیز تو نہیں؟" دیکھا تو زنبور تھا، سولہ سترہ جگہ پشت پر کاٹا تھا، پوری پیٹھ سوج گئی تھی، جب امام سے کہا گیا کہ آپ نے اتنی بار کاٹنے کا موقع ہی کیوں دیا، پہلی ہی بار نماز چھوڑ دیتے؟ فرمانے لگے "ایک سورت شروع کی تھی، میں چاہ رہا تھا کہ وہ پوری کردوں"۔ (۳۹)

زنبور (بھڑ) جیسے موذی جانور کا سولہ سترہ جگہ کاٹنا لیکن اس کے باوجود قرآن میں محو رہنا درحقیقت ہمارے اسلاف کو حاصل وہ "لطف قرآن" تھا جو ان کو ہر چیز سے بے نیاز

---

[۱] امام بخاری کے مذکورہ کلام کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال جلد ۲۴ صفحہ ۴۶۲، ۴۶۳، نیز مقدمہ اوجز المسالک، صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰ الفائدۃ فی آداب الطالب۔

اور ہر تکلیف سے بے پرواہ کردیتا تھا اور جس پر اس دور میں جبکہ "در سینہ سوزِ جگر نماند، لطف قرآنِ سحر نماند" یقین میں دشواری پیش آتی ہے۔

امام بخاری کا رمضان المبارک میں ہر روز ایک مرتبہ ختم قرآن اور تراویح کے بعد ہر تین راتوں میں ختم کا معمول تھا۔ (۴۰)

ایک مرتبہ تیر اندازی کرتے ہوئے تیر کسی پل کے میخ پر لگا، کچھ شگاف پڑا، بخاری تیر اندازی چھوڑ کر ساتھیوں سے کہنے لگے، "پل کا مالک تلاش کرو۔" پل کے مالک حمید بن اخضر کو نقصان کا تاوان دینا چاہا، اس نے انکار کیا، کہا "آپ پر تو میرا تمام مال فدا ہے"۔ امام اتنا خوش ہوئے کہ تین سو درہم غرباء میں تقسیم کئے۔ پانچ سو احادیث اس دن طلبہ کو پڑھائیں۔ (۴۱) پوری زندگی کسی کی غیبت نہیں کی۔ فرماتے تھے: "جب سے غیبت کے حرام ہونے کا علم ہوا کسی کی غیبت نہیں کی"۔ (۴۲)

ایک بار ابو معشر ضریر سے فرمانے لگے۔ "قصور معاف فرمایئے۔" ابو معشر نے کہا، آپ سے کون سا قصور سرزد ہوا؟ فرمانے لگے "ایک دن حدیث سنانے کے دوران جب آپ پر نظر پڑی تو حدیث سنتے ہوئے آپ کے عجیب جھومنے کی کیفیت پر ہنسی آئی۔" ابو معشر نے کہا کہ آپ پر اللہ کی رحمت نازل ہو آپ میری طرف سے بری ہیں۔ (۴۳)

امام اپنوں کے ساتھ!

دور سے آنے والے چند ساعات کے مہمان کے ساتھ بد کیا بدترین اخلاق کا حامل انسان بھی خوش خلقی سے پیش آتا ہے لیکن اچھے اخلاق جانچنے کی کسوٹی یہ نہیں، سفر و حضر میں ساتھ رہنے والوں کے ساتھ اخلاقی برتاؤ کا نمونہ بہتریٔ اخلاق کے فیصلہ کا معیار ہے۔

امام بخاری کے سفر و حضر کے ساتھی محمد بن ابی حاتم نے نو سو بیس درہم کا ایک گھر خریدا، بخاری نے ایک ہزار درہم دیتے ہوئے کہا "ان کو گھر کی قیمت میں خرچ کرلو" محمد نے اس وقت لے لئے، کچھ دیر بعد بخاری سے کہا "میری ایک حاجت ہے لیکن کہنے کی جرأت نہیں پاتا" امام سمجھے کہ شاید مزید دراہم کی ضرورت ہے۔ کہنے لگے "آپ کو

میرے سامنے اپنی ضرورت بیان کرتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہونی چاہئے" محمد بن ابی حاتم نے کہا "آپ پوری کرنے کا وعدہ کرتے ہیں تو بیان کروں" امام نے وعدہ کیا، محمد نے کہا "یہ ہزار درہم آپ واپس لے لیں، یہی میری حاجت تھی" امام نے چونکہ وعدہ کیا تھا اس لئے واپس لے لئے۔ (۴۴)

ایک مرتبہ امام بخاری نے ان کو کچھ رقم دی اور فرمایا کہ اس سے اپنے لئے کچھ خرید لو، محمد بن ابی حاتم نے امام کی طبیعت کی مناسب اشیاء خرید کر ان کے گھر بھیج دیں، امام بخاری نے ان سے کہا "رقم آپ کو دے کر اشیاء اپنے لئے منگوانا میرا مقصد نہ تھا۔" محمد بن ابی حاتم نے کہا۔ "آپ نے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی جمع کردی ہے، جتنا اچھا سلوک آپ مجھ سے برتتے ہیں کون اپنے خادم کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتا ہے"۔

(۴۵)

امام گھر میں تھے، باندی آئی، امام کے سامنے دوات میں بھری سیاہی گرادی۔ امام نے تنبیہ کی، "کیسے چلتی ہو؟" باندی نے کہا، "راستہ نہ ہو تو کیسے چلوں؟" امام نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا "تم آزاد ہو"۔ (۴۶)

امام کا معاملہ فانی دنیا کے ساتھ!

فرماتے تھے جب بھی دنیا کا ذکر کلام میں آتا ہے اللہ کی حمد سے ابتداء کرتا ہوں۔ (۴۷) سلیم بن مجاہد کہتے ہیں میں نے بخاری سے زیادہ دنیا میں بے رغبتی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (۴۸)

امام کو اپنے والد سے ترکہ میں کافی مال ملا تھا، علم میں مشغولیت کی وجہ سے وہ مال مضاربت پر دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک مضارب نے پچیس ہزار درہم غبن کئے، امام سے کہا گیا کہ مقامی حاکم سے کہہ دیں، وہ دلوادیں گے، امام فرمانے لگے "اگر حاکم سے اس سلسلہ میں مدد لوں گا تو کل وہ میرے دین میں دخل اندازی کرے گا اور میں اپنا دین دنیا کے عوض نہیں ضائع کرنا چاہتا"۔ (۴۹)

ایک مرتبہ امام کے پاس کچھ سامان آگیا، تاجر جمع ہوئے، پانچ ہزار درہم پر بیع کرنا چاہ

رہے تھے، امام نے کہا رات گزرنے دو صبح دیکھیں گے، صبح دوسرے تاجر آئے اور دس ہزار دینے لگے، لیکن امام نے کہا میں نے رات پہلے تاجروں کو دینے کی نیت کی ہے اب نیت نہیں بدلنا چاہتا۔ (۵۰)

فرماتے تھے ایک دفعہ آدم بن ابی ایاس کے ہاں پڑھنے گیا، خرچ ختم ہوا، گھاس تک کھانی پڑی کسی کو اطلاع مناسب نہ سمجھی، تین دن بعد ایک اجنبی انسان نے اشرفیوں کی تھیلی دی اور چلا گیا۔ (۵۱)

ایک مرتبہ بصرہ میں طالب علمی کے دوران درس میں نہ آئے، تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ کپڑے اور خرچ دونوں ندارد، ساتھیوں نے پھر اس کا انتظام کیا۔ (۵۲)

لافانی علم کے حامل امام کی فانی دنیا سے بے رغبتی کی یہ چند مثالیں ہیں، اس کا نتیجہ دریا دلی و سخاوت کے عظیم جذبہ کی صورت میں امام کی شخصیت کا وصف تاباں بنا۔ ضرورتمندوں پر بڑا خرچ کرتے تھے، اس بات کی احتیاط کرتے کہ کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔ ایک بار حدیث کے ایک طالب علم کو تین سو درہم عطا کئے، اس نے چاہا کہ دعائیں دے، امام نے جلد موضوع بدل کر بات شروع کی کہ کسی کو خبر نہ ہو، (۵۳) آپ کی جائیداد کی ماہانہ پانچ سو درہم آمدنی آتی وہ سب فقراء و طلبہ میں تقسیم کرتے۔ (۵۴)

الغرض!

الغرض امام بخاری کی شخصیت کے ترکیبی عناصر میں ذہن کی بیداری بھی تھی اور علم کی پختگی بھی، حافظہ کی غیر معمولی قوت بھی تھی اور سخت جانی و جانفشانی بھی، طلب و جستجو بھی تھی اور ہمت کی بلندی بھی، ذوق و شوق بھی تھا اور فقر و درویشی بھی، معلومات کی وسعت بھی تھی اور نظر کی گہرائی بھی، ملکہ کا رسوخ بھی تھا اور تجربہ کی گیرائی بھی، اخلاص و تقویٰ بھی تھا اور بیداریٔ شب و آہِ سحر گاہی بھی، علمی جلال بھی تھا اور اخلاق کی نرمی و خوش خرامی بھی، دنیا سے بے رغبتی بھی تھی اور وصف سخا و دریا دلی بھی ...... یہ چیزیں ملیں تو علم کا چشمہ پھوٹا اور ایسا پھوٹا کہ جس نے بحث و تحقیق، فقہ و حدیث اور روایت و درایت کے تمام گوشوں کو سیراب کیا۔

گوہر وہی ہے جو طوفاں میں پل گئے!

حدیث میں ہے انبیاء پر بڑی سخت آزمائشیں آتی ہیں پھر جس کی انبیاء سے جتنی مماثلت ہوگی اتنی ہی سخت آزمائشوں میں وہ مبتلا ہوگا۔ (۵۵)

① امام بخاری کو بھی زندگی میں بڑے طوفانوں سے گزرنا پڑا، ابھی بچے ہی تھے کہ بینائی جاتی رہی، ماتا کی مامتا نے نہ جانے کتنی دعائیں کی ہوں گی کہ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا فرمارہے ہیں: ”اللہ نے آپ کی دعاؤں کی کثرت کی وجہ سے آپ کے بیٹے کو بینائی لوٹادی“۔ صبح ہوئی، دیکھا، تو امام کی بینائی لوٹ آئی تھی۔ (۵٦)

② جب خراسان گئے تو دوبارہ بینائی جاتی رہی کسی نے گل خطمی کو سر پر ملنے کے لئے کہا، اس سے بینائی پھر لوٹ آئی۔ (۵۷)

③ نیشاپور امام آئے تو لوگوں نے بادشاہوں کی طرح استقبال کیا، امام مسلم کہتے ہیں ”بخاری نیشاپور آنے لگے تو لوگ دو تین منزل شہر سے نکل کر باہر گئے، ایسا فقید المثال استقبال کیا کہ میں نے کسی عالم اور حکمران کو نہیں دیکھا کہ اہل شہر نے ان کا اس طرح استقبال کیا ہو، نیشاپور کے شیخ اور محدث محمد بن یحییٰ ذہلی اور شہر کے دوسرے علماء سب استقبال کے لئے گئے۔ (۵۸)

④ محمد بن یحییٰ ذہلی نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ درس حدیث میں خلق قرآن کے متعلق بخاری سے سوال نہ کرنا خدانخواستہ اگر وہ اس مسئلہ میں ہماری رائے کے برعکس جواب دے دیں تو ہمارے درمیان اختلاف پڑے گا اور خارجی، رافضی اور جہمی سب ہنسیں گے۔ (۵۹) نیشاپور میں امام بخاری کی مجلس حدیث کی ابتدا ہوئی تو تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، کھوئے سے کھوا اچھل رہا تھا، مسجد اور اس کا صحن لوگوں سے کھچاکھچ بھرا ہوا تھا، دوسرے تیسرے دن جب مجلس کا آغاز ہوا تو ایک آدمی نے ”لفظی بالقرآن“ کے متعلق پوچھا، امام نے توجہ نہ دی، اس نے دوبارہ سوال کیا، امام خاموش تھے، تیسری مرتبہ سوال پر امام نے کہا:

اَلْقُرْآنُ کَلَامُ اللّٰہِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ وُ أَفْعَالُ الْعِبَادِ مَخْلُوْقَةٌ،

وَالْاِمْتِحَانُ بِدْعَةٌ

"قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور اس کے متعلق سوال کرنا اور امتحان لینا بدعت ہے"۔ (۶۰)

امام بخاری سے یہ سوال چونکہ ایک خاص سازش کے تحت کیا گیا تھا (۶۱) اس لئے مخالفین نے دھاچوکڑی مچادی، کچھ لوگ کہہ رہے تھے۔ "لفظی بالقرآن" کو مخلوق کہہ دیا، بعض کہہ رہے تھے۔ "نہیں کہا"۔ چونکہ یہ مسئلہ زبردست معرکۃ الآراء بنا ہوا تھا اور امام احمد بن حنبل کا اس سلسلہ میں پوری حکومت سے ٹکر لینا بھی ابھی کا واقعہ تھا اس لئے لوگ اس میں بڑے تشدد کا شکار تھے، کسی کی طرف سے ذرا سا اجمال اس مسئلہ میں اہلسنّت کے بڑے بڑے علماء کے جذبات برانگیختہ کرنے کا سبب بن جاتا، پھر شدید اختلافی نوعیت کے اس جیسے مسئلہ میں کسی بڑی شخصیت کے کلام میں تھوڑے سے ابہام کے متعلق بھانت بھانت کی بولیاں بولنا تو بہرحال عوام کا فطری خاصہ ہے، کچھ لوگوں نے جاکر نیشاپور کے شیخ محمد بن یحییٰ ذہلی کے سامنے بھی یہ بے پر کی اڑادی کہ بخاری نے کلام اللہ کو مخلوق کہہ دیا ہے، اس خبر نے ذہلی کو بخاری کی شدید مخالفت پر آمادہ کردیا اور انہوں نے یہ اعلان کردیا کہ:

أَلَا مَن يَّخْتَلِفُ إِلٰى مَجْلِسِهٖ فَلَا يَخْتَلِفُ إِلٰى مَجْلِسِنَا

"جو کوئی بخاری کی مجلس میں جائے گا وہ ہماری مجلس میں شرکت نہ کرے"۔ (۶۲)

محمد بن یحییٰ ذہلی امام بخاری کے استاذ ہیں، امام بخاری نے ان سے ۳۴ روایتیں لی ہیں، (۶۳) حنفی جلیل القدر عالم، نیشاپور کے شیخ اور بلند پایہ محدث ہیں، علامہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (جلد ۱۲ صفحہ ۴۵۴) میں ان کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ شروع کیا:

مَحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى اَلْإِمَامُ، اَلْعَلَّامَةُ الْحَافِظُ، اَلْبَارِعُ، شَيْخُ الاسْلَامِ، وَ عَالِمُ أَهْلِ الْمَشْرِقِ، وَ إِمَامُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ بِخُرَاسَانِ.........الخ

امام بخاری اور علامہ ذہلی کے اختلاف کی عام طور پر کتابوں میں دو وجہ لکھی ہیں:

❶ چونکہ اس وقت "مسالہ خلق قرآن" کا اختلاف زوروں پر تھا اس مسالہ میں معتزلہ کے باطل عقیدہ کو ختم کرنے کی غرض سے اہلسنّت کے بعض علماء ذرہ برابر نرمی یا ابہام برداشت نہیں کرتے تھے اور جیسا کہ ماقبل میں ہم لکھ چکے ہیں کہ علامہ ذہلی نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق امام بخاری سے سوال نہ کرنا کیونکہ اگر وہ ایسا جواب دیں گے جس سے ہمارے عقیدہ پر زد پڑتی ہو تو ہم میں اختلاف پیدا ہوگا۔ جب لوگوں نے امام بخاری کی طرف سے علامہ ذہلی کے سامنے "لفظی بالقرآن" مخلوق ہونے کی بے بنیاد خبر اڑائی تو خدشۂ اختلاف، اختلاف بن گیا۔ (۶۴)

❷ دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ ابتدا میں تو علامہ ذہلی امام بخاری کی آمد سے بڑے خوش تھے لیکن جب امام بخاری کی مجلس کی طرف لوگوں کی توجہ بڑھتی اور ذہلی کی مجلس کی رونق دھیمی پڑتی گئی تو اس سے حسد کی آفت نے جنم لیا جس کا نتیجہ امام بخاری کو شہر بدر کرنے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ خطیب نے تاریخ بغداد (جلد۲ صفحہ ۳۰) میں، علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (جلد۱۲ صفحہ ۴۵۳) میں، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (جلد۹ صفحہ ۵۳) اور مقدمۂ فتح (صفحہ۴۹۱) میں دونوں بزرگوں کے اختلاف میں حسد کی یہ وجہ بھی لکھی۔ تاج الدین سبکی نے تو طبقات کبری (جلد۲ صفحہ ۱۲، ۱۳) میں صاف لکھ دیا:

وَلَا يَرْتَابُ الْمُنْصِفُ فِيْ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيٰى الذُّهْلِيَّ لَحِقَتْهُ آفَةُ الْحَسَدِ الَّتِي لَمْ يَسْلَمْ مِنْهَا إِلَّا أَهْلُ الْعِصْمَةِ.

"انصاف کی نظر سے دیکھنے والے کو اس بات میں شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ ذہلی کو حسد کی وہ آفت لاحق ہوگئی تھی جس سے صرف اہل عصمت (انبیاء) محفوظ رہے ہیں۔"

لیکن جس طرح یہ دوسری توجیہ سمجھ میں نہیں آتی کہ بہرحال امام بخاری علامہ ذہلی کے شاگرد تھے، امام کی آمد کے وقت استقبال کے لئے خود گئے، اپنی مجلس میں ان کے استقبال کے بارے میں یہ اعلان کیا کہ جو بخاری کے استقبال کے لئے جانا چاہے، جائے ہم تو بہرصورت جائیں گے جس شاگرد کی اتنی محبت و عزت دل میں ہو، اس کے ساتھ

یکلخت حسد کیونکر؟ ٹھیک اسی طرح اول الذکر بات کی سمجھ میں دشواری یوں پیش آتی ہے کہ امام بخاری کے بارے میں جب لوگوں نے "لفظی بالقرآن مخلوق" کہنے کی بے بنیاد خبر اڑائی تو علامہ ذہلی نے اس کی تحقیق کیوں نہ فرمائی؟ بن تحقیق اختلاف پر کیونکر آمادہ ہوئے جب کہ امام بخاری صاف اعلان کر کے کہتے تھے کہ:

> "انسانوں کی حرکات، اصوات، ان کا کام کرنا، لکھنا سب مخلوق ہیں البتہ قرآن جو مصاحف میں مکتوب اور دلوں میں محفوظ ہے وہ اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔" (۶۵)

ابو عمرو خفاف نے جب امام بخاری سے اس مسئلہ کی صراحت چاہی تو امام نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:

> "نیشاپور، قومس، ری، ہمدان، حلوان، بغداد، کوفہ، بصرہ، مکہ اور مدینہ میں جو بھی یہ کہے کہ میں نے "لفظی بالقرآن مخلوق" کہا ہے وہ کذاب ہے، میں نے قطعاً یہ نہیں کہا، میں نے تو "افعال العباد مخلوقۃ" کہا ہے، امام بخاری کا مسلک اس مسئلہ میں عام علمائے اہلسنت کے مطابق تھا۔" (۶۶)

غرض ایک طرف علامہ ذہلی کا امام بخاری کے استقبال کے لئے خود جانا اور دوسری طرف محض لوگوں کے کہنے سننے ہی سے ان کو شہربدر کرانا حیرت کن ہے .... درحقیقت یہاں کئی چیزیں جمع ہو گئی ہیں، اول تو امام بخاری بہرحال علامہ ذہلی کے شاگرد تھے، ذہلی نے اس مسئلہ میں ان کو کلام کرنے سے منع کیا، اس کے ساتھ ساتھ اہل بغداد نے علامہ ذہلی کو امام بخاری کے متعلق لکھا کہ بخاری "لفظی بالقرآن" کے خلق میں کلام کرتے ہیں۔ (۶۷) لوگوں نے نیشاپور میں بھی یہ خبر مشہور کی، پھر امام بخاری کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے امام مسلم اور احمد بن سلمہ جیسی شخصیتیں علامہ ذہلی کے درس حدیث سے برسرِ مجلس اٹھیں۔ (۶۸) یہ تمام عوامل جمع ہوئے تو علامہ ذہلی کے اس اختلافی رویہ کی بنیاد پڑی جس کے بعد انہوں نے یہ تک کہہ دیا "لَا يُسَاكِنُنِي هٰذَا الرَّجُلُ فِي

الْبَلَدِ"۔ (۶۹)

احمد بن سلمہ امام بخاری کے پاس آکر کہنے لگے "اس شخص (علامہ ذہلی) کی شہر میں بڑی مقبولیت ہے" ہم سے کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑ رہا، اب آپ کا کیا خیال ہے؟ نیشاپور امام بخاری کا اپنا شہر تو تھا نہیں، یہاں امام مہمان اور غریب الدیار تھے، علامہ ذہلی کا یہ اختلافی رویہ ان کو نکلنے پر مجبور کر رہا تھا، بڑے غمگین اور شکستہ خاطر ہو کر کہنے لگے:

"اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نیشاپور تکبر و فساد کی نیت سے نہیں آیا اور نہ بڑائی و سیادت کی چاہت لے کر آیا ہوں، میں تو اپنے وطن بخارا اس لئے نہیں گیا کہ وہاں پہلے سے میرے مخالفین موجود ہیں۔" (۷۰)

احمد بن سلمہ سے کہنے لگے میں کل نیشاپور چھوڑ دوں گا تاکہ تم اس شخص سے میرے سلسلہ میں خلاصی پاؤ۔ (۷۱) امام کی حالت گویا کہہ رہی تھی ؂

نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ قفس نہ آشیانہ
تیری بندہ پروری سے میرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

احمد بن سلمہ کہتے ہیں امام بخاری جب نیشاپور سے جارہے تھے تو میرے سوا امام بخاری کو الوداع کہنے والا کوئی نہیں تھا۔ (۷۲) لوگوں کی عقیدت کی بے ثباتی دیکھئے، انقلابِ زمانہ اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھئے، کہاں وہ وقت کہ پوا شہر استقبال کے لئے امنڈ آیا اور کہاں اب کہ رخصت ہو رہے ہیں اور الوداع کے لئے ایک آدمی کے سوا کوئی نہیں ؂

زمین چمن اگاتی ہے گل کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

علامہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (جلد ۱۳ صفحہ ۲۷۵) میں محمد بن یحیٰی ذہلی کے تذکرہ میں

دونوں بزرگوں کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھا:

وَمَا زَالَ كَلَامُ الْكِبَارِ الْمُتَعَاصِرِيْنَ بَعْضُهُمْ لَا يُلْوَى عَلَيْهِ بِمُفْرَدِهِ، رَحِمَ اللّٰهُ الْجَمِيْعَ وَغَفَرَ لَهُمْ وَلَنَا آمِيْنَ

”ہمعصر اکابرین کے ایک دوسرے کے بارے میں کلام کو بنیاد بنا کر کسی ایک جانب جھکاؤ مناسب نہیں اللہ سب پر رحم فرمائیں، ان کی اور ہماری مغفرت فرمائیں۔ آمین۔“

نیشاپور سے امام بخاری نے اپنے وطن بخارا کا رخ کیا، اہل بخارا کو جب امام کی آمد کی اطلاع ملی تو شہر کے راستے مزین کئے گئے، قبے لگائے گئے، لوگ شہر سے باہر آئے۔ امام بخاری جب پہنچے تو ان پر درہم و دنانیر نچھاور کئے گئے اور فاتحین کی طرح اہل بخارا نے امام کا استقبال کیا۔

زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا!

امام بخاری گلشن علم حدیث کے چہچہاتے بلبل تھے، جہاں جاتے اس چمن کی طرف اپنی نغمہ سرائی سے ایک دنیا کو متوجہ کرلیتے، بخارا میں بھی امام کی مجلس حدیث کی رونق سے رونق ہوئی۔ جس علم کے حامل تھے اس کی قدر و منزلت کا احساس بھی اللہ نے ان کو عطا کیا تھا، علم کو فانی دنیا کے حصول کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا، جہاں تذلیل علم کا شائبہ ہوتا، وہاں محتاط رہتے، امراء اور دنیا والوں کے ہاں جانے سے گریزاں رہتے، اکثر دنیا دار اس استغناء کے سبب ان سے نالاں رہتے۔ امیر بخارا خالد بن احمد ذہلی نے امام کو کہلا بھیجا کہ آپ میرے ہاں آکر صحیح بخاری اور ”تاریخ کبیر“ کا درس دیا کریں تاکہ میں اور میرے بچے سنیں، امام بخاری نے کہا:

”میں بادشاہوں کے دروازوں پر جاکر علم کی تذلیل نہیں کرسکتا اگر امیر کو اتنا ہی شوق ہے تو میرے ہاں مسجد یا گھر پر تشریف لایا کریں اور اگر یہ بات انہیں پسند نہیں تو میری مجلس حدیث پر پابندی

لگادیں تاکہ میرے لئے عذر معقول بن سکے اور اللہ کے ہاں کتمانِ علم کا میں مجرم قرار نہ پاؤں۔"

امیر بخارا نے کہا، "چلیں میرے ہاں آمد نہ سہی، میرے بچے آپ کے ہاں آیا کریں گے، آپ ان کے لئے الگ مخصوص مجلس منعقد کر کے انہیں پڑھائیں جس میں کوئی اور شریک نہ ہو۔" امام بخاری نے یہ بھی منظور نہیں کیا اور کہا کہ: "میرے لئے یہ مناسب نہیں کہ علم کی مجلس کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص کردوں۔" امام بخاری کے اس پھیکے رویہ سے امیر بخارا کی ناراضگی ایک فطری بات تھی، امام بخاری کا اب بخارا میں رہنا امیر کی امیرانہ طبیعت پر بوجھ ہو رہا تھا، اس نے اپنے ساتھ حریث بن ابی الورقاء اور دوسرے چند علماء کو ملایا اور امام کے مذہب و عقیدہ کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے ان کی جلاوطنی کا پروانہ جاری کیا۔ (۷۳)

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ امام بخاری اس سے قبل بھی بخارا سے جلاوطن کئے گئے تھے۔ اس آخری مرتبہ سے پہلے ایک دفعہ بخارا سے آپ کا اخراج تو یقینی ہے۔ بعض حضرات نے اس سے قبل تین بار امام کے جلاوطن ہونے کا ذکر کیا۔

پہلی بار اس وقت جلاوطن کئے گئے جب تاریخ کبیر وغیرہ کی تصنیف سے فارغ ہو کر امام حجاز کے سفر سے لوٹ آئے تھے، بخارا آنے کے بعد امام کے شیخ ابو حفص کبیر نے ان کو فتویٰ دینے سے منع کیا اور امام بخاری سے کہا کہ فقہ میں تمہاری مہارت ابھی تشنہ ہے تم فتوی نہ دیا کرو لیکن امام بخاری فتوی دیتے رہے اور بکری کے دودھ سے حرمت رضاعت کے ثبوت کا فتویٰ دیا جس کی وجہ سے آپ جلاوطن کئے گئے۔

یہ واقعہ اگرچہ کئی کتابوں میں ہے۔ چنانچہ صاحب فوائد بہیۃ نے احمد بن حفص الکبیر کے ترجمہ میں، شارح ہدایہ صاحب عنایہ نے کتاب الرضاعۃ میں جواھر مضیئۃ کے مصنف نے ابو حفص کے تذکرہ میں، محمد بن الحسن مالکی نے "الخمیس" میں، علامہ ابن حجر مکی نے "خیرات الحسان" میں (۷۴) علامہ سرخسی نے "مبسوط" میں، ان کے حوالہ سے مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "دراسات اللبیب" کے حاشیہ میں (۷۵) اور استاذ محترم مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ نے "تکملہ فتح الملہم" کتاب الرضاعۃ میں اس کا ذکر کیا

ہے۔(۷۶)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کی طرف اس فتویٰ کی نسبت مشکوک اور اس کی صداقت غیر یقینی ہے، دین کی ایک معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی ایسی حماقت نہیں کرسکتا چہ جائیکہ وہ امام بخاری جن کے بارے میں نعیم بن حماد کہتے ہیں: مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ فَقِيْهُ هٰذِهِ الاُمَّةِ (۷۷) جن کے بارے میں ابو مصعب زہری فرماتے ہیں: اَلْبُخَارِيُّ أَفْقَهُ عِنْدَنَا .... اَلامَامُ مَالِكٌ وَالْبُخَارِيُّ كِلاَ هُمَا وَاحِدٌ فِي الْفِقْهِ وَالْحَدِيْثِ (۷۸) جن کے بارے میں اسحٰق بن راہویہ کا قول ہے: لَوْ كَانَ الْبُخَارِيُّ فِيْ زَمَنِ الْحَسَنِ لاَحْتَاجَ النَّاسُ إِلَيْهِ لِمَعْرِفَتِهِ بِالْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ (۷۹) جن کے بارے میں علامہ دارمی نے کہا: مُحَمَّدٌ عِنْدِيْ أَبْصَرُهُمْ وَأَعْلَمُهُمْ وَأَفْقَهُهُمْ (۸۰) جن کے بارے میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن سمرقندی نے فرمایا: مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ أَعْلَمُنَا، وَأَفْقَهُنَا (۸۱) اور جن کے بارے میں محمد بن بشار نے اس وقت جب وہ بصرہ میں داخل ہونے لگے کہا: اَلْيَوْمَ دَخَلَ سَيِّدُ الْفُقَهَاءِ (۸۲) اور جنہوں نے اس وقت عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی کتابیں حفظ کرلی تھیں جبکہ ان کی عمر کی کشتی ابھی سیل عہد شباب میں داخل ہی نہیں ہوئی تھی اور جن کی اجتہادی صلاحیت، تفقہ اور قرآن و سے براہ راست استنباط پر قدرت کے تمام علماء قائل ہیں،

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ بڑے سے بڑی غلطی ہوسکتی ہے لیکن اس کے ثبوت کے لئے بڑی ٹھوس اور ناقابل تردید دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، احقر کو باوجود تلاش کے اس کی کوئی مضبوط سند نہ مل سکی، چنانچہ صاحب فوائد بہیہ علامہ لکھنوی اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> هِيَ حِكَايَةٌ مَشْهُوْرَةٌ فِيْ كُتُبِ أَصْحَابِنَا، لٰكِنِّي أَسْتَبْعِدُ وُقُوْعَهَا بِالنِّسْبَةِ إِلٰى جَلاَلَةِ قَدْرِ الْبُخَارِيِّ، وَدِقَّةِ فَهْمِهِ، وَسِعَةِ نَظْرِهِ، وَغَوْرِ فِكْرِهِ(۸۳)
>
> "ہمارے اصحاب کی کتابوں میں یہ واقعہ کافی مشہور ہے لیکن امام بخاری کی جلالت شان، دقت رسا فہم، وسیع نظر اور عمیق فکر کے

پیش نظر مجھے اس واقعہ کا وقوع بعید معلوم ہوتا ہے۔"

دوسری بار اس وقت جلاوطن کئے گئے جب ایمان کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی بحث چھڑی اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے کئی علماء جلاوطن کئے گئے، ان میں امام بخاری بھی تھے۔ (۸۴)

بعض علماء نے نیشاپور سے آنے کے بعد جس آخری جلاوطنی میں بخاری کی وفات کا حادثہ پیش آیا اس سے قبل بخارا سے ایک مرتبہ اور امام بخاری کے اخراج کا ذکر کیا ہے[1] کہ علامہ ذہلی سے اختلاف کے بعد جب امام اپنے وطن آئے تو علامہ ذہلی نے شیوخ بخارا کو ان کے عقیدہ کے سلسلہ میں ایک خط لکھا جس کی وجہ سے امام بخاری جلاوطن کئے گئے۔ لیکن یہ درست نہیں نیشاپور سے واپس آنے کے بعد امام بخاری دو مرتبہ نہیں ایک ہی بار جلاوطن کئے گئے ہیں اور اس میں آپ کی وفات کا حادثہ پیش آیا۔

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (جلد ۱۲ صفحہ ۶۱۷) میں محمد بن احمد بن حفص کے تذکرہ میں علامہ ذہلی کے شیوخ بخارا کے نام خط لکھنے اور اس کی وجہ سے امام بخاری کے اخراج کا ذکر کیا ہے، اسی روایت کو بنیاد بنا کر بعض حضرات نے امام بخاری کی یہ تیسری اور مستقل جلاوطنی شمار کی ہے لیکن علامہ ذہلی کے خط کی وجہ سے امام بخاری کی جلاوطنی کی اس روایت کو اگر صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی اس سے وہی آخری جلاوطنی مراد ہے جس میں آپ کی وفات کا واقعہ پیش آیا، چنانچہ اس روایت کے آخر میں ہے:

فَبَقِيَ إِلٰى أَنْ كَتَبَ إِلٰى أَهْلِ سَمَرْقَنْدَ يَسْتَأْذِنُهُمْ فِي الْقُدُوْمِ عَلَيْهِمْ فَامْتَنَعُوْا عَلَيْهِ وَ مَاتَ فِيْ قَرْيَةٍ

ممکن ہے امیر بخارا نے آپ کے خلاف پروپیگنڈہ مؤثر بنانے کے لئے علامہ ذہلی کا خط

---

[1] چنانچہ مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے دراسات اللبیب کے حاشیہ اور ان کے حوالے سے حضرت شیخ الحدیثؒ نے مقدمہ لامع الدراری میں اس کو مستقل "الخرجۃ الثالثۃ" قرار دیا ہے اور استدلال میں سیر اعلام النبلاء کی محمد بن احمد بن حفص کے ترجمہ میں مذکورہ روایت پیش کی ہے۔ (دیکھئے حاشیہ دراسات صفحہ ۲۰۶ و مقدمہ لامع صفحہ ۴۸)

بھی حاصل کیا ہو، تاہم اس پر تمام روایات متفق ہیں کہ امام بخاری کی نیشاپور سے واپسی کے بعد ایک ہی مرتبہ اخراج ہوا اور اسی میں آپ انتقال کر گئے۔

اس لحاظ سے امام بخاری اس آخری جلاوطنی سے قبل صرف ایک بار مسالہ خلق ایمان کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے۔

آواز دی خزاں نے تو بھی نظر میں ہے!

جب امام بخاری کو نیشاپور کی طرح بخارا میں بھی رہنے نہیں دیا گیا اور امیر بخارا نے شہر سے نکلنے کا حکم دیا تو امام نے امیر اور دوسرے مخالفین کے حق میں بددعا کی، ابھی ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ بخارا کا وہ امیر معزول کر دیا گیا، قید میں ڈال کر اس کی جائداد ضبط کی گئی اور اپنے انجام سے غافل اس عظیم محدث کو اپنے وطن سے بلاوجہ نکالنے والے دوسرے لوگوں نے اپنے گھر اور اولاد کے سلسلہ میں وہ رسوائی اور ذلت دیکھی جو ناقابل بیان ہے۔ (۸۵)

پژمردگی گل پہ جب ہنسنے لگی کلی
آواز دی خزاں نے تو بھی نظر میں ہے

دنیا کے ہنگاموں سے اکتا گیا ہوں یارب!

امام بخاری کے اخراج کا علم اہل سمرقند کو ہوا تو انہوں نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی، امام دعوت قبول کر کے سمرقند کیلئے روانہ ہوئے، ابھی سمرقند سے قریب "خرتنگ[۲]" نامی بستی پہنچے تھے کہ اطلاع ملی کہ سمرقند میں امام بخاری کی آمد پر لوگوں میں اختلاف ہے۔ (۸۶) خرتنگ میں امام کا اپنے ایک عزیز غالب بن جبریل کے ہاں قیام تھا، رات کو اٹھے، نماز پڑھی اور دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ قَدْ ضَاقَتْ عَلَيَّ الْاَرْضُ بِمَا رُحُبَتْ، فَاقْبِضْنِيْ إِلَيْكَ

---

[۲] وفی معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۵۶ "خرتنك...... قرية بينها وبين سمرقند ثلاثة فراسخ، بها قبر امام اهل الحديث محمد بن اسماعيل البخاري......" الخ۔

"اے اللہ! یہ زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی ہے اب مجھے اپنی ہی طرف اٹھالیجئے۔" (۸۷) ۔

دشت وفا میں جب نہ ملا کوئی آشنا
پہروں کرتے رہے دعا ہم افتادگی کے ساتھ

ادھر سمرقند سے امام کی آمد پر اتفاقی فیصلہ کی اطلاع آئی لیکن تقدیر کا پیغام اب کہہ رہا تھا: ﴿يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ اب سمرقند نہیں اپنے رب کے پاس جانے کا پروانہ آگیا تھا جس کی دعا کی تھی اور جو قبول ہوگئی تھی۔ جب یکم شوال ۲۵۶ھ کو خوشیوں کا تحفہ لے کر ماہتابِ عید نمودار ہوا، اسی رات زمانہ اور اہل زمانہ کی بے قدری کا داغ لئے حدیث نبوی کی لافانی خدمت کرنے والے اس عظیم انسان کی زندگی کا آفتابِ تاباں وہاں غروب ہوا جہاں زندگی کے ہر آفتاب کا مدفن ہے۔ (۸۸) ۔

کہیں سامانِ مسرت کہیں ساز غم ہے
کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے!

عبدالواحد بن آدم کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جماعت سمیت خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں، میں نے کھڑے ہونے کی وجہ دریافت کی، فرمایا "میں بخاری کا انتظار کررہا ہوں" بعد میں معلوم ہوا کہ جس وقت خواب دیکھا تھا اسی ساعت امام بخاری کا انتقال ہوا تھا۔ (۸۹)

دفن کرنے کے بعد قبر سے خوشبو پھوٹی، قبر کی سیدھ میں آسمان کی جانب ایک روشن خط نظر آنے لگا، لوگ قبر کی مٹی پر ٹوٹ پڑے، بڑے سخت حفاظتی انتظامات کے بعد قبر سے لوگوں کو روکا گیا، امام بخاری کے پہچاننے میں جن مخالفین نے غلطی کی تھی ان میں سے بعض قبر پر آئے اور توبہ کی۔ (۹۰)

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا!

بوئے گل کا باغ سے اور گلچین کا دنیا سے سفر اس عالمگیر قانون کا اثر ہے جس سے نہ کوئی بچا ہے، نہ بچے گا، امام بخاری کو زندگی میں محبتوں کے جھونکے بھی نصیب ہوئے اور نفرتوں کے طوفاں سے بھی سابقہ پڑا، عقیدت کے پھول بھی ملے اور حسد کے کانٹے بھی ہاتھ لگے، امام گئے، امام کے حاسد گئے، وہاں، جہاں سب گئے، سب کو جانا ہے، پر امام کا علم باقی رہا، باقی رہے گا کہ یہ کائنات کی اس بہترین ہستی کے کلام کا علم تھا جس کے فیض عام نے صحرائے عرب کے بدویوں اور حبشہ کے گمنام حبشیوں کو حیات جاوداں بخشی، امام بخاری نے اپنی "صحیح" کے گلشن کو جن پھولوں سے آباد کیا، تروتازگی ان کے لئے فطرت کا انعام ہے تاکہ ؎

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

اسی گلشن بندی کا صلہ ہے کہ صدیاں گزر گئیں، امام بخاری کی یادیں زندہ رہیں، زندہ رہیں گی ؎

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

---

(۱) تاریخ بغداد للخطیب جلد ۲ صفحہ ۶
(۲) مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۷۸

(۳) ایضاً

(۴) طبقات شافعیہ کبری جلد۲ صفحہ ۳

(۵) تہذیب الکمال جلد۲۴ صفحہ ۴۳۸

(٦) دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) جلد۴ صفحہ ۱۱۰)

(۷) دائرۂ معارف اسلامیہ (اردو) جلد۴ صفحہ ۱۱۰)

(۸) دائرۃ المعارف فرید وجدی (عربی) جلد۲ صفحہ ۵٦)

(۹) دیکھئے دائرۃ المعارف (عربی) جلد۲ صفحہ ۵٦)

(۱۰) تاریخ طبری جلد۴ صفحہ ۲۲۰، تاریخ ابن خلدون جلد۳ صفحہ ۱۵۔

(۱۱) معجم البلدان جلد۱ صفحہ ۳۵۵۔

(۱۲) دیکھئے دائرۃ المعارف (عربی) جلد۲ صفحہ ۵٦۔

(۱۳) ایضاً۔

(۱۴) دائرۃ المعارف (عربی) جلد۲ صفحہ ۵٦۔

(۱۵) معجم البلدان جلد۱ صفحہ ۳۵۵۔

(۱٦) تاریخ بغداد جلد۲ صفحہ ۴

(۱۷) طبقات شافعیہ کبری جلد۲ صفحہ ۳

(۱۸) تہذیب الکمال جلد۲۴ صفحہ ۴٦۲۔

(۱۹) تہذیب الکمال جلد۲۴ صفحہ ۴۴۵۔

(۲۰) تاریخ بغداد جلد۲ صفحہ ۷، نیز طبقات شافعیہ جلد۲ صفحہ ۴۔

(۲۱) سیر اعلام النبلاء جلد۱۱ صفحہ ۴۰۸ نیز مقدمۃ الفتح صفحہ ۴۷۹۔

(۲۲) تاریخ بغداد جلد۲ صفحہ ۸

(۲۳) تہذیب الکمال جلد۲۴ صفحہ ۴٦ نیز سیر اعلام النبلاء جلد۱۲ صفحہ ۴۱۷۔

(۲۴) طبقات شافعیہ جلد۲ صفحہ ۸ نیز مقدمۃ الفتح صفحہ ۴۸۴۔

(۲۵) تہذیب الکمال جلد۲۴ صفحہ ۴۵۳ نیز تاریخ بغداد جلد۲ صفحہ ۲۰۔

(۲٦) مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۷

(۲۷) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۱۶ نیز مقدمہ فتح صفحہ ۴۸۷۔

(۲۸) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۱۱ نیز مقدمہ فتح صفحہ ۴۸۷۔

(۲۹) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۱۵ نیز تہذیب الاسماء واللغات جلد ا صفحہ ۶۸۔

(۳۰) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۱۴۔

(۳۱) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۵، ۱۶۔

(۳۲) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۱۴۔

(۳۳) تہذیب الکمال جلد ۲۴ صفحہ ۴۴۸ نیز سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۰۴۔

(۳۴) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۳ نیز تہذیب الأسماء واللغات جلد ا صفحہ ۷۵۔

(۳۵) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۰۵۔

(۳۶) مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۸ نیز سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۰۶۔

(۳۷) مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۸۔

(۳۸) طبقات شافعیہ جلد ۲ صفحہ ۷، سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۴۱۔

(۳۹) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۲، تہذیب الکمال جلد ۲۴ صفحہ ۴۴۷۔

(۴۰) سیر أعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۳۹۔

(۴۱) مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۱۔

(۴۲) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۴۱۔

(۴۳) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۴۴۔

(۴۴) سیر أعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۵۱۔

(۴۵) سیر أعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۲۔

(۴۶) مقدمۂ فتح الباری میں صفحہ ۴۸۰۔

(۴۷) طبقات سبکی جلد ۲ صفحہ ۱۰۔

(۴۸) طبقات سبکی جلد ۲ صفحہ ۱۱۔

(۴۹) مقدمۂ فتح الباری صفحہ ۴۸۰۔

(۵۰) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۴۸ نیز مقدمۂ فتح صفحہ ۴۸۰۔

(۵۱) مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۰۔
(۵۲) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۱۔
(۵۳) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۰۵۔
(۵۴) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۱۰۔
(۵۵) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض حدیث نمبر ۱۵۶۲۔
(۵۶) طبقات سبکی جلد ۲ صفحہ ۴ نیز سیر اعلام النبلاء جلد ۳۔
(۵۷) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۵۱۔
(۵۸) مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۹۴۔
(۵۹) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۵۴۔
(۶۰) طبقات کبری جلد ۲ صفحہ ۱۱۔
(۶۱) دیکھئے سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۳۵۳۔
(۶۲) دیکھئے تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۳ و طبقات سبکی جلد ۲ صفحہ ۱۳۔
(۶۳) دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۵۱۵۔
(۶۴) سیر أعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۵۴۔
(۶۵) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۳۱۔
(۶۶) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۳۲
(۶۷) طبقات کبری سبکی جلد ۲ صفحہ ۱۲۔
(۶۸) دیکھئے طبقات کبری سبکی جلد ۲ صفحہ ۱۲۔
(۶۹) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۰ و مقدمۃ الفتح صفحہ ۴۹۲۔
(۷۰) مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۰۲۔
(۷۱) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۵۹۔
(۷۲) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۵۹۔
(۷۳) طبقات کبری جلد ۲ صفحہ ۱۴ تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۵۲۔
(۷۴) مقدمہ لامع الدراری صفحہ ۵۳۔

(۷۵) دیکھئے دراسات اللبیب کا حاشیہ صفحہ ۳۰۴۔

(۷۶) تکملہ فتح الملہم، کتاب الرضاعۃ جلد ۱ صفحہ ۶۱۔

(۷۷) تہذیب الکمال جلد ۲۴ صفحہ ۴۵۹۔

(۷۸) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۲۰۔

(۷۹) مقدمۂ فتح الباری صفحہ ۴۸۴۔

(۸۰) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۲۸۔

(۸۱) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۲۵۔

(۸۲) تہذیب الاسماء واللغات جلد ۱ صفحہ ۶۸ و تہذیب الکمال جلد ۲۴ صفحہ ۴۴۹۔

(۸۳) مقدمہ لامع الدراری صفحہ ۵۳۔

(۸۴) دیکھئے مقدمہ لامع الدراری صفحہ ۴۸۔

(۸۵) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۳۳، نیز تہذیب الکمال جلد ۲۴ صفحہ ۴۵۵۔

(۸۶) مقدمۂ شرح الکرمانی صفحہ ۱۲۔

(۸۷) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۳۴۔

(۸۸) تہذیب الاسماء واللغات جلد ۱ صفحہ ۶۸، تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۳۴۔

(۸۹) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۸۔

(۹۰) مقدمہ شرح الکرمانی صفحہ ۱۲ و طبقات کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۵۔

امام زھری رحمہ اللہ تعالیٰ

نام ان کا محمد بن مسلم ہے لیکن "ابن شہاب زہری" سے مشہور ہیں۔

دل ان کا علم حدیث کے ولولوں سے سرشار تھا، دماغ ان کا علم حدیث کی لذت سے آشنا تھا اور جسم ان کا اس راہ میں مشقتوں کا عادی تھا، طلب علم کے جذبۂ بیتاب نے ان کے بحر زندگی کو ایسا مضطرب کیا کہ علم کی طلب میں تختے اور کاغذات کے پلندے اور پشتارے اٹھا اٹھا کر دیوانہ وار پھرتے، دنیا دیکھتی ہنستی۔ (۱) لیکن یہ تھے کہ اپنی دھن میں مگن ۔

کسی کو کیا خبر کیا چیز ہیں وہ
انہیں دیکھے کوئی میری نظر سے

امام زھری کے ہم درس ابوالزناد کہتے تھے کہ ہم صرف حلال اور حرام سے متعلق احادیث لکھتے لیکن زہری جو کچھ سنتے لکھ لیتے، جب لوگوں کا مرجع بنے تب ہمیں معلوم ہوا کہ وہ سب پر فوقیت لے گئے ہیں۔ (۲)

منزل کو جالیا یاران تیز گام نے
ہم محو نالۂ جرس کاررواں رہے

حافظہ اللہ نے بلا کا دیا تھا خود فرماتے تھے میں جب "بقیع" سے گزرتا ہوں تو کانوں کو بند کرلیتا ہوں اس اندیشہ سے کہ اس میں کوئی فحش بات داخل ہوجائے کیونکہ خدا کی قسم! میرے کان میں اب تک کوئی بات ایسی داخل نہیں ہوئی جسے میں بھول گیا ہوں۔ (۳)

پورا قرآن صرف اسی دن میں حفظ کرلیا تھا۔ (۴)

علم کی بقا اور دنیا کی فنا پر یقین تھا۔ فرماتے تھے: "اللہ کے نزدیک علم سے زیادہ افضل کوئی شے نہیں۔" (۵)

عمرو بن دینار کہتے ہیں علم کے مقابلہ میں دراہم و دنانیر کی حیثیت زہری کے ہاں مینگنیوں سے زیادہ نہ تھی۔ (۶)

کتابوں کے ذوق اور مطالعہ کے شغف کا لطف اس درجہ پایا تھا کہ اس انہماک علمی میں گھر بار تک کی خبر نہ رہتی، ان کی اہلیہ کو یہ کہاں گوارا تھا، ایک دن بگڑ کر کہنے لگی:

"خدا کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔"

علم کو جب اپنا سب کچھ دیا تو علم نے بھی کچھ عنایت کیا۔ ۱۲۳۰ھ میں تو آپ کا انتقال ہوگیا۔ (۷) لیکن علم حدیث کی صف اول کے مدونین میں آپ کا شمار رہا اور انشاء اللہ رہے گا۔

---

(۱) تہذیب الکمال جلد۲۶ صفحہ ۴۳۳

(۲) تہذیب الکمال جلد۲۶ صفحہ ۴۳۳

(۳) تدوین حدیث صفحہ ۴۱

(۴) تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۴۱۰

(۵) تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۴۱۲

(۶) تہذیب الکمال جلد۲۶ صفحہ ۴۳۵

(۷) تہذیب الکمال جلد۲۶ صفحہ ۴۴۰

خلیل نحوی رحمہ اللہ موجدِ علمِ عروض

(متوفی ۱۷۰ھ)

خلیلؒ نحو و لغت کے امام اور علم عروض کے موجد ہیں، ان کے والد کا نام "احمد" ہے، ابن خلکان نے مرزبانی کے حوالہ سے وفیات الاعیان (جلد ۲ صفحہ ۲۴۸) میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے وہ شخص جن کا نام "احمد" رکھا گیا ان کے والد تھے۔ علامہ سیوطی "بغیۃ الوعاۃ" (جلد ا صفحہ ۵۵۸) میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

وَكَانَ آيَةً فِي الذَّكَاءِ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْلُوْنَ، لَمْ يَكُنْ فِي الْعَرَبِيَّةِ بَعْدَ الصَّحَابَةِ أَذْكٰى مِنْهُ، وَكَانَ يَحُجُّ سَنَةً وَيَغْزُوْ سَنَةً

"وہ ذہانت و ذکاوت کا ایک نمونہ تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ صحابہ کے بعد عربی زبان میں ان سے زیادہ کوئی ماہر اور ذکی پیدا نہیں ہوا، ایک سال حج کرتے اور ایک سال جہاد۔"

اختراعی صلاحیت!

خلیل بن احمدؒ انسانی تاریخ کے ذہین اور اختراعی صلاحیت کے حامل لوگوں میں سے ایک تھے، لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آنکھ کی کسی خاص بیماری کی دوا بنانے والا طبیب انتقال کرگیا۔ لوگوں کو اس دوا کی بڑی ضرورت پڑی، خلیل نے کہا "کسی کے پاس اس دوا کا نسخہ ہے؟" لوگوں نے کہا، نہیں، تو وہ برتن منگوایا جس میں دوا بنائی جاتی تھی، چنانچہ سونگھتے سونگھتے برتن سے اس دوا کا ایک ایک جز نکالتے رہے، یہاں تک کہ پندرہ اجزاء

اس طرح نکال کر جمع کر دیئے، ان پندرہ اجزاء کی تعیین کے بعد دوا بنائی اور حسب سابق لوگوں کو اس سے نفع ہوا، اتفاقاً بعد میں اس کا لکھا ہوا نسخہ اس طبیب کے کتب خانے سے مل گیا، دیکھا تو اس میں سولہ اجزاء لکھے تھے، خلیلؒ سے صرف ایک جز رہ گیا تھا۔ (۱)

اباجی پاگل ہوگئے!

علم عروض کا فن خلیل بن احمدؒ کے اختراعی ذہن ہی کی تخلیق ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان (جلد ۲ صفحہ ۲۴۷) میں ایک دلچسپ لطیفہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ گھر میں خلیل بن احمد عروض کے اوزان پر اشعار کی تقطیع میں مصروف تھے، ظاہر ہے جس نے یہ اوزان پہلے کبھی نہ سنے ہوں، اشعار کو ان اوزان پر فٹ کرتے وقت اگر وہ کسی کو ان کا تکرار کرتے دیکھے گا تو اس کو یہ عجیب سا بھونڈا پن معلوم ہوگا، اتفاقاً اس وقت گھر میں خلیل کے صاحبزادے داخل ہوئے، والد کو "فعولن، فعولن، متفاعلن، متفاعلن" وغیرہ کا ورد کرتے ہوئے پایا تو گھر سے سیدھے نکل کر لوگوں میں شور مچایا کہ "اباجی پاگل ہوگئے ہیں" لوگ دوڑتے ہوئے ان کے گھر آئے، دیکھا کہ خلیل تو صحیح الحواس ہیں، لوگوں نے کہا کہ صاحبزادے نے تو باہر آپ کے مجنون ہونے کا اعلان کردیا ہے، اس موقع پر خلیل نے بیٹے سے خطاب کرکے یہ دو شعر پڑھے ؎

لَوْ كُنْتَ تَعْلَمُ مَا أَقُوْلُ عَذَرْتَنِيْ
أَوْ كُنْتَ تَعْلَمُ مَا تَقُوْلُ عَذَلْتُكَا
لٰكِنْ جَهِلْتَ مَقَالَتِيْ فَعَذَلْتَنِيْ
وَعَلِمْتُ أَنَّكَ جَاهِلٌ فَعَذَرْتُكَا

① جو کچھ میں کہہ رہا تھا اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو مجھے معذور سمجھتے (کہ میں ایک عظیم فن کی وجہ سے ایسا کر رہا تھا) یا اگر آپ اپنی بات خود سمجھتے تو میں آپ کو ملامت کرتا (اور احساس دلاتا)۔

② لیکن چونکہ میں جو کہہ رہا تھا اس سے آپ ناواقف ہیں اس لئے مجھے ملامت کیا (کہ مجنوں ہونے کا شور مچایا) اور مجھے بھی چونکہ

معلوم ہے کہ آپ جاہل ہیں اس لئے میں آپ کو معذور قرار دیتا ہوں۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن المقفع ان کے پاس آئے، دونوں پوری رات علمی گفتگو کرتے رہے، صبح لوگوں نے خلیل سے عبداللہ کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے: "ان کا علم ان کی عقل سے زیادہ ہے۔" پھر عبداللہ سے خلیل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو کہنے لگے: "ان کی عقل ان کے علم سے زیادہ ہے۔" (۲)

ان علمی صفات کے ساتھ ساتھ اللہ جل شانہ نے ان کو زہد و تقویٰ اور بے نیازی و استغناء جیسی اعلیٰ صفات سے بھی نوازا تھا۔ پوری عمر فقر و غربت میں بسر کی، علم کو کبھی دنیا کا ذریعہ نہیں بنایا، ایک مرتبہ "اہواز" کے حکمراں سلیمان بن علی نے ان کے پاس قاصد کو پیغام دے کر بھیجا کہ آپ آکر میرے بچوں کو پڑھادیا کریں، خلیل نے سوکھی روٹی قاصد کو دکھا کر کہا:

مَاعِنْدِیْ غَیْرُہٗ وَمَادُمْتُ أَجِدُہٗ، فَلَاحَاجَةَ لِیْ فِیْ سُلَیْمَانَ

(۳)

"میرے پاس یہی روکھی سوکھی روٹی ہوتی ہے اور یہ ہمیشہ مجھے مل جاتی ہے تو مجھے سلیمان کے ہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

یہ تھا ان بزرگوں کا یقین، استغناء اور دنیا سے زہد و بے نیازی ۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا وجم
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامان موت
فیصلہ تیرا، ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

اور یہ صفات اسی وقت انسان میں پیدا ہوسکتی ہیں جب دنیا کی فنا اور آخرت کی بقا کا یقین دل و دماغ میں سرایت کرجائے، خلیل بن احمد رحمہ اللہ ہی کے یہ دو شعر بھی پڑھیے ۔

وَقَبْلَكَ دَاوٰى الْمَرِيْضَ، اَلطَّبِيْب
فَعَاشَ الْمَرِيْضُ وَ مَاتَ الطَّبِيْب
فَكُنْ مُسْتَعِدًّا، لِدَارِ الْفَنَاءِ
فَإِنَّ الَّذِىْ هُوَ آتٍ قَرِيْب

(۴)

"ایسا بھی پہلے ہوا ہے کہ طبیب نے مریض کا علاج کیا، اس کے بعد مریض تو زندہ رہا لیکن طبیب مرگیا، لہٰذا دار فناء کے لئے تیار رہئے کیونکہ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے۔"

وقت ضائع ہونے کی فکر!

اور جب آنے والی فنا کے قرب کا احساس آدمی کو ہونے لگے تو پھر وہ زندگی کی ایک ایک سانس کی قیمت حاصل کرنے کی فکر میں ہوتا ہے۔ خلیل بن احمدؒ کو اللہ جل شانہ نے یہ احساس عطا فرمایا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے:

أَثْقَلُ السَّاعَاتِ عَلَيَّ سَاعَةٌ آكُلُ فِيْهَا (۵)

"وہ ساعتیں مجھ پر بڑی گراں گزرتی ہیں جن میں میں کھانا کھاتا ہوں۔"

علمی انہماک اور آخرت کا سفر!

آخری عمر میں ارادہ کیا کہ حساب کی کوئی ایسی آسان نوع تخلیق کی جائے جسے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

اپنے معمول کے مطابق جب اس نوع کی تخلیق کی فکر میں لگے تو اس کی دھن میں ایسے مگن ہوئے کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ رہی، انہماک کے اسی عالم میں مسجد گئے، ستون مسجد سے جاٹکرائے، گرے اور انتقال فرمایا (۶)

رہ طلب میں جو گمنام مرگئے ناصر
"متاعِ وقت" انہی لوگوں کے نام کریں

(۱) بغیۃ الوعاۃ جلد ا صفحہ ۵۵۹

(۲) وفات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۶

(۳) بغیۃ الوعاۃ جلد ا صفحہ ۵۵۸

(۴) بغیۃ الوعاۃ جلد ا صفحہ ۵۵۸

(۵) قیمۃ الزمن صفحہ ۲۸

(٦) وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۹ والاعلام للزرکلی جلد ۲ صفحہ ۳۱۴

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ

(متوفی ۱۸۲ھ)

ایک غریب گھرانے کے فرد تھے، قریب تھا کہ معاشی خستہ حالی ان کی زندگی کو جہالت کے گرداب میں ڈبوئے رکھے اور ان کی صلاحیتوں کے جوہر نکھر کر بکھرنے یا بکھر کر نکھرنے کا موقع ہی نہ پائیں کہ ان کے گلشن باطن کی علمی صلاحیت کے برگ و بار کی مہک امام اعظم ابوحنیفہ نے محسوس کی کہ ؎

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر؟

امام ابوحنیفہ نے ان کی معاشی کفالت اپنے ذمہ لی، انہیں درس کی طرف توجہ دلائی، درس کی پابندی نے شوق علم دیا، عظیم استاذ کی شفقت نے حوصلہ بڑھایا اور برسوں کی تربیت نے گمنام "یعقوب" سے ابویوسف جیسا عظیم قاضی القضاۃ برآمد کیا، جن کا نام ہی آج سن کر فقہ حنفی کے شیدائیوں کے دلوں میں عظمت کے سوتیں اور عقیدت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں، شفیق استاذ کی مجلس میں پابندی کا پھر یہ حال ہوا کہ لخت جگر کا انتقال ہوا تو تجہیز و تکفین رشتہ داروں کے حوالہ کر کے خود مجلس درس جا پہنچے، یہ خوف تھا کہ تجہیز میں مصروف ہوگئے تو درس کی کوئی بات رہ جائے گی اور استاذ کی وفات کے بعد بڑی حسرت سے کہتے، "کاش! مجھے اپنی نصف دولت کے عوض استاذ کی صرف ایک ہی علمی صحبت میسر آجائے" (۱)

اُس بزم میں مدت سے نہیں گرچہ رسائی
نظروں میں میری، آج بھی عالم ہے وہیں کا

لیکن لذتِ علم نے شوق کا جو ولولہ دیا، وہ ہر دم زندہ رہا، معاشی تنگ حالی کا ایسا زمانہ بھی گزرا کہ سسرال کے گھر کے چھپر کی کڑی نکال کر بازار میں بیچی اور خوراک کا سامان کیا۔

دہی سے دل کی دباغت!

وہ خود کہتے تھے: "میرے ساتھ پڑھنے والوں کی یوں تو کافی جماعت تھی لیکن جس بیچارے کے دل کی دباغت دہی سے کی گئی تھی نفع اسی نے اٹھایا۔" پھر دل کی اس دباغت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہتے:

> "طالب علمی میں گھر والے میرے کھانے کا یہ انتظام کرتے کہ چند روٹیاں دہی کے ساتھ ٹھونک لی جاتی تھیں، دہی کھا کر سویرے درس کے حلقوں میں حاضر ہو جاتا لیکن جو اس انتظار میں رہتے کہ ان کے لئے، ہریسہ یا عصیدہ تیار ہو تب اس کا ناشتہ کر کے جائیں گے، ظاہر ہے ان کے وقت کا کافی حصہ اس انتظار میں صرف ہو جاتا اس لئے جو چیزیں مجھے معلوم ہوئیں ان سے یہ ہریسہ اور عصیدہ والے حضرات محروم رہے۔ (۲)

نہ ہو قناعت شعارِ گلچین........

علم کے ساتھ ان کی محبت اور مسائل کے ساتھ ان کے شغف کا یہ عالم تھا کہ زندگی کے آخری لمحوں میں بھی ایک فقہی مسئلہ پر بحث کرتے رہے۔

ابراہیم بن الجراح امام ابویوسف کی بیماری کی اطلاع سن کر عیادت کی غرض سے گئے تو امام پر نیم بیہوشی طاری تھی، کچھ طبیعت سنبھلی تو فرمانے لگے۔ "ابراہیم! اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟" ابراہیم کہنے لگے، حضرت! اس حال میں بھی مسائل کی بحث! فرمانے لگے "کیا حرج ہے ممکن ہے اسی سے کسی کی نجات ہو جائے"، پھر مسئلہ پوچھا کہ "رمی جمار ماشیاً افضل ہے یا راکباً؟" ابراہیم نے کہا "ماشیا" فرمایا "غلط" عرض کی "راکبا"

ارشاد ہوا "غلط" کہنے لگے آپ ہی بتادیں، فرمایا "جس رمی کے بعد دعا کے لئے وقوف ہو وہاں "ماشیا" ورنہ "راکبا" افضل ہے۔ ابراہیم رخصت لے کر ابھی دروازہ سے ہی گزر رہے تھے کہ حالت نزع میں علمی مسئلہ پر بحث کرنے والے یہ عظیم انسان وہاں گئے جہاں سب گئے سب کو جانا ہے۔(۳)

نہ ہو قناعت شعار گلچیں، اسی سے قائم ہے شان تیری
وفور گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہوجا

---

(۱) مناقب ابی حنیفہ جلد۱ صفحہ ۲۷۴

(۲) تدوین حدیث بتغییر صفحہ ۱۵۴

(۳) الجواہر المضیئہ جلد۱ صفحہ ۷۶

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ

امام محمد کے نام سے کون ناواقف ہے، انہی کی کتابوں نے حنفی فقہ کو مدوّن کیا، مسائل کے دلائل جمع کئے، اختلافی اقوال ذکر کئے اور دنیا کے اکثر خطوں میں رائج فقہ حنفی تصنیفی شکل میں امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

مطالعہ ان کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا، علم ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور اسی میں وہ منہمک رہتے، کتابوں کا ڈھیر ارد گرد لگا رہتا، رات سوتے نہ تھے، طشت میں پانی رکھا رہتا، نیند آتی تو پانی سے زائل کرتے، ایک موضوع سے اکتا جاتے، دوسرا شروع کر دیتے۔ (۱) اور اسی عالم میں وہ رات گزارتے کہ ؎

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافر شب! خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی

لوگوں نے اس شب بیداری کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے:

”میں کیسے سو رہوں جب کہ عام مسلمان ہم پر اعتماد کر کے سو رہے ہیں کہ ہم ان کی رہنمائی کریں گے۔“ (۲)

علم کے انہماک میں ان کو اپنے لباس تک کا ہوش نہیں رہتا تھا، گھر والے میلے کپڑے اترواتے تو اتار دیتے ورنہ ان کو اس کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ ان کے علمی شغف و انہماک کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات کوئی سلام کرتا تو جواب میں بجائے سلام کے دعا کرنے لگتے، سلام کرنے والا دوبارہ سلام کرتا تو دوبارہ وہی دعائیہ کلمات دہرا دیتے۔ (۳)

گھر والوں سے کہہ رکھا تھا کہ دنیوی ضروریات کے سلسلہ میں مجھ سے بات نہ کریں۔ اس بارے میں میرے وکیل سے کہہ دیا کریں، تاکہ میرے علم و مطالعہ کی یکسوئی میں خلل نہ آئے۔ (۴) علم و مطالعہ کی یکسوئی میں امکان بھر کوشش کرتے کہ کوئی مخل نہ ہو، ان کے گھر ایک مرغ تھا جس کی بانگ کسی وقت کی پابند نہ تھی کسی بھی وقت جی چاہتا نالاں ہو جاتا، امام نے ایک دن پکڑ کر یہ کہتے ہوئے ذبح کیا کہ یہ خوامخواہ میرے علم و مطالعہ میں مخل بنا ہوا ہے۔ فرماتے تھے:

لَذَّاتُ الافْکَارِ خَیْرٌ مِّنْ لَذَّاتِ الابْکَارِ (۵)

"فکر و نظر کی لذتوں کے سامنے دوشیزاؤں کی لذتیں کچھ بھی نہیں۔"

امام محمدؒ نے نو سو ننانوے کتابیں لکھیں۔ (۶) امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ یہ دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے۔ فرمانے لگے "محمد بن الحسن کی کتابوں سے" (۷) امام محمدؒ نے جو مسائل قرآن و سنت اور اجماع سے مستنبط کئے ان کی تعداد دس لاکھ ستر ہزار ایک سو بتائی گئی ہے۔ (۸)

ایک مرتبہ امام شافعیؒ کے ہاں رات کو ٹھہرے، امام شافعیؒ تو رات بھر نفلیں پڑھتے رہے، آپ ساری رات لیٹے رہے، امام شافعیؒ کو یہ بات بڑی اچنبھی معلوم ہوئی، نماز فجر میں وضو کے لئے پانی لایا گیا، امام محمدؒ نے اس پانی سے وضو کئے بغیر نماز پڑھی، امام شافعیؒ کو مزید تعجب ہوا، پوچھنے پر فرمایا کہ "آپ نے تو ذاتی نفع کے پیش نظر رات بھر عبادت کی، تاہم میں پوری امت کے لئے جاگتا رہا اور کتاب اللہ سے ایک ہزار سے کچھ اوپر مسائل نکالے، امام شافعی فرماتے ہیں یہ سن کر میں اپنی شب بیداری بھول گیا کہ عبادت کرتے ہوئے جاگنا اتنا دشوار نہیں جتنا لیٹ کر جاگنا۔ (۹)

ہارون الرشید کے ساتھ "رے" کی طرف گئے، وہیں انتقال فرمایا، اسی دن مشہور نحوی امام کسائی کا بھی انتقال ہوا، دفن کرنے کے بعد ہارون رشید نے کہا۔ دَفَنَّا الْیَوْمَ اَللُّغَۃَ وَالْفِقْہَ "آج ہم نے لغت و فقہ دونوں کو دفن کر دیا۔"

آپ کی وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی۔ عمر عزیز کی ۵۸ بہاریں دیکھنی نصیب ہوئیں۔ (۱۰)

(۱) مفتاح السعادۃ جلد ا صفحہ ۲۳

(۲) مناقب کردری صفحہ ۴۳۶

(۳) بلوغ الامانی صفحہ ۷

(۴) دیکھئے تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۷۶

(۵) حدائق الحنیفہ صفحہ ۱۵۴

(۶) الجواہر المضیئہ جلد ا صفحہ ۷۶

(۷) دیکھئے سیر اعلام النبلاء جلد ۹ صفحہ ۱۳۶

(۸) حدائق الحنفیہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰

(۹) حدائق الحنفیہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۹

(۱۰) دیکھئے تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ نیز الاعلام للزرکلی جلد ۶ صفحہ ۸۰

وکیع بن الجراح رحمہ اللہ

وکیع بن الجراح، عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین کے شیخ و استاذ اور سفیان ثوری کے شاگرد ہیں، خوشحال خاندان سے تعلق تھا، سفیان نے جب انہیں دیکھا تو کہنے لگے: "یہ بڑی شان لے کر دنیا سے رخصت ہوگا" (۱) "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" وکیع نہ صرف حدیث بلکہ فقہ میں بھی امامت کا درجہ پاگئے ہیں۔

قبلہ رخ بیٹھتے اور قبلہ رخ بولتے۔ (۲) ہر رات قرآن شریف کا ایک ختم کرتے، دن کو روزہ زندگی بھر کا معمول رہا (۳) بدن سے جسیم تھے، مکہ گئے تو فضیل بن عیاض نے دیکھ کر کہا، تم تو عراق کے راہب ہو پھر اتنے موٹے کیونکر؟ کہنے لگے "اسلام کی وجہ سے نشاط اور مسرت کی کیفیت نے مجھے فربہ کردیا۔" (۴)

سینکڑوں محدثین کی طرح حافظہ ان کا بھی غیر معمولی تھا، حدیث کی مجلس میں زبان، حافظہ کی قوت سے بولتی، آنکھ سے کتاب دیکھ کر املاء حدیث کی عادت زندگی بھر نہیں اپنائی، علی بن خشرم کہتے ہیں میں نے وکیع کے ہاتھ میں کتاب کبھی نہیں دیکھی وہ خود پیکر حفظ تھے، علی بن خشرم نے پوچھا "قوت حفظ کی کوئی دوا ہو تو مجھے بتا دیں" وکیع فرمانے لگے "اگر بتادوں تو استعمال کروگے" علی نے کہا "واللہ! کیوں نہیں" فرمانے لگے "ترک معاصی" قوت حفظ کے لئے اس سے زیادہ مجرب دوا میں نے نہیں دیکھی .... (۵)
زندگی کی شام و سحر کو ایک نظامِ عمل کا پابند بنایا تھا کہ وقت کو قابو میں رکھنا اس کے بغیر مشکل بلکہ کہئے ناممکن ہے۔

وکیع کا نظام اوقات!

خطیب نے تاریخ بغداد (جلد ۱۳ صفحہ ۴۷۱) میں والد کے نظام الاوقات کی کہانی ان کے

بیٹے کی زبانی کچھ اس طرح نقل کی ہے:

"میرے والد ہمیشہ روزہ رکھتے، اوقات کا نظام یہ تھا کہ صبح سویرے اٹھتے، نماز وغیرہ سے فارغ ہوکر حلقہ درس میں آتے، حدیث پڑھاتے، دن کل چڑھ جاتا تو حلقہ سے اٹھ کر گھر آتے، ظہر تک آرام کرتے، نماز ظہر کے لئے اٹھتے، نماز پڑھنے کے بعد اس سڑک کی طرف چلنے کا معمول تھا جدھر سے پانی بھرنے والے بہشتے پکھالیں بھر بھر کر شہر کی طرف لاتے تھے، وہاں ہر ایک سے دریافت کرتے کہ قرآن اس کو کتنا یاد ہے۔ جسے یاد نہ ہوتا اس کو قرآن کی اتنی سورتیں یاد کراتے جو نماز پڑھنے کے لئے کافی ہوں۔ عصر تک یہی کام کرتے، نماز عصر اپنی مسجد میں پڑھتے، نماز کے بعد درس قرآن دیتے، وقت اگر کچھ بچتا تو اللہ کی یاد میں مشغول ہوجاتے، نماز مغرب کے بعد گھر تشریف لاتے تب افطار کا کھانا حاضر کیا جاتا، دس رطل (پانچ سیر) سے کم مقدار مجموعی طور پر کھانے کی نہ ہوتی، کھانے کے بعد نبیذ کا قرابہ پیش ہوتا، نبیذ کی یہ مقدار بھی دس رطل کے قریب ہوتی، سردست جتنا جی چاہتا نوش فرمالیتے، جو بچ جاتا اس کو سامنے رکھ کر نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے اور رات کے معمولات شروع کرتے، نماز کی دو یا دو سے زیادہ رکعتوں سے فارغ ہوتے تو سامنے رکھے ہوئے نبیذ کے قرابہ سے پیتے، جب نماز پڑھتے پڑھتے پورا قرابہ ختم کر ڈالتے تو پھر سو رہتے۔"

دن بھر روزہ سے چونکہ ضعف پیدا ہوجاتا اس لئے رات کے معمولات پورے کرنے کے لئے ضعف کو نبیذ کی قوت سے دور کرتے، جب سستی محسوس ہوتی، پی لیتے جب وہ ختم ہوتا، سوجاتے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ان کے نظام الاوقات کے ایک خاص حصہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص اسلوب میں یوں رقم طراز ہیں:

"وکیع کے نظام الاوقات کا سب سے زیادہ عبرت انگیز جزء وہ ہے

کہ سقوں کی گزر گاہ میں پہنچ کر ان کو قرآنی سورتیں یاد کراتے تھے، آج کسی مولوی کو کسی قصبہ یا شہر میں معمولی سا امتیاز بھی حاصل ہو جاتا ہے تو وہ بیچارا خدا جانے اپنے آپ کو کیا سمجھنے لگتا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستباز خادموں کو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ دکیع ہیں، وہی وکیع، امامِ فن رجال یحییٰ بن معین جن کے متعلق کہتے تھے کہ میری آنکھوں نے ان سے بڑا آدمی نہیں دیکھا، یہی دعویٰ امام احمد کا بھی تھا کہ علم میں وکیع جیسا آدمی میری نظر سے نہیں گزرا........ لیکن جو اپنے وقت کا سب سے بڑا امام فقہ میں بھی تھا اور حدیث میں بھی، وہ بہشتیوں کو قرآن کی ابتدائی سورتوں کے سکھانے کو بھی اپنی زندگی کا ایک فرض قرار دیئے ہوئے تھا، ایسے ہی آدمی کے گھر میں یہ ہو سکتا تھا جیسا کہ ان کے صاحبزادے ابراہیم کا بیان ہے کہ:

"میرے والد تہجد کی نماز کے لئے جس وقت اٹھتے تھے تو ان کے ساتھ سارا گھر اس نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا، حتیٰ کہ گھر میں حبشن چھوکری تک تہجد پڑھتی تھی۔" (۶)

وکیع کی سن پیدائش ۱۲۸ھ ہے اور آپ کی وفات ۱۹۶ھ میں ہوئی۔ (۷)

---

(۱) تہذیب الکمال جلد ۳ صفحہ ۴۷۸

(۲) حلیۃ الأولیاء جلد ۸ صفحہ ۳۶۹

(۳) تہذیب الکمال جلد ۳۰ صفحہ ۴۸۱

(۴) تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۳۰۸

(۵) تہذیب الکمال جلد ۳ صفحہ ۳۸

(۶) خطیب جلد ۱۳ صفحہ ۴۷۱ تدوین حدیث صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷

(۷) دیکھئے تہذیب الکمال جلد ۳ صفحہ ۴۸۳

امام شافعی رحمہ اللہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امت مسلمہ کے ان عظیم محسنوں میں سے ہیں جن کی محنت و برومندی کے پھل سے آج تک امت فائدہ اٹھارہی ہے، سادات یمن کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہونے والے امام بچپن ہی میں شفقت پدری سے محروم ہوگئے تھے، یمن سے والدہ مکہ مکرمہ لے آئیں، یہاں تعلیم کا آغاز کیا، یتیم اور معاشی حالت کے اعتبار سے کمزور گھرانے کا بچہ تعلیمی اخراجات کہاں سے لاتا، وہ خود فرماتے ہیں:

> ”میں اپنی والدہ کی پرورش میں یتیمی کی زندگی گزار رہا تھا، والدہ کے پاس میرے معلّم کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا، میں نے معلّم کو اس بات پر راضی کرلیا تھا کہ ان کی عدم موجودگی میں، میں بچوں کی نگرانی کروں گا۔“ (۱)

لکھنے کے لئے ان کو کاغذ میسر نہیں تھا، ایک تھیلا پاس رکھا تھا، صاف قسم کی ہڈی تلاش کرتے اور اس پر لکھتے، جب وہ پر ہوجاتی تو اس کو تھیلے میں محفوظ کرلیتے، رات کو روشنی کے لئے چراغ کا انتظام ان کی طاقت سے باہر تھا، سرکاری دیوان چلے جاتے اور وہاں کی روشنی میں لکھتے۔ (۲)

عربی ادب سیکھنے کے لئے وہ بیس سال تک عرب کی بستیوں میں چکر کاٹتے رہے۔ (۳) تاآنکہ وہ اشعار و لغت کے علاوہ انساب عرب میں بھی امامت کا درجہ پاگئے۔

انسابِ رجال کا علم تو اکثر کو ہوتا ہے، ایک بار ان کے پاس کچھ لوگ انساب نساء (عورتوں کے نسب نامے) پوچھنے بیٹھ گئے، امام سرِ رات جو تفصیل میں لگے تو صبح تک بیان کرتے رہے۔ (۴)

اللہ جل شانہ نے ان کو علم کی غیر معمولی محبت نصیب فرمائی تھی، ان سے پوچھا گیا

"علم کے ساتھ آپ کی محبت کیسی ہے؟" فرمانے لگے "جب کوئی نئی بات کان میں پڑتی ہے تو میرے جسم کا ہر ہر عضو اس کے سننے سے محظوظ ہوا چاہتا ہے" پھر دریافت کیا گیا "علم کے لئے آپ کی حرص کتنی ہے؟" فرمانے لگے "سخت بخیل آدمی کو جتنی مال کی حرص ہوتی ہے" پوچھا گیا "علم کی طلب میں آپ کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟" فرمایا "گمشدہ اکلوتے بیٹے کی ماں کی اپنے بیٹے کی طلب میں جو کیفیت ہوتی ہے۔" (۵)

فرماتے تھے "جو قرآن سیکھے گا اس کی قیمت بڑھے گی، جو فقہ میں کلام کرے گا اس کی قدر میں اضافہ ہوگا، جو حدیث لکھے گا اس کی دلیل مضبوط ہوگی، جو ادب و لغت کو مشغلہ بنائے گا اس کی طبیعت میں رقت پیدا ہوگی، جو حساب میں مصروف ہوگا اس کی رائے میں پختگی آئے گی اور جو اپنے نفس کی حفاظت نہیں کرے گا اس کا علم اس کو فائدہ نہیں دے گا۔" (۶)

کھانا کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے، ایک بار سیر ہو کر کھایا تو قے کردی، فرماتے تھے:

"پیٹ بھر کر کھانے سے بدن بوجھل ہو جاتا ہے، دل ثقیل رہتا ہے، نشاط و ذکاوت ختم ہو جاتی ہے اور نیند آنے لگتی ہے۔ (۷)

رات نظام الاوقات کی پابند تھی، تین حصے کردیئے تھے، اول حصہ میں لکھتے، دوسرے حصے میں نماز اور تیسرے میں آرام کرنے کا معمول تھا۔ (۸)

رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن شریف ختم کرنے کا معمول تھا۔ (۹) لایعنی اور بے فائدہ کاموں میں وقت کے ضیاع سے بچنے کی بڑی تاکید کرتے، فرماتے: غیر مفید کاموں سے بچنے میں دل پر نور چھایا رہتا ہے، خلوت اور لوگوں سے الگ رہنے کی ترغیب دیتے کہ وقت ضائع نہ ہو، کم کھانے کی تاکید کرتے کہ زیادہ کھانے سے نیند کا غلبہ ہونے لگتا ہے، سفہاء اور احمقوں کی صحبت سے بڑی سختی سے منع کرتے تھے۔ (۱۰)

فرماتے تھے: عالم کو ہر قسم کے مسائل پوچھنے چاہئیں کہ پوچھنے سے جو مسائل معلوم ہیں ان میں پختگی اور جو نہیں معلوم ان کا علم حاصل ہوگا۔ (۱۱) تواضع اور شہرت کی ناپسندگی کا یہ عالم تھا کہ فرماتے:

"میری خواہش ہے کہ لوگ میری کتابوں سے نفع اٹھائیں لیکن

انہیں میری طرف منسوب نہ کریں۔" (۱۳)

آخری بار جب بیمار ہوئے، مزنی کہتے ہیں، میں نے خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا "طبیعت کیسی ہے؟" فرمانے لگے، "میں اپنے بھائیوں کو الوداع کہنے والا ہوں اور دنیا سے سفر کے لئے پابہ رکاب ہوکر اپنی بداعمالیوں سے ملنے والا ہوں، معلوم نہیں میری روح کا ٹھکانہ جنت ہوگا کہ اس کو تہنیت پیش کروں یا جہنم ہوگا کہ اس کی تعزیت کروں" پھر رونے لگے اور یہ اشعار پڑھے، ذرا آپ بھی پڑھئے کہ کس دل سے نکلے ہیں اور دریائے رحمت میں کیسا تلاطم برپا کیا ہوگا ؎

وَلَمَّا قَسَا قَلْبِیْ وَضَاقَتْ مَذَاهِبِیْ
جَعَلْتُ رَجَائِیْ دُوْنَ عَفْوِكَ سُلَّمًا
تَعَاظَمَنِیْ ذَنْبِیْ فلما قَرَنْتُهُ
بِعَفْوِكَ رَبِّیْ كَانَ عَفْوُكَ أَعْظَمَا
فَإِنْ تَنْتَقِمْ مِنِّیْ فَلَسْتُ بِآیِسٍ
وَلَوْ دَخَلَتْ نَفْسِیْ بِجُرْمِیْ جَهَنَّمَا
وَإِنِّیْ لَآتِیْ الذَّنْبَ أَعْرِفُ قَدْرَهُ
وَأَعْلَمُهُ أَنَّ اللّٰهَ یَغْفُرُ تَرَحُّمَا

① جب میرا دل سخت اور میری راہیں تنگ ہوگئیں تو میں نے امید کو آپ کے عفو و درگزر کا زینہ بنایا۔

② مجھے میرے گناہ بڑے معلوم ہوئے لیکن میرے رب! جب آپ کے عفو و درگزر سے میں نے ان کا تقابل کرایا تو آپ کا عفو ان کے مقابلہ میں بڑا معلوم ہوا۔

③ اگر آپ مجھے میرے گناہوں کا بدلہ دیں تو بھی آپ کی رحمت سے میں مایوس نہیں ہوں اگرچہ میں اپنے گناہوں کے سبب جہنم کا سزاوار ہوں۔

④ میں اپنے گناہوں کی مقدار سے بخوبی واقف ہوں لیکن میں یہ

بھی جانتا ہوں کہ اللہ مغفرت اور رحم والے ہیں۔ (۱۳)

(۱) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۰ صفحہ ۱۱
(۲) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۰ صفحہ ۱۱
(۳) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۰ صفحہ ۱۲
(۴) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۰ صفحہ ۴۷
(۵) توالی التاسیس صفحہ ۱۰۵
(۶) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۴
(۷) تہذیب الاسماء واللغات جلد ۱ صفحہ ۵۴
(۸) حلیۃ الاولیاء جلد ۹ صفحہ ۱۳۵
(۹) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۰ صفحہ ۳۶
(۱۰) تہذیب الاسماء واللغات جلد ۱ صفحہ ۵۵
(۱۱) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۰ صفحہ ۴۱
(۱۲) حلیۃ الاولیاء جلد ۹ صفحہ ۱۱۸
(۱۳) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۰ صفحہ ۷۶

عبید بن یعیش رحمہ اللہ تعالیٰ

عبید بن یعیش جلیل القدر محدث، بخاری اور مسلم کے شیخ ہیں، علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ تیس سال تک ان کو ان کی بہن رات کا کھانا کھلاتی رہی اور خود یہ کھانے کے دوران لکھنے میں مصروف رہتے۔ (۱)

۲۲۹ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عام آدمی کو اس طرح کے واقعات بڑے عجیب اور اچنبھے لگتے ہیں اور انہیں مبالغہ پر محمول کرتے ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ جل شانہ جب کسی کو وقت کی قدر و قیمت کا احساس عطا فرما دیتے ہیں اور طلب علم کی لذت سے اس کو نواز دیتے ہیں تو ایسے شخص کی زندگی کے معمولات، اس کے اوقات گذارنے کے مشغلے، اس کی سوچ اور اس کی فکر ایک عام سطح زندگی کے انسان سے بالکل مختلف ہوتی ہے ان بزرگوں کے جو علمی کارنامے اور تصنیفی شہ پارے اس وقت موجود ہیں وہ خود اس بات کی واضح دلیل فراہم کرتے ہیں کہ واقعی انہوں نے زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر کی ہے اور اوقات کو معمولات کی غیر معمولی پابندی سے گذارا ہے۔

---

(۱) دیکھئے سیر اعلام النبلاء جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۸

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ

حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی یحییٰ بن معین کے نام سے بخوبی واقف ہے، ابن معین اسمائے رجال کے زبردست عالم اور حدیث کے بے مثال محدث ہیں ۱۵۵ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، ابھی عمر عزیز کا دسواں سال تھا کہ حدیث لکھنا شروع کیا۔ (۱) یہ وہ زمانہ تھا جس میں عالم اسلام کا چپہ چپہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی صداؤں سے گونجتا تھا۔

احادیث کے بیش بہا اور لافانی ذخیرہ کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو مقصود تھی اور اس حفاظت کے لئے جن خوش نصیب رجال سے کام لینا تھا اللہ نے ان میں قدرتی اور فطری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی طلب کا وہ جذبۂ تازہ پیدا فرمادیا تھا کہ جس نے ان کے سامنے پہاڑ و دریا اور دشت و صحرا کی تمام وسعتیں سمیٹ کے رکھ دی تھیں، ابن معین، حدیث کے انہیں درخشندہ ستاروں میں سے ہیں۔

والد سے ترکہ میں ایک لاکھ درہم ملے وہ سب کے سب علم حدیث کی طلب میں صرف کئے۔ (۲)

راہِ علم میں محنت اور جدوجہد کا یہ عالم کہ وہ خود فرماتے ہیں میں نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ احادیث لکھیں اور ایک حدیث جب تک پچاس مرتبہ نہیں لکھتا اطمینان نہیں ہوتا۔ (۳)

عشق است و ہزار بدگمانی!

ایک مرتبہ شیخ محمد بن الفضل سے حدیث سننے گئے، انہوں نے احادیث زبانی سنانی شروع کیں، ابن معین شیخ سے کہنے لگے، "اگر کتاب سے دیکھ کر سنائیں تو زیادہ بہتر ہو،"

شیخ کتاب اٹھانے گھر جانے لگے تو ابن معین ان سے چمٹ کر کہنے لگے، "سردست مجھے زبانی ہی املا کرادیں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ سے ملاقات ہی پھر نہ ہو کہ کیا اعتبار گردش لیل و نہار کا، چنانچہ شیخ نے پہلے وہ حدیث انہیں زبانی املا کروائی اور اس کے بعد گھر سے کتاب لاکر دوبارہ سنائی۔ (۴)

یہ درحقیقت علم حدیث کے ساتھ وہ عشق تھا جس نے کتاب کے لئے آنے جانے کی مختصر سی مدت میں استاذ کی جدائی کا خطرہ محسوس کیا کہ کیا معلوم پھر ملاقات ہوگی بھی کہ نہیں ۔

عشق است و ہزار بد گمانی

۲۳۳ھ میں ابن معین حج کرنے گئے، حج کرنے جاتے تو یہ عادت تھی کہ مدینہ منورہ سے جاتے اور اسی راستہ سے لوٹ آتے، حسب عادت حج سے قبل مدینہ منورہ گئے، بیمار ہوئے اور حج سے پہلے ہی مدینہ منورہ میں انتقال فرماگئے آخری آرام گاہ جنت البقیع کے اس گہوارۂ علم و ہنر میں نصیب ہوئی جس کے ذرے ذرے میں شمس و قمر خوابیدہ ہیں۔ (۵)

(۱) دیکھئے سیر اعلام النبلاء جلد ۱۱ صفحہ ۷٦، ۷۷

(۲) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۱ صفحہ ۷۷

(۳) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۱ صفحہ ۸۵

(۴) دیکھئے شمائل ترمذی، باب ماجاء فی لباس رسول اللہ صفحہ ۵

(۵) دیکھئے سیر اعلام النبلاء جلد ۱۱ صفحہ ۸۴

علامہ جاحظ

جاحظ معتزلی تھے اور معتزلہ کے ایک مستقل دبستان فکر کے بانی تھے۔ (۱) ان کا دین و عقیدہ تو مشکوک رہا، مشکوک رہے گا، لیکن ان کے ادبی کارناموں پر ادب عربی نے کبھی شک نہیں کیا۔

جاحظ کی "البیان و التبیین" کی متنوع اور اپنے اندر دلچسپیوں کا ہزار سامان رکھنے والی عبارتوں کا چمن آج بھی آباد اور زندہ ہے، جاحظ اپنی ذات میں مختلف صفات و اخلاق کی ایک انجمن تھے۔

نام ان کا عمرو بن محبوب ہے، جاحظ عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں کے ڈھیلے ابلے ہوئے ہوں، چونکہ ان کی آنکھوں کی بناوٹ میں پیدائشی نقص تھا اس لئے ان کا نام "الجاحظ" پڑگیا۔ (۲)

رنگ و صورت سے اچھے نہ تھے، خلیفہ متوکل نے انہیں اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کرنا چاہا لیکن ان کی صورت دیکھ فیصلہ واپس لیا۔ (۳)

کچھ ان کی اس طرح کی صورت پھرادبی ذوق و ملکہ اور اس پر مزید ظریفانہ طبیعت کے امتزاج نے انہیں ایک دلچسپ مسخرہ بنادیا تھا، اس طرح یہ محفلوں کی زندگی بنتے رہے اور زندگی سے خشکی دور کرتے رہے، طبیعت کی اس نیرنگی کے کئی دلچسپ واقعات ہیں، ایک دو آپ بھی سنتے چلئے۔

خود تو شکل وصورت کا یہ حال تھا لیکن بایں ہمہ ان کی ظرافت دوسروں پر جملے کسنے سے باز نہ رہتی، دوسروں کو شرمندہ کرتے اور خود شرمندگی اٹھانے میں تو کوئی باک نہ تھا۔

ایک بار کوئی سیاہ فام بدصورت عورت آئی، جاحظ نے اس کی پھبتی اڑاتے ہوئے

قرآن کی یہ آیت پڑھی: "وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ" (جب وحشی جانور جمع کئے جائیں گے۔)...... تو عورت کہنے لگی: "وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَنَسِيَ خَلْقَهُ" (ہمارے لئے مثالیں بیان کررہا ہے اور خود اپنی خلقت بھول بیٹھا ہے۔)[1]

ایک دن کوئی عورت آکر ان سے کہنے لگی، "آپ میرے ساتھ بازار چلیں، میرا ایک مسئلہ ہے جو صرف آپ ہی سے حل ہوسکتا ہے،" یہ ساتھ چلنے لگے، عورت سنار کی دکان پر پہنچی اور انہیں آگے بڑھاتے ہوئے سنار سے کہا "اِس طرح" یہ کہتے ہی عورت دکان سے نکل کر غائب ہوگئی۔

جاحظ پریشان ہوئے کہ خدایا میرے ذریعہ سے حل ہونے والا یہ کیسا مسئلہ تھا جو میرے بارے میں صرف "اس طرح" کہنے سے حل ہوگیا، دوکاندار سے اصرار کرکے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا تھا؟ وہ کہنے لگا "دراصل اس عورت نے مجھے شیطان کی تصویر بنانے کے لئے کہا تھا میں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ شیطان کی کوئی شکل دکھاؤ تو اس طرح تصویر بنا کے دوں، اب یہ آپ کو لائی کہ شیطان کی وہ تصویر "اِس طرح" بنادیں۔"

---

[1] کچھ اس طرح کا واقعہ علامہ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں صاحب منیۃ الالمعی احمد بن علی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ احمد بن علی بھی شکل و صورت سے کریہ المنظر تھے، ایک مرتبہ کسی بازار سے گزر رہے تھے کہ کسی خوبصورت ظریف الطبع عورت نے ہوس بھری نگاہ ان پر ڈالی اور پھر کنکھیوں سے اشارہ کرکے چل پڑی، احمد بھی عورت کے تعاقب میں چل دیا، وہ جب اپنے گھر داخل ہونے لگی تو ہاتھ کے اشارے سے احمد کو اندر بلایا، یہ گئے، عورت اپنی چاند سی بچی کو بلاکر اس سے کہنے لگی:

"اگر آئندہ تونے بستر پر پیشاب کیا تو میں ان بڑے میاں کو گھر چھوڑ دوں گی یہ تجھے کھا جائے گا۔"

اپنی بچی کو ڈرانے کے لئے احمد کو اپنے گھر لانے والی عورت پھر احمد کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگی: "اللہ ہمارے بڑے میاں کا فضل بڑھائے رکھیں اور ان کی عزت قائم و دائم رکھیں" عورت سے اپنے حق میں یہ طنزیہ دعائیہ جملے سننے کے بعد احمد اجنبی عورت کے گھر میں جتنی غلط فہمی یا خوش فہمی سے داخل ہوئے تھے اتنی ہی شرمندگی سے نکلے۔ (دیکھئے بغیۃ الوعاۃ جلد ۱ صفحہ ۳۳۸)

جاحظ کی طبیعت کی اس نیرنگی نے ان کی تصانیف کو بھی رنگیں کیا، ان کی تحریر خشک سے خشک موضوع میں بھی ادب کے گل بوٹے یوں لگادیتی ہے کہ اس نظرنواز منظر سے ہٹنے کو جی نہیں کرتا اور اسی چیز نے ان کی تصانیف کو قبول عام بخشا۔

دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ، گہر ہونے تک!

لیکن بنو کنانہ کے موالی کے ایک گمنام خاندان میں پیدا ہونے والا جاحظ شہرت و ادب کی بلندیوں تک یوں نہیں پہنچا بلکہ فطرت کے عالمگیر اصول کے مطابق انہوں نے بھی محنت و مطالعہ کے وہ تمام مراحل طے کئے جو اس مقام میں قدم رکھنے کے لئے شرط اول کی حیثیت سے طے کرنے پڑتے ہیں ۔

دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ، گہر ہونے تک

چنانچہ وقت کی قدر، زندگی کی اہمیت اور مطالعہ میں محنت و شوق کا یہ عالم تھا کہ کتابوں کی دکانیں کرایہ پر لے لے کر رات رات بھر مطالعہ کرتے۔ (۴) کوئی کتاب اٹھاتے جب تک اول تا آخر ختم کر نہ ڈالتے کتاب ہاتھ سے نہیں رکھتے۔ (۵)

وقت کی قدر اور راہِ علم میں محنت و مشقّت اور جدوجہد ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے کئی مقبول تصانیف چھوڑیں، ان کی تصانیف کی تعداد دو سو ہے لیکن ایام کی گردش پیہم نے اکثر پر پردہ ڈالدیا ہے، اسّی کے لگ بھگ ان کی کتابیں مطبوعہ اور مسودات کی شکل میں اس وقت موجود ہیں۔ (۶) جن میں "البیان و التبیین" اور "کتاب الحیوان" آفاقی شہرت کی حامل ہیں، ان کی "کتاب البخلاء" تصویر کشی کا ایک نگار خانہ، عجمیوں کی ہجو اور بخل کا ایسا تجزیہ ہے جس کی مثال عربی ادب میں نہیں پائی جاتی۔

ادب عربی کے وسیع اور عمیق مطالعہ کی محنت کی بھٹی میں مشقّت اٹھانے کے بعد ان کی قدرتی صلاحیتوں کا جوہر نکھرا اور ایسا نکھرا کہ ادبِ عربی کی تاریخ ان کو ایک صاحب طرز ادیب اور ایک منفرد اہل قلم کا مقام دینے پر مجبور ہوئی۔ ان کے قلم میں سجع تو اتنا نہیں لیکن تیکھے اور جاندار اسلوب تحریر میں سلاست و روانی کا دریا زوروں پر ہے۔

زبان کیا چیز ہے؟

"زبان کیا چیز ہے؟" اس کا وصف بیان کرتے ہوئے آپ بھی جاحظ کو سنتے چلیے:

هُوَ أَدَاةٌ يُظْهِرُ بِهَا الْبَيَان، وَشَاهِدٌ يُعَبِّرُ عَنِ الضَّمِيْرِ، وَ حَاكِمٌ يَفْصِلُ الْخِطَابَ، وَنَاطِقٌ يُرَدُّ بِهِ الْجَوَابُ، وَ شَافِعٌ تُدْرَكُ بِهِ الْحَاجَةُ، وَ وَاصِفٌ تُعْرَفُ بِهِ الاشْيَاءُ، وَوَاعِظٌ يَنْهٰى عَنِ الْقَبِيْحِ، وَ مُعِزٌّ يَرُدُّ الاحْزَانَ، وَ مُعْتَذِرٌ يَدْفَعُ الضَّغِيْنَةَ، وَ زَارِعٌ يَحْرُثُ الْمَوَدَّةَ، وَحَاصِدٌ يَسْتَأْصِلُ الْعَدَوَاةَ، وَ شَاكِرٌ يَسْتَوْجِبُ الْمَزِيْدَ وَمَادِحٌ يَسْتَحِقُّ الزُّلْفَةَ، وَ مُوْنِسٌ يَذْهَبُ بِالْوَحْشَةِ(۷)

"زبان ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ اظہار بیان کیا جاتا ہے، ایک شاہد ہے جس سے مافی الضمیر کی تعبیر کی جاتی ہے، ایک حاکم ہے جو خطابت کی صفائی رکھتی ہے، ایک ناطق ہے جس کے ذریعہ جواب دیا جاتا ہے، ایک شافع ہے جس کے طفیل ضرورت پوری ہوتی ہے، زبان سے اشیاء کا تعارف کیا جاتا ہے، زبان ایک واعظ ہے جو برائی سے روکتی ہے، غموں کو دور کرکے تسلی دینے والی ہے، معذرت کرکے کینہ ختم کردیتی ہے، محبت کا بیج بوتی اور عداوت کا بیج مارتی ہے، شکر کرکے نعمت میں اضافہ کا سبب بنتی اور تعریف کرکے قرب کا استحقاق حاصل کرتی ہے، زبان ایک مونس ہے جو وحشت کو دور کرتی ہے۔"

وہ ولولے کہاں، وہ جوانی کدھر گئی!

عمر کے آخر میں بدن کا نصف حصہ مفلوج ہوگیا تھا، مبرد کہتے ہیں، میں جاحظ کے پاس ان کی زندگی کے آخری ایام میں عیادت کی غرض سے گیا، حال دریافت کیا، تو کہنے لگا،

"اس شخص کا کیا حال پوچھ رہے ہو جس کا آدھا دھڑ مفلوج ہوچکا ہے کہ اگر کوئی اس پر آرے چلائے تو احساس تک نہ ہو اور باقی نصف حصہ کا مرض میں یہ حال ہوگیا کہ مکھی بھی اس کے قریب سے گذرے تو تکلیف ہو، اور جسم کی یہ سب آفتیں اسی لئے تو آتی ہیں کہ میں عمر کے نوے سال سے تجاوز کر گیا ہوں" پھر یہ شعر پڑھے۔

أَتَرْجُوْ أَنْ تكُوْنَ وَ أَنْتَ شَيْخٌ
كَمَا قَدْ كُنْتَ أَيَّامَ الشَّبَاب
لقد كَذَبَتْكَ نَفْسُكَ لَيْسَ بِثَوْبٍ
دَرِيْسٍ كَالْجَدِيْدِ مِنَ الثِّيَاب

"کیا بڑھاپے میں بھی تو عہد شباب کی سی صحت کی امید رکھتا ہے۔
یہ اپنے آپ کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنا ہے کہ پرانا اور نیا کپڑا برابر نہیں ہوتا۔"

مارا زمانے نے اسد اللہ خان تمہیں
وہ ولولے کہاں، وہ جوانی کدھر گئی

کہاں محفلوں کی وہ بذلہ سنجیاں اور کہاں اب کہ ہل بھی نہیں سکتے!

کوچۂ جاناں میں مرگ!

لیکن مطالعہ کا محبوب مشغلہ اس حال میں بھی جاری رہا، کتابوں کے جمگھٹے میں پڑے مطالعہ کرتے رہتے کہ ایک دن آس پاس رکھی ہوئی کتابیں ان پر آگریں، مفلوج و بیمار جسم اٹھنے کی تاب کہاں سے لاتا اس طرح اپنی محبوب کتابوں ہی میں دب کر جان جانِ آفرین کے حوالہ کردی یہ محرم ۲۵۵ھ کا واقعہ ہے۔ (۸)

---

(۱) الاعلام للزرکلی جلد۵ صفحہ ۸۴، (۲) دائرۃ المعارف جلد۷ صفحہ ۱۷، (۳) الاعلام جلد۵ صفحہ ۱۷۴
(۴) فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۳۰، (۵) دائرۃ معارف اسلامیہ جلد۷ صفحہ ۲۰، (۶) دیکھئے تاریخ بغداد جلد۱۲ صفحہ ۲۱۸، (۷) تاریخ بغداد جلد۱۲ صفحہ ۱۷، (۸) قیمۃ الزمن صفحہ ۴۴

محمد بن سحنون انہماک علمی کے عالم میں

محمد بن سحنون پایہ کے محدث اور فقہ مالکی کے جلیل القدر عالم ہیں ۲۰۲ھ میں وفات پائی۔ (۱)

قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں ان کے ترجمہ کے تحت ان کے انہماک علمی کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ عشاء کے وقت "ام مدام" نامی ان کی باندی نے ان کے پاس کھانا حاضر کیا چونکہ یہ تالیف میں مشغول تھے اس لئے سردست عذر کیا، بیچاری باندی کافی دیر انتظار سے جب اکتا گئی تو از خود ہی لقمے بنا کر انہیں کھلانا شروع کیا، یہ شغل کے عالم میں کھاتے رہے، پوری رات مشغولیت کی اسی حالت میں رہے، جب صبح کی اذان ہوئی تب ہوش آیا، باندی سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "ام مدام! آج رات میں مشغول رہا، کھانا جو کچھ ہے لیتے آیئے،" باندی کہنے لگی، حضور! کھانا تو میں نے آپ کو کھلادیا تھا. کہنے لگے، "مجھے تو اس کا احساس تک نہیں ہوا۔" (۲)

---

(۱) قیمۃ الزمن صفحہ ۴۰

(۲) قیمۃ الزمن صفحہ ۴۰

امام مسلم شہید علم

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح مسلم کی شکل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا وہ عظیم ذخیرہ امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا جو صحت کے ساتھ حسن ترتیب اور موضوع کے لحاظ سے یکجا جمع احادیث کے اعتبار سے حدیث کے ذخیروں کی تمام کتب میں فائق ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور میں ۲۰۶ھ پیدا ہوئے، نیشاپور اس وقت عالم اسلام کا ایسا عظیم الشان شہر تھا کہ بغداد کے بعد اس کی نظیر نہ تھی۔ (۱)

۱۲ سال کی عمر میں سماع حدیث کی ابتدا کی، امام ذہلی، اسحاق بن راہویہ اور امام بخاری جیسے ائمہ فن سے استفادہ کیا، علم میں محنت اور جدوجہد کے بعد اللہ جل شانہ نے وہ درجہ عطا فرمایا کہ ان کے شیخ محمد بن بشار کہا کرتے تھے دنیا میں حفاظ حدیث چار ہیں اور ان چار میں امام مسلم کا نام بھی لیتے۔ (۲)

امام مسلم نے اپنی طالب علمی میں تین لاکھ احادیث کا سماع کیا اور ان تین لاکھ سے انتخاب صحیح مسلم کی شکل میں امت کے سامنے پیش کیا۔ (۳)

رات کے وقت درس حدیث کی مجلس لگی تھی کسی نے کوئی حدیث دریافت کی، لیکن عجیب اتفاق کہ وہ حدیث امام کو اس وقت مستحضر نہیں تھی، حدیث کی تلاش کے لئے گھر گئے، چراغ جلایا، اور کنج تنہائی میں اس حدیث کی تلاش شروع کی کہ حدیث کا علم ان کا شوق طلب بھی تھا اور ذوق نظر بھی! گھر والوں نے کھجوریں پیش کیں، انہماک کے عالم میں حدیث کی جستجو کے ساتھ ساتھ کھجوریں بھی کھاتے رہے، محویت و استغراق نے یہ اندازہ نہ ہونے دیا کہ کتنا کھایا، کتنا کھانا چاہئے، پوری رات تلاش و جستجو کے اسی عالم میں گزاری کہ صبح ہوگئی، ادھر وہ حدیث مل گئی ادھر وہ کھجوریں ختم ہوئیں، ظاہر ہے اتنی

کھجوریں کہاں موافق آسکتیں، بیمار ہوئے اور انتقال فرمایا۔ (۴)

اے دل! تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

(۱) طبقات الشافعیہ جلد۱ صفحہ ۱۷۳

(۲) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۵۶۴

(۳) تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۱۰۳

(۴) تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۷

ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ

نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کے لئے جذبۂ علم سے معمور عرب و عجم سے اٹھنے والے محدّثین کے قافلوں کی زندگیاں اسفار و صحرا نوردی ہی سے عبارت تھیں، علم حدیث کی طلب کا تصور سفراور بادیۂ پیمائی کے بغیر تشنہ سمجھا جاتا اور حقیقت یہ ہے کہ قرون اُولی کے یہی وہ خوش نصیب انسان تھے جنہوں نے ذخیرۂ حدیث کے اس سدا بہار چمن کی آبیاری کے لئے زندگی کی ہر آسائش اور راحت کو قربان کیا، صحرا ہو یا دریا، جنگل ہو یا پہاڑ، گرمی ہو یا سردی، اندھیرا ہو یا روشنی، کوئی چیز ان کے عزم بلند اور جذبۂ ارجمند کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی، ان کی زندگی کا آشیانہ کسی ایک شاخ کا پابند نہ تھا بلکہ ؎

کبھی صحرا، کبھی گلزار ہے مسکن میرا
شہر ویرانہ میرا، بحر میرا، بن میرا

ابوحاتم رازی اسی خوش نصیب قافلہ کے ایک فرد تھے، ابوحاتم رازی ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے، زندگی کی تمام رونقیں طلب علم کے لئے طویل اسفار کی نذر کیں، صرف رونق علم کو اپنایا اور علم نے حلقۂ شام و سحر سے نکال کر حیاتِ جاوداں کی رونق عطاء کی، فرماتے تھے جب پہلی بار میں سفر کے لئے نکلا تو مسلسل سات سال تک سفر میں رہا، یہ تمام سفر میں پیادہ پا کرتا تھا، ابتدا میں تو اس کا خیال رکھتا تھا کہ کتنے میل ہوئے، لیکن تین ہزار میل کی مسافت تک گننے کے بعد پھر گنتی شمار کرنا چھوڑ دی، بحرین سے مصر، مصر سے رملہ، دمشق، انطاکیہ، طرسوس، حمص، اور رقہ سے ہوتے ہوئے پیدل بغداد پہنچا، یہ صرف پہلے سفر کی بات ہے (۱) کہ ؎

مل ہی جائے گی کبھی منزلِ لیلیٰ اقبال
کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر

وہ اپنے ایک سفر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم چند رفقاء، مدینہ منورہ سے نکل کر دریا سے سفر کرنے لگے، موسم کی خرابی کی وجہ سے تین ماہ تک ہمیں دریا ہی میں رہنا پڑا، پاس جو کچھ زاد راہ تھا، ختم ہوگیا، آخر جب خشکی پر پہنچ کر ساحل سے روانہ ہوئے تو تین دن تک چلتے رہے، اس عرصہ میں قطعاً نہ کچھ کھایا، نہ پیا، چلتے چلتے ایک رفیق بیہوش ہوکر گر پڑے، ہم نے ان کو بہت جھنجوڑا، ہلایا، تاہم ان میں کسی قسم کی حرکت محسوس نہ ہوئی، چار ونا چار ان کو چھوڑ کر آگے بڑھے، تقریباً ایک فرسخ چلنے کے بعد میں بھی بیہوش ہوکر گر پڑا، ہمارے تیسرے ساتھی میں ابھی چلنے کی کچھ سکت تھی، وہ آگے چلے، دور سے سمندر میں ان کو جہاز نظر آیا، رومال ہلا کر جہاز والوں کو متوجہ کیا، وہ آئے، ان کو پانی پلایا، انہوں نے ہماری خبرگیری کا کہا، وہ مجھ تک پہنچے، پانی کے چھینٹے منہ پر دیئے گئے، کچھ ہوش بجا ہوئے، پانی پینے کے بعد زندگی کی کچھ رمق محسوس ہوئی تو میں نے تیسرے رفیق کی طرف ان کو متوجہ کیا، ان کے پاس کچھ لوگ گئے، ہمیں ہاتھ سے پکڑ کر جہاز کے پاس لے آئے، تینوں رفیقوں کو جمع کرکے ہمارے ساتھ بڑے احسان کا معاملہ کیا اور زادِ راہ دے کر رخصت کیا۔'' (۲)

اے رہرو فرزانہ رستے میں اگر تیرے
گلشن ہے تو شبنم ہو، صحرا ہے تو طوفان ہو
سامان کی محبت میں مضمر ہے تن آسانی
مقصد ہے اگر منزل، غارت گر سامان ہو

صحیح احادیث پہچاننے کی روحانی قوت

اس بادیہ پیمائی کے نتیجہ میں اللہ جل شانہ نے علم حدیث میں انہیں وہ عظیم رتبہ عطا فرمایا کہ ایک دن کوئی شخص لکھی ہوئی احادیث کا کوئی مسودہ ان کے پاس لے آئے، ان سے تصحیح کے لئے کہا، دیکھ کر غلط احادیث کی نشاندہی کی، آنے والے نے کہا، "کوئی دلیل ہے یا بس اپنی طرف سے غلط صحیح کا فیصلہ کردیا" فرمانے لگے "دلیل تو کوئی نہیں، بس اتنی بات جانتا ہوں کہ جو احادیث صحیح نہ تھیں، ان کی غلطی کی نشان دہی کردی" کہا "تو کیا، غیب کا دعوی ہے؟ فرمایا "نہیں" کہا "پھر دلیل کیا ہے؟" فرمانے لگے "صحیح غلط احادیث کی ٹھیک پرکھ رکھنے والے کسی دوسرے محدث سے معلوم کرلو، جن احادیث کو میں نے غیر صحیح قرار دیا اگر اس کا بھی وہی فیصلہ ہوا تو سمجھ لو کہ بات ٹھیک ہے" چنانچہ وہ شخص حافظ ابوزرعہ کے پاس گئے، ان احادیث کے بارے میں ابوزرعہ کا بھی ٹھیک وہی فیصلہ ہوا جو ابوحاتم نے کیا تھا، وہ آدمی بڑی حیرت سے آکر پوچھنے لگے "یہ کیا قصہ ہے؟" ابوحاتم نے فرمایا اب تو آپ کو معلوم ہوا ہی ہوگا کہ حدیث کے سلسلے کے یہ فیصلے ہم محض اٹکل پچو سے نہیں کرتے، یہ اس علم کی بنیاد پر کرتے ہیں جو اللہ جل شانہ نے ہمیں عطا کیا ہے، اس کو یوں سمجھئے کہ آپ کسی ماہر سنار کو کھرے کھوٹے دینار دکھادیں، وہ پرکھ کر یکدم فیصلہ کردے گا، اگر آپ اس سے اس کے فیصلہ پر کوئی دلیل طلب کریں گے تو وہ دلیل سے بہر حال عاجز ہوگا۔ (۳)

فرماتے تھے، طالب علمی کے دوران میں ایک سال بصرہ رہا، خرچ ختم ہوا، کپڑے بیچے، لیکن تابکے! ہم دو رفیق تھے، صبح حدیث سننے نکلتے تو شام واپس ہوتے، دو دن فاقوں میں گزارے، تیسری صبح حسب معمولِ رفیق درس جانے کے لئے آئے، میں نے کہا، مجھ میں تو جانے کی تاب نہیں، صورتحال بتائی، ساتھی نے کہا، میرے پاس ایک دینار ہے، نصف آپ لے لیں، چنانچہ وہ لے کر کچھ سامانِ زندگی کیا۔ (۴)

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

حافظ ابوزرعہ نے ان سے ایک مرتبہ کہا:

مَارَأَیْتُ أَحْرَصَ عَلٰی طَلَبِ الْحَدِیْثِ مِنْكَ

"میں نے آپ سے زیادہ طلب حدیث کا کوئی حریص نہیں دیکھا۔"

فرمانے لگے: "میرا بیٹا مجھ سے زیادہ حریص علم ہے(۵)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۵۶۷

(۲) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۸

(۳) دیکھئے سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۴

(۴) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۶، ۲۵۸

(۵) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ صفحہ ۲۵

عبدالرحمان بن ابی حاتم

ابوحاتم رازی کے صاحبزادے عبدالرحمٰن، جرح و تعدیل کے امام ہیں، فرماتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ والد کھانا کھارہے ہیں اور میں ان سے پڑھ رہا ہوں، وہ راستہ چل رہے ہیں، میں ان سے پڑھ رہا ہوں، وہ حاجت کے لئے خلا میں داخل ہورہے ہیں میں ان سے پڑھ رہا ہوں۔ (۱)

فرماتے تھے، ہم مصر میں طالب علمی کے زمانے میں ایک مرتبہ سات ماہ رہے، دن پورا کا پورا شیوخ احادیث کی مجلسوں میں تقسیم تھا، دن کو پڑھتے اور رات کو لکھتے تھے، ایک دن میں اور میرا رفیق ایک شیخ کی مجلس میں بروقت پہنچے، معلوم ہوا آج شیخ علیل ہیں، چونکہ اب دوسری مجلس درس میں کچھ وقت تھا، اتنے میں ایک مچھلی خرید کر ابھی گھر پہنچے ہی تھے کہ اگلی مجلس حدیث کا وقت ہوگیا، مچھلی چھوڑ کر مجلس میں حاضر ہوئے، تین دن گذر گئے لیکن اس کے پکانے کا موقع نہیں ملا، اب پکانے کے لئے فرصت کہاں سے لاتے اس لئے بن بھونے وہ مچھلی ہم نے کچی کھالی، یہ واقعہ سنا کر فرمانے لگے: لَا يُستَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ (۲) "جسم کی راحت کے ساتھ کبھی علم حاصل نہیں ہوسکتا۔"

جنت میں محل........!

فرماتے تھے، ایک بار ایک دوست کی کچھ رقم میرے پاس آگئی، وہ کہنے لگے، اس سے اپنے ہاں میرے لئے ایک مکان خریدو، تاکہ جب آپ کے ہاں آؤں تو وہاں رہائش ہو، میں نے پوری رقم فقراء میں تقسیم کرکے ان کو لکھ بھیجا کہ آپ کے لئے گھر کیا معنی، جنت میں ایک محل خرید لیا ہے، انہوں نے جواب دیا "بہت اچھا، البتہ دلوانے کی ذمہ

داری آپ کی ہے" میں نے حامی بھرلی، سویا تو خواب میں دیکھا، فرمایا جارہا ہے "ہم آپ کو ذمہ داری سے عہد برا کر دیں گے لیکن آئندہ ایسی ذمہ داری مت قبول کرنا۔" (۳)

(۱) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۱

(۲) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۶

(۳) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۷

~ قلم

امام ثعلب رحمہ اللہ تعالیٰ

نام ان کا احمد بن یسار ہے، لیکن مشہور ثعلب سے ہیں، نحو و لغت کے امام ہیں ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ (۱) کتاب سے محبت نہیں عشق تھا، مطالعہ دل و دماغ نہیں، زندگی کی غذا بن گیا تھا، دعوت کے لئے جب کوئی بلاتا تو قبول کرنے میں یہ شرط ٹھہراتے کہ دعوت میں مطالعہ کے لئے جگہ کا اہتمام ہونا چاہیئے۔ (۲)

نحو اور ادب و لغت میں مہارت کیا، امامت کا درجہ پانے کے باوجود حدیث و فقہ میں مہارت کی انہیں حسرت رہتی تھیں، ایک دن ابوبکر بن مجاہد سے کہنے لگے، "ابوبکر! لوگوں نے قرآن کی طرف توجہ دی کامیاب ہوئے، کسی نے حدیث کا مشغلہ اختیار کیا فلاح پائی، کوئی فقہ کی جانب متوجہ ہوا اور فقیہ بن کے رہا، افسوس میں نحو کے زید و عمر میں مشغول رہا معلوم نہیں میرا کیا بنے گا؟" ابوبکر کہتے ہیں، میں اس دن جب سویا تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا فرمارہے ہیں۔ "ثعلب کو سلام کہنا اور کہنا کہ تم ایک مفید علم کے حامل ہو۔" (۳)

معانی القرآن، غریب القرآن، اختلاف النحویین، وغیرہ کے نام سے کئی مفید کتابیں تصنیف کیں۔ مطالعہ میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ ایک دن راہ چلتے مطالعہ میں مصروف تھے، سامنے سے گھوڑا آرہا تھا، مطالعہ کی مشغولیت نے اس کا احساس نہ ہونے دیا اور گھوڑے نے انہیں کھڈ میں گرا ڈالا، بیہوش ہوئے، گھر لائے گئے تو زندگی کی رہی سہی رمق بھی جاتی رہی۔ (۴)

کیسے کیسے لوگ تھے کہ پنہاں ہوگئے

(۱) بغیۃ الوعاۃ جلد۱ صفحہ ۳۹۶، (۲) قیمۃ الزمن عند العلماء صفحہ ۴۱، (۳) بغیۃ الوعاۃ جلد۱ صفحہ ۳۹۷، (۴) وفیات الاعیان جلد۱ صفحہ ۱۰۴

ابن جریر رحمہ اللہ

ابن جریر کے نام سے کون واقف نہیں، تفسیر کے امام، حدیث کے شیخ اور تاریخ کے عظیم مؤرخ ہیں، ان کی شہرۂ آفاق تفسیر اور تاریخ آج بھی مفسرین اور مؤرخین کا مرجع و مصدر ہیں۔

زندگی نظام الاوقات کی پابند تھی، ہر کام کا وقت مقرر تھا، عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ تول تول کر خرچ کرتے تھے۔

کنوز الاجداد کے مصنف نے علامہ ابن جریر کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ابن جریر نے زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع ہونے نہیں دیا۔ (۱)

تحصیل علم کے لئے عالم اسلام کے چپہ چپہ گھومے، طالب علمی میں غربت اور مفلسی کا ایک ایسا وقت بھی آیا کہ تن کے کپڑے بیچ کر گذر اوقات کیا۔ (۲)

ایک دن شاگردوں سے فرمانے لگے، "قرآن کی تفسیر لکھوں تو تم پڑھو گے؟" شاگردوں نے کہا کتنی بڑی تفسیر ہوگی؟ فرمانے لگے "تیس ہزار اوراق پر مشتمل ہوگی،" شاگرد کہنے لگے، حضرت! اتنی لمبی تفسیر پڑھنے کے لئے عمر خضر کہاں سے لائیں گے؟ پھر تین ہزار اوراق پر مشتمل تفسیر لکھی اور سات سال تک اپنے شاگردوں کو املا کراتے رہے جو تیس جلدوں میں شائع ہوگئی ہے۔

تاریخ کے موضوع پر بھی اتنی مقدار لکھنے کا مشورہ کیا، شاگردوں نے کہا اتنی طویل تاریخ پڑھنے کی کون ہمت کرے گا؟ پھر مختصر کر کے "تاریخ الامم و الملوك" کے نام سے تاریخ عالم لکھی جو اکیس اجزا میں شائع ہوگئی ہے۔ (۳)

ابن جریر کے فنا ہونے پر کس کو شک ہے لیکن ان کے زندہ تصنیفی کارناموں سے ان کی بقا میں بھی شک کی گنجائش نہیں۔

حصول علم کے شوق کا یہ عالم تھا کہ عین وفات کے وقت کسی نے کوئی دعا سنائی تو قلم دوات منگوا کر اس سے لکھوانا چاہا، حاضرین میں سے کسی نے کہا، "حضور! کیا اس حال میں؟" فرمانے لگے "انسان کو چاہئے کہ مرتے دم تک علم حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ (۴)

جب اس عظیم مؤرخ اور مفسر کا شوال ۳۱۰ھ میں انتقال ہوا تو بالوں کی سفیدی میں سیاہی نے ابھی اپنا عہد ختم نہیں کیا تھا، مخلوقِ خدا کا ایک سمندر تھا جو انہیں آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لئے جمع ہو گیا تھا اور مہینوں دن رات ان کی قبر پر لوگ آ آ کر جنازہ کی نماز ادا کرتے رہے۔ (۵)

وفات کے بعد جب شاگردوں نے ان کی تصانیف کی یومیہ رفتار کا حساب لگایا تو چودہ ورق یومیہ کے حساب سے ان کی تالیف کی رفتار رہی۔ (۶)

اس طرح زندگی میں آپ نے تین لاکھ اٹھاون ہزار اوراق لکھے۔ (۷)

---

(۱) قیمۃ الزمن عند العلماء صفحہ ۴۴

(۲) تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳

(۳) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۶۳

(۴) قیمۃ الزمن صفحہ ۴۴ بحوالہ کنوز الاجداد صفحہ ۱۲۳

(۵) تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۲۱۵

(۶) تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۶۳

(۷) قیمۃ الزمن صفحہ ۴۳

ابن الانباری رحمہ اللہ

ان کا نام محمد بن قاسم ہے "ابن الانباری" سے مشہور ہیں ۲۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۸ھ کو عید کی رات وفات پائی۔

حافظہ بلا کا پایا تھا اندازہ اس سے لگایئے کہ الفاظ قرآن کے استشہاد میں عرب کے تین لاکھ اشعار حفظ تھے، ایک سو بیس تفاسیر سندوں کے ساتھ یاد کی تھیں۔ (۱)

علامہ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ (جلد۱ صفحہ۲۱۲) میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک دن بیمار ہوئے تو ان کے والد بڑے پریشان ہوئے لوگوں نے تسلی دینا چاہی، کتابوں سے بھری الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے "میں اس بیٹے کی بیماری پر پریشان کیوں نہ ہوں جس کو یہ سب کتابیں حفظ ہیں۔"

لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (جلد۳ صفحہ۱۸۲) میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دن بازار میں راہ چلتی باندی پر ان کی نظر پڑی، باندی کا حسن قلب و جگر پر چھا گیا، خلیفہ راضی ان کا بہت خیال کرتے، انہیں بتایا، خلیفہ نے وہ باندی خرید کر لادی، گھر لا کر خود مطالعہ میں ابھی لگے ہی تھے کہ اپنے غلام سے کہا کہ "اس باندی کو نکال دو" غلام نے باندی کو رخصت کرنا چاہا وہ کہنے لگی "ذرا ٹھہرو میں ان سے ایک دو باتیں کرنا چاہتی ہوں" آکر ان سے پوچھنے لگی "آپ مجھے میرا قصور بتائے بغیر نکال رہے ہیں لوگ کیا گمان کریں گے؟ آخر میری غلطی تو بتائیں" کہنے لگے "تمہاری غلطی یہی ہے کہ تم نے علم کی طرف میرے دل کی توجہ میں خلل ڈال دیا ہے" باندی نے کہا یہ تو کوئی مسئلہ نہیں، خلیفہ راضی کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو کہنے لگے:

لَا یَنْبَغِیْ أَن یَّکُوْنَ الْعِلْمُ فِیْ قَلْبِ أَحَدٍ أَحْلٰی مِنْهُ فِیْ صَدْرِ هٰذَا الرَّجُلِ

”علم کی حلاوت جتنی اس آدمی کے دل میں ہے شاید ہی کسی کے دل میں اتنی ہو۔“

تو رہِ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہوتو محمل نہ کر قبول

خلیفہ راضی کی کسی باندی نے ان سے اپنے کسی خواب کی تعبیر پوچھی چونکہ اس چیز کا کوئی خاص علم نہیں رکھتے تھے اس لئے فی الوقت بہانہ کر کے گئے اور خوابوں کی تعبیر کے متعلق کرمانی کی پوری کتاب ایک دن میں حفظ کی، پھر آکر تعبیر بتادی۔ (۲)

تصانیف!

”غریب الحدیث“ نامی ایک کتاب لکھی، اس کتاب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ۴۵ ہزار اوراق پر پھیلی ہوئی ہے ایک ایک ہزار اوراق پر مشتمل شرح الکافی اور الھاآت کے نام سے دو کتابیں اور لکھیں اس کے علاوہ دیگر تصانیف بھی ہیں۔ (۳)

بخل پر اجماع!

گھر بار سے فارغ تھے، اہل و عیال نہ تھے، تھے بڑے بخیل، ایک بار کوئی آدمی آیا اور ان سے کہنے لگا، لوگوں نے ایک بات پر اجماع کیا ہے آپ مجھے ایک درہم دے دیں تاکہ وہ اجماع ختم ہو، کہنے لگے ”وہ اجماع ہے کس چیز پر“؟ آنے والے نے کہا ”آپ کے بخیل ہونے پر“ سن کر ہنسنے لگے لیکن ایک درہم پھر بھی نہیں دیا۔ (۴)

---

(۱) بغیۃ الوعاۃ للسیوطی جلد ۱ صفحہ ۲۱۳، (۲) بغیۃ الوعاۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۳

(۳) مقدمہ سعایہ صفحہ ۲۶، (۴) بغیۃ الوعاۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۴

حاکم شہید کی خاموش ملاقاتیں

محمد بن احمد مروزی چوتھی صدی کے حنفی عالم ہیں، ساٹھ ہزار احادیث کے حافظ، حاکم شہید وزیر تھے لیکن تصنیف و مطالعہ اور درس و تدریس کا چسکا بھی لگا تھا۔

عہدۂ وزارت کی ذمہ داریوں اور مسند تصنیف کی باریکیوں سے بیک وقت سبک سیر گزر جانا کوئی آسان بات نہ تھی، اول الذکر کے لئے مخلوق خداق کے ازدحام سے چارہ نہیں اور مؤخر الذکر کے لئے خاموش فضا اور تفکر کا سماں ضروری ہے۔

حاکم شہید نے وقت کو نظام کا پابند کر کے اس مشکل کو حل کرنے کا سامان کیا۔

لیکن وزارت کے پاس وقت نا وقت ملاقاتیوں کا سلسلہ بھی اتنا ہی قدیم ہے جتنا یہ عہدہ! حاکم شہید بے وقت ملنے والوں سے نمٹنے کے لئے "خاموش ملاقات" کے حسن تدبیر سے نمٹتے، اس طرح کہ اگر مطالعہ و تصنیف کے وقت کوئی آہی جاتا تو احترام سے اس کو بٹھا کر خود یکسوئی کے ساتھ تصنیف میں مشغول ہوجاتے، آنے والا اس "خاموش ملاقات" کا لطف زیادہ دیر نہ اٹھا سکتا اور حیرت و ندامت کے ملے جلے جذبات لے کر رخصت ہوجاتا۔

ابو العباس حموی کے ساتھ بھی یہی ہوا جس کی وہ شکایت کر کے کہتے تھے کہ ہم ان کی ملاقات کرنے گئے اور وہ ہمیں تنہا بٹھا کر خود تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ (۱)

وہ ہر کام اپنے وقت میں کرنے کے سختی سے پابند اور ایک کام کے وقت دوسرے کام کے لئے گنجائش کے سختی سے مخالف تھے۔

امیر محترم! آپ واپس تشریف لے چلیں!

ان کا یہ اصول "مروّت" نامی کسی شے سے مات نہیں کھاتا تھا اور یہی راز تھا ان کی

کامیابی کا، عشاء کے وقت جمعہ کے دن درس میں ایک مرتبہ امیر ابوبکر کسی کام سے آپہنچے، اپنی جگہ ہی پر کھڑے ہو کر ان سے کہنے لگے، "امیر محترم! آپ واپس تشریف لے چلیں آج سرکاری تعطیل ہے۔" (۲)

بظاہر یہ بے مروتی سی ہے لیکن تصنیف و مطالعہ اور درس و تدریس کا شوق رکھنے والے ایسے عالم کے لئے جن کے پاس عہدۂ وزارت بھی ہو اپنے شوق کی تکمیل اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب وہ اس قسم کی بے مروتی کا ارتکاب کرتا رہے۔ ۳۳۴ھ میں آپ شہید کئے گئے۔ (۳)

(۱) الانساب للسمعانی جلد ۳ صفحہ ۲۴۹

(۲) قیمۃ الزمن صفحہ ۳۶

(۳) فوائد بہیۃ صفحہ ۱۸۶

عاشق علم ابن سینا

دنیائے اسلام کے شہرۂ آفاق سائنس دان! حسین بن علی جو "ابن سینا" سے مشہور ہیں، صفر ۳۷۰ھ اگست ۹۸۰ء کو بخارا کے قریب "خرشین" (خرمیطا) نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ (۱)

دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا، حساب، ادب، کلام اور فقہ کا مطالعہ کیا، پڑھنے کے دوران وہ صرف اساتذہ کی تحقیق پر بس نہ کرتے، شوق طلب نے براہ راست فلسفہ و طب کا مطالعہ ان سے کروایا، علاج معالجے کے سلسلے میں ان کا ذوق جستجو تجربوں اور مشاہدوں کی مدد سے معلومات بڑھاتا رہا۔ (۲)

اٹھارہ سال کی عمر تک وہ دن رات پڑھنے میں مشغول رہے، وہ محنت و مطالعہ کے عالم میں پوری رات کبھی نہیں سوئے، کتب بینی رات کا مشغلہ تھا، نیند آتی تو کچھ پی کر دور کرتے۔ (۳) کوئی کتاب ہاتھ لگ جاتی تو صرف پڑھنے کی نہیں پڑھ کر سمجھنے کی عادت تھی، مابعد الطبیعیات پر ایک کتاب چالیس بار پڑھی، پوری کتاب حفظ ہوگئی، پر سمجھ میں نہ آئی، لیکن ہمت تھی کہ ہارتی کہاں! ۔

مل گیا ذوق طلب کو اک جہاں جستجو
اور ہمت بڑھ گئی ہے سعی لا حاصل کے بعد

کسی نے اس موضوع پر فارابی کی کتاب خرید نے کا مشورہ دیا، خریدی، پڑھی، موضوع سمجھ میں آگیا تو علم کے اس عاشق نے اس مسرت میں سجدۂ شکر ادا کیا اور صدقہ خیرات کیا۔ (۴)

کہتے تھے: "جب کسی مسئلہ میں مجھے تردد ہوتا تو جامع مسجد جاکر صلوۃ حاجت پڑھتا، رب کے حضور گڑگڑا کر دعا کرتا تب کہیں جاکر عقدہ کشائی ہوتی" ۔ (۵)

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز
کھلتے ہوئے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں
معلوم ہوا عقدہ کشا بھی ہے کوئی چیز

"جاگنے میں جو سوچے خوابوں میں وہ دیکھے" کا تجربہ ہمہ گیر ہے، کہتے ہیں کہ ابن سینا نے کئی مسئلے خوابوں میں حل کئے وہ نیند میں بھی مسائل میں الجھے رہتے۔ (۶)

مطالعہ کے اِس شوق، محنت کے اِس جذبہ اور انہماک و مگن کی اس کیفیت کا نتیجہ تھا کہ ابن سینا نے درجنوں کتابیں لکھیں، ان کی "الحاصل والمحصول" بیس جلدوں میں "الانصاف" بیس جلدوں میں "الشفاء" اٹھارہ جلدوں میں، "لسان العرب" دس جلدوں میں اور اس طرح دیگر کئی تصانیف کا ذخیرہ کئی کئی جلدوں میں ہے۔

"القانون" لکھی، کیا مشرق کیا مغرب، طب کی پوری دنیا اس کی خوشہ چین و زلہ ربا رہی، برسوں نہیں صدیوں اس پر چھائی رہی، طب کے شعبوں میں اس کے بعض حصے اب بھی داخل نصاب ہیں، اس کا کچھ حصہ "حمیات القانون" درس نظامی میں بھی داخل نصاب تھا۔

جو صدیوں اصولِ طب کے نظام پر حکمراں رہا جب مقامی حاکم علاء الدین کے ساتھ "ہمدان" روانہ ہوا تو وہی مرض جس کا زندگی بھر دوسروں کا علاج کرتا رہا خود معالج کی زندگی پر حملہ آور ہوا، انسان کے دل میں چبھتے ہوئے موت کے کانٹے سے بچنے کی تدبیر نہ آج تک کارگر ہوئی ہے نہ ہوگی، اسی مرض میں ۴ رمضان ۴۲۸ھ کو وفات ہوئی۔ (۷)

فلسفہ و سائنس ایک مدت تک ان کے عقیدہ پر حملہ آور رہا اور کیوں نہ رہتا کہ عقل ہے محدود اور اس کی جستجو محدود تر ۔

جب خرد کی راہ سے ہم ان کو نکلے ڈھونڈنے
منزلِ ایقان سے وہم و گمان تک آگئے

لیکن آخر میں توبہ کی توفیق ہوئی، حافظ ابن حجرؒ نے "لسان المیزان" میں ان کے وہ

اشعار نقل کئے ہیں جن میں ان کی توبہ کا ذکر ہے ۔

نَعُوْذُبِكَ اَللّٰهُمَّ مِنْ شَرِّ فِتْنَةٍ
تَطُوْقُ مَنْ حَلَّتْ بِهٖ عَيْشَةً ضَنْكاً
رَجَعْنَا إِلَيْكَ الْآنَ فَاقْبَلْ رُجُوْعَنَا
وَ قَلِّبْ قُلُوْبًا طَالَ إِعْرَاضُهَا عَنْكَا

(۸)

(۱) دائرہ معارف اسلامیہ جلد۱ صفحہ ۵۶۰
(۲) الاعلام للزرکلی جلد۲ صفحہ ۲۴۲
(۳) دائرہ معارف اسلامیہ جلد۱ صفحہ ۵۶۱
(۴) دائرہ معارف اسلامیہ جلد۱ صفحہ ۱
(۵) لسان المیزان جلد۲ صفحہ ۲۹۲
(٦) دائرۂ معارف اسلامیہ جلد۱ صفحہ ۵۶۱
(۷) الاعلام للزرکلی جلد۲ صفحہ ۲۴۲
(۸) لسان المیزان جلد۲ صفحہ ۲۹۳

امام الحرمین

جس شخص کی تربیت میں والدین نے اتنی احتیاط کی ہو کہ جن کی والدہ ایک مرتبہ کسی کام میں مصروف تھیں، بچے تھے، رورہے تھے، پڑوس کی باندی نے روتے دیکھ کر چھاتی دی، والد نے دیکھ لیا، حلق میں انگلی ڈال کر یہ کہتے ہوئے دودھ کے تمام قطرے اگلوادیئے کہ یہ باندی ہماری نہیں اور اس کے آقا نے ہمیں اس دودھ کی اجازت نہیں دی اس لئے اس میں شبہ ہے ...... (۱) شبہات کے اس درجہ کی گرد سے بھی پاک تربیت کی آغوش میں پلنے اور بڑھنے والے گمنام عبدالملک کو "امام الحرمین" کے نام سے دنیا نے جانا اور پہچانا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

كَانَ إِمَامَ الائِمَّة عَلٰى الاطْلاَقِ مُجْمَعًا عَلٰى إِمَامَتِهِ شَرْقًا وَ غَرْبًا (۲)

"امام الحرمین امام الایمہ ہیں، ان کی امامت پر مشرق و مغرب یکساں متفق ہیں۔"

چار سال مکہ اور مدینہ میں رہنے کی وجہ سے "امام الحرمین" کے نام سے مشہور ہوئے، حجاز سے لوٹ کر اپنے وطن نیشاپور آئے تو وزیر نظام الملک نے ان کے لئے ایک عظیم الشان مدرسہ "مدرسہ نظامیہ" کے نام سے بنایا، وہی مدرسہ جو امام غزالی جیسے یکتائے روز گار کی مادر علمی رہا، امام الحرمین تیس سال یہاں پڑھاتے رہے۔ (۳) رات دن تحصیل علم میں لگے رہتے، علم ومطالعہ کے لئے ان کے ہاں رات دن کی کوئی قید نہیں تھی، فرماتے تھے:

"میں نہ عادتاً سوتا ہوں، نہ عادتاً کھاتا ہوں جس وقت نیند کا غلبہ

ہوجائے، سوجاتا ہوں، چاہے رات ہو یا دن، جب بھی بھوک لگ جائے تو کھالیتا ہوں، وقت کی کوئی قید نہیں۔" (۴)

علامہ تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں:

وَ كَانَ لَذَّتُهٗ وَ لَهْوُهٗ وَ نُزْهَتُهٗ مُذَاكِرَةَ الْعِلْمِ وَ طَلَبَ الْفَائِدَةِ مِنْ أَيِّ نَوْعٍ كَانَ (۵)

"کسی بھی قسم کے علمی فائدہ کی طلب اور علمی مذاکرہ ہی ان کی لذت و تفریح اور مشغلہ تھا۔"

چار دانگ عالم میں امام مان لئے جانے کے بعد بھی جب کہ عمر عزیز کی پچاس بہاریں دیکھ چکے تھے، ان کی طلب کے جذبہ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ علی بن فضالہ مجاشعی ان کے علاقہ میں آئے تو ان کو اپنے گھر لا کر ان کی تصنیف "اکسیر الذہب فی صناعۃ الادب" ان سے پڑھتے رہے، مجاشعی کہتے ہیں:

مَارَأَيْتُ عَاشِقاً لِلْعِلْمِ مِنْ أَيِّ نَوْعٍ كَانَ مِثْلَ هٰذَا الامَامِ فَإِنَّهٗ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِلْعِلْمِ (٦)

"امام الحرمین جیسا عاشق علم میں نے نہیں دیکھا وہ علم کو علم ہی کے لئے طلب کرتے ہیں۔"

۴۷۸ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو شاگردوں نے اپنے قلم و دوات توڑ دیئے، سر سے رومال ہٹادیئے، شہر میں ایک سال تک دیوانہ وار گھومتے رہے، نوحہ خوانی کرتے چیختے اور چلاتے تھے۔ؔ وفات پر بڑے پر درد مرثئے کہے گئے، ایک مرثیہ کے دو شعر آپ بھی پڑھئے ۔

قُلُوْبُ الْعَالَمِيْنَ عَلٰى الْمَعَالِيْ
أَيَّامُ الْوَرٰى شِبْهُ اللَّيَالِيْ

لہ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۸ صفحہ ۴۷۶۔ اگرچہ علامہ ذہبی نے یہ بھی لکھدیا ہے کہ "ھٰذا من زی الاعاجم لا من العلماء المتبعین" یہ عجمیوں کی جاہلانہ رسم ہے، علماء متبعین کی روش نہیں)

أَيُثْمِرُ غُصْنُ أَهْلِ الْفَضْلِ يَوْمًا
وَقَدْ مَاتَ الامَامُ أَبُوالْمَعَالِيْ

(۷)

(۱) طبقات کبری جلد ۳ صفحہ ۲۵۱
(۲) سیر أعلام النبلاء جلد ۱۸ صفحہ ۴۶۹
(۳) الاعلام للزرکلی جلد ۴ صفحہ ۱۶۰
(۴) طبقات کبری جلد ۳ صفحہ ۲۵۶
(۵) طبقات کبری جلد ۳ صفحہ ۲۵۶
(۶) طبقات کبری جلد ۳ صفحہ ۲۵۷
(۷) طبقات کبری جلد ۳ صفحہ ۲۵۸

ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسیؒ

(متوفی ۵۰۷ھ)

محمد بن طاہر مقدسیؒ پانچویں صدی کے مشہور محدث اور بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں، تحصیل علم کے زمانے میں ان کی مشقتوں کے عجیب و غریب واقعات ہیں۔ فرماتے تھے، علم حدیث کی طلب کے لئے میں کبھی کسی سواری پر سوار ہوکر نہیں گیا ہوں اور نہ ہی کسی سے کچھ مانگا، کتابیں اٹھا کر میں ہمیشہ پیدل ہی سفر کرتا، کئی بار شدید گرمی میں ننگے پاؤں چلنے کی وجہ سے مجھے پیشاب میں خون کی شکایت ہونے لگی تھی۔ (۱) لکھا ہے دن رات وہ طلب علم کی خاطر ساٹھ میل سفر کرتے تھے، خوب کہا ہے کسی نے ۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

آپ نے اپنے ہاتھ سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سات سات مرتبہ او[ر] سنن ابن ماجہ دس مرتبہ لکھی، علم حدیث کی طلب کے بے تاب جذبے کا ذکر کر[تے] ہوئے وہ خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو اسحاق حبال سے میں حدیث شریف کے کس[ی] خاص جزء کا درس لے رہا تھا، اتنے میں میرے شہر کے ایک آدمی نے آکر میرے کان م[یں] کہا "شام پر تاتاریوں، نے حملہ کیا ہے، آپ کا بھائی بچ کر نکل آیا ہے اور آپ سے [ملنا] چاہتا ہے" میں نے درس جاری رکھا اور حدیث پڑھنے لگا لیکن اب میری زبان [میں] جھنجھلاہٹ پیدا ہونے لگی۔ استاذ یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے، "آدمی نے آکر کیا اطلاع د[ی] ہے؟" میں نے بتایا، تو پوچھنے لگے، "کتنا عرصہ ہوا بھائی سے ملاقات نہیں کی" عرض [کیا] کئی سال ہوگئے، استاذ نے کہا، "تو بھائی سے ملنے کیوں نہیں جاتے" عرض کیا، حدیث کا جزء مکمل کو لوں تب جاؤں گا، ابو اسحاق نے یہ سن کر کہا:

مَا أَعْظَمَ حِرْصَكُمْ يَا أَصْحَابَ الْحَدِيْثِ (۲)

"علم کی طلب میں تم کتنے زیادہ حریص ہو اے حدیث والو!"

فرماتے تھے، ایک مرتبہ "تنیس" میں طالب علمی کے زمانے میں مقیم تھا، میری معاشی حالت بڑی نازک ہوگئی، صرف ایک درہم میرے پاس بچ رہا، جب کہ مجھے روٹی اور کاغذ دونوں کی ضرورت تھی، میں اس تردد میں رہا کہ اس ایک درہم سے کیا خریدوں؟ اگر کھانا خریدوں تو کاغذ کے لئے کچھ نہیں بچتا، اور اگر کاغذ خریدنے میں خرچ کروں تو روٹی کے لئے کچھ نہیں رہتا، تردد کے اس عالم میں تین دن گزر گئے، چوتھے دن میری بھوک اتنی شدت اختیار کر گئی کہ اگر اب میں کاغذ خرید بھی لیتا تو بھوک کی شدت کی وجہ سے میری لئے کچھ لکھنا ممکن نہ تھا، اس لئے میں نے وہ درہم منہ میں رکھا اور کہیں سے کھانا خریدنے نکل پڑا، قدرت کے کرشمے دیکھئے کہ وہ درہم میں نے نگل لیا اور مجھے بے اختیار ہنسی آگئی، ابو طاہر بن خطاب نے مجھے ہنستے ہوئے دیکھا تو پوچھنے لگے "کیوں ہنس رہے ہو؟" میں نے بات ٹال دی، انہوں نے اصرار کیا حتیٰ کہ طلاق کا حلف اٹھایا کہ آپ ہنسی کی وجہ بتائیں گے، میں نے تفصیل بتلائی، صورتحال سے آگاہ ہوکر انہوں نے میرے لئے مستقل طعام کا انتظام کیا۔ (۳)

ایک طرف انہوں نے علم حدیث کی تحصیل کے لئے اتنی قربانیاں دیں اور اس راہ میں اتنی مشقتیں اٹھائیں، دوسری طرف طبع بو قلموں کا مزاجِ عاشقانہ دیکھئے کہ کسی بستی میں ایک عورت کے عشق کی آفت میں مبتلا ہوگئے، ہمدان سے اس بستی کا فاصلہ ۱۸ میل تھا، روزانہ ہمدان سے اس بستی میں جاتے اور یوں محبوبہ کو ایک نظر دیکھنے کے لئے روزانہ ۳۶ میل کا پیادہ سفر طے کرتے۔ (۴) ؎

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی

(۱) دیکھئے تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۴۳، (۲) ترجمہ مؤلف کتاب الجمع بین رجال بین الصحیحین جلد ۲ صفحہ ۴۳۳
(۳) ترجمہ مؤلف کتاب الجمع بین الصحیحین صفحہ ۳۳۶، (۴) ترجمہ مؤلف کتاب الجمع بین الصحیحین صفحہ ۶۳۸

ابن عقیل رحمہ اللہ

ابن عقیل چھٹی صدی کے مشہور عالم اور حنابلہ کے ائمہ میں سے ہیں، اللہ جل شانہ نے ان کو وقت کی قدر و قیمت کا احساس اور علم و مطالعہ کا غیر معمولی شوق عطافرمایا تھا، خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

"میں نے زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا، یہاں تک کہ جب علمی بحث کرتے کرتے میری زبان تھک جائے اور مطالعہ کرتے کرتے آنکھیں جواب دینے لگیں تو میں لیٹ کر مسائل سوچنے لگ جاتا ہوں۔ بیس سال کی عمر میں علم کے شوق کا جو جذبہ میرے اندر تھا یہ جذبہ اس وقت کچھ زیادہ ہی ہے جب کہ اب میں اسی ۸۰ کے پیٹے میں ہوں۔ میں مقدور بھر کوشش کرتا ہوں کہ کھانے میں کم سے کم وقت لگے بلکہ اکثر اوقات تو روٹی کے بجائے چورہ کو پانی میں بھگو کر استعمال کرتا ہوں کیونکہ دونوں کے درمیان وقت صرف ہونے کے لحاظ سے کافی تفاوت ہے، روٹی کھانے اور چبانے میں کافی وقت لگ جاتا ہے جب کہ ثانی الذکر کے استعمال سے مطالعہ وغیرہ کے لئے نسبتاً کافی وقت نکل آتا ہے۔" (۱)

ایک اور جگہ ایک وزیر کے نام خط میں لکھتے ہیں:

"علماء و عقلاء سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی سب سے اہم پونجی جس کو بچا بچا کے استعمال کرنا چاہئے وقت ہے، لمحات زندگی فراہم کرنے والا وقت درحقیقت بڑی غنیمت ہے اس لئے

اس کو بچا بچا کے رکھنا چاہئے کہ انسان کے ذمہ کام بہت ہیں جب
کہ وقت اچک کر بہت جلد غائب ہونے والی چیز ہے۔" (۲)

دنیا کی سب سے بڑی کتاب!

یہ وقت کی قدر دانی ہی کا نتیجہ تھا کہ ابن عقیل نے ابن الجوزی کے بیان کے مطابق کئی مختلف فنون میں کتابیں لکھیں۔ ان کی سب سے بڑی تصنیف "الفنون" ہے، اس میں وعظ و نصیحت، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، اصول دین، نحو، شعر، تاریخ، حکایات، مناظرے، . . ' .... دل کے خیالات و واردات، سب کچھ ہے، یہ کتاب آٹھ سو جلدوں میں تھی، کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اس سے بڑی کتاب نہیں لکھی گئی۔ (۳) شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے "قیمۃ الزمن" میں لکھا ہے کہ اس کتاب کا ایک حصہ دارالمشرق بیروت نے ۱۹۷۰ء میں دو جلدوں میں شائع کیا، اس کے شروع میں وہ لکھتے ہیں:

> "اما بعد! اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لئے سب سے بہترین مصروفیت جس میں انسان اپنا نفس مشغول رکھے اور اپنا وقت گزارے وہ علم کی طلب ہے، .... علم انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر شریعت کی روشنی تک پہنچاتا ہے، اس لئے میں علم کی طلب میں اپنا وقت گزارتا اور اپنے آپ کو مشغول رکھتا ہوں کہ کیا بعید اس کے ذریعہ میری وہاں رسائی ہو جائے جہاں مجھ سے پہلے گزرنے والے لوگ پہنچے ہیں۔" (۴)

اس عظیم مصنف کا جب انتقال ہوا تو بدن کے کپڑوں اور علم کی کتابوں کے سوا ترکہ میں کچھ اور مال و متاع نہ تھا، .... بقول انیس مرحوم ؎

امید نہیں جینے کی یہاں صبح سے تا شام
ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لب بام
یاں کام کرو ایسا جو آئے وہاں کام
آجائے خدا جانے کب موت کا پیغام

اپنی کوئی ملک نہ املاک سمجھنا
ہونا ہے تمہیں خاک یہ سب خاک سمجھنا

(۱) ذیل طبقات حنابلہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۵، ۱۴۶

(۲) ذیل طبقات حنابلہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۹

(۳) المنتظم لابن الجوزی جلد ۹ صفحہ ۹۲

(۴) قیمۃ الزمن صفحہ ۵۵

فتح بن خاقان رحمہ اللہ تعالیٰ

فتح بن خاقان خلیفہ متوکل کے وزیر خاص تھے، متوکل نے ان کو اپنا بھائی بنایا تھا اور ان کو اپنی اولاد سے مقدم رکھتے تھے۔ (۱)

تاہم شاہی دربار کے جلوے ان کے مطالعہ کی آنکھ کو خیرہ نہ کرسکے۔

مطالعہ کے لئے کوئی نہ کوئی کتاب ہمیشہ ان کے پاس رہتی جب کسی ضرورت سے متوکل کی مجلس سے اٹھتے تو راستہ چلتے ہوئے مطالعہ شروع کرتے تاکہ آمد و رفت کا یہ وقت ضائع نہ ہو، اسی طرح جب متوکل مجلس سے اٹھتے تو فتح بن خاقان فوراً کتاب نکال کر مصروفِ مطالعہ ہوجاتے، یہاں تک کہ بیت الخلاء میں بھی مطالعہ کرتے۔ (۲)

کتابوں کے ساتھ انہیں زبردست عشق تھا، ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا، ابن ندیم نے لکھا ہے کہ ذخیرۂ کتب میں اس کتب خانہ کی کوئی دوسری نظیر نہ تھی۔ (۳)

(۱) دیکھئے الاعلام للزرکلی جلد۵ صفحہ ۱۳۳

(۲) فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۳۰

(۳) فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۳۰

علامہ زمخشری رحمہ اللہ

علم کی وسعت، طبیعت کی جودت اور قدرتی ذہن و ذکاوت کے حامل علامہ زمخشری خوارزم کی چھوٹی سی بستی "زمخشر" میں پیدا ہوئے، بہت سی شخصیات تاریخی مقامات کی وجہ سے مشہور ہوتی ہیں......... لیکن گمنام "زمخشر" نے زمخشری سے تاریخی بقا پائی۔

زمخشری مذہبی لحاظ سے صرف معتزلی نہیں، کٹر معتزلی تھے، لیکن تفسیر، حدیث اور لغت وادب میں ان کا درجہ مُسلّم ہے۔ (۱)

تفاسیر میں ان کی تفسیر "الکشاف" لغوی نقطۂ نگاہ سے ایک شان رکھتی ہے، ان کی قرآن فہمی کے بارے میں اہل علم میں تو یہ جملہ خاصا مشہور ہے ؎

مَافَهِمَ الْقُرْآن إلاَّ الاعْرَجَانِ
أَحَدُ هُمَا مِنْ زَمَخْشَرَ والْآخَرُ مِنْ جُرْجَانُ

زمخشری جوان ہوئے، تو طلب علم کے ولولوں نے انہیں آفاق کے اسفار میں گم کیا، بغداد اور نیشاپور کے درمیان ایک مدت تک گشت کرنے کے بعد مکہ مکرمہ جاکر بیت اللہ شریف کے پڑوس میں رہنے لگے اور اپنا لقب "جار اللہ" (اللہ کا پڑوسی) رکھا اور اسی لقب سے مشہور ہوئے، یہیں سے ان کی شہرت کی تندجولاں اٹھی اور چار دانگ عالم میں ان کی تصانیف عام ہوئیں۔ (۲)

وہ دن میں علم کے طلب گار اور راتوں کو مطالعہ کے لئے بیدار رہتے، علم و مطالعہ ان کا صرف مشغلہ نہیں بلکہ ایک محبوب غذا بن گیا تھا۔

کس قدر لذت کشودِ عقدۂ مشکل میں ہے!

محنت کی برق گرتی ہے تو نخل علم ہرا ہوتا ہے، علامہ زمخشری نے محنت کی تو تصانیف

کا ایک باغ کا باغ مہکتا چھوڑ گئے۔

وہ علم کے ساتھ اپنی محبت، مطالعہ کے ساتھ اپنے شوق، تصنیف کے ساتھ اپنے ذوق، کتابوں میں بیٹھے ہوئے اپنی لذت اور مسائل کے حل کے وقت اپنے لطف و مسرت کو اشعار میں بیان کرکے کہتے ہیں ۔

سَهْرِیْ لِتَنْقِیْحِ الْعُلُوْمِ أَلَذُّ لِیْ
مِنْ وَصْلِ غَانِیَةٍ وَ طِیْبِ عِنَاق

"علم و مطالعہ کے لئے میرا راتوں کو جاگنا خوب صورت دوشیزہ کے وصل و ملاقات سے مجھے زیادہ لذیذ ہے۔"

وَ تَمَایُلِیْ طَرَبًا لَحَلِّ عَوِیْصَةٍ
أَشْهٰی وَأَحْلٰی مِنْ مُدَامَةِ ساق

"اور کسی مشکل مسئلہ کے حل ہوتے وقت میرا جھومنا مجھے ساقی کے جام شراب سے زیادہ محبوب ہے۔"

وَصَرِیْرُ أَقْلَامِیْ عَلٰی أَوْرَاقِهَا
أَحْلٰی مِنَ الدَّوْکَاءِ وَ الْعِشَاق

"کاغذ کے اوراق پر میرے قلم چلنے کی آواز مجھے عشق و محبت سے زیادہ پسند ہے۔"

وَأَلَذ مِنْ نَقْرِ الْفَتَاةِ لِدَفِّهَا
نَقْرِیْ لاأَلْقِیَ اَلرَّمْلَ · عَنْ أَوْرَاقِیْ

"نوخیز لڑکی کے دف بجانے کی کھنک سے مجھے اپنی کتابوں کے اوراق سے غبار جھاڑنے کی آواز زیادہ خوب صورت لگتی ہے۔"

أَبِیْتُ سَهَرَانَ اَلدُّجٰی وَ تَبِیْتُهٗ
نَوْمًا وَتَبْغِی بَعْدَ ذٰلِكَ لِحَاقِیْ

(۳)

"میں گھٹا ٹوپ تاریکیوں والی راتوں میں جاگتا رہوں اور تو آرام
سے سوتا رہے کیا اس کے باوجود بھی تو (علمی مرتبہ میں) مجھ تک
پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے؟"

علامہ زمخشری کا انتقال ۵۸۳ھ میں خوارزم میں ہوا، انتقال کے وقت وصیت کی کہ میری لوح تربت پر یہ اشعار لکھے جائیں۔

يَا مَن يَّرٰى عُرُوْقَ نِيَا طِهَا فِىْ نَحْرِهَا
وَ الْمُخَّ فِىْ تِلْكَ الْعِظَامِ النَّحِل
اِغْفِرْ لِعَبْدٍ تَابَ مِنْ فَرَطَاتِهِ
مَا كَانَ مَعَهٗ فِى الزَّمَانِ الاوَّل

(۴)

(۱) بغیۃ الوعاۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۹

(۲) مقدمۃ الفائق صفحہ ۶

(۳) مقدمۃ الفائق صفحہ ۸، ۹

(۴) مقدمۃ الفائق صفحہ ۸، ۹

فلسفیٔ اسلام ابن رشد

اس سرزمین کا سب سے بڑا عرب فلسفی جس کی تاریخ سے مسلمانوں کی عظمت رفتہ وابستہ ہے، جہاں سے بڑے بڑے غواص معانی اٹھے اور جسے خطاب کرکے شاعر مشرق نے کہا تھا ۔

ہسپانیہ! تو خونِ مسلماں کا امین ہے
مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشان ہیں
خاموش اذانیں ہیں تیری باد سحر میں

ابن رشد اسی اندلس کے عظیم شہر قرطبہ میں ۵۲۰ھ کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم بڑی محنت سے حاصل کی، مطالعہ کے غیر معمولی شوق اور محنت کے جذبۂ بیتاب نے علم و فلسفہ کی بلندیوں تک پہنچایا اور یوں وہ حلقۂ شام و سحر سے نکل کر جاوداں ہوئے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "تہافت الفلاسفہ" لکھ کر فلسفہ کے خیالی طلسم پر جو تاریخی کاری ضرب لگائی، ایک صدی تک دبستانِ فلسفہ کی جانب سے کوئی اس کا جواب نہ لکھ سکا، یہ ابن رشد ہی تھے جنہوں نے فلسفہ کی پر جوش وکالت کرتے ہوئے "تہافت التہافت" کے نام سے اس کا جواب لکھا، مغربی علماء کا خیال ہے کہ اگر ابن رشد فلسفہ کی حمایت کے لئے نہ کھڑے ہوتے تو فلسفہ غزالی کے حملوں سے نیم جان ہوچکا تھا، ابن رشد کی حمایت نے اس کو سو برس تک کے لئے پھر زندگی عطا کردی۔ (۱) یہ ابن رشد کی غیر معمولی محنت اور وسیع مطالعہ کا نتیجہ تھا کہ ۔

نادان! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
اسباب ہنر کے لئے لازم ہے تگ و دو

ابن رشد اشبیلیہ کے قاضی اور قرطبہ کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، اس عہدے کی گرانبار مصروفیتوں کے باوجود یہ ان کے نظام الاوقات اور وقت کی اہمیت اور قدر کا نتیجہ تھا کہ یہی زمانہ ہے کہ انہوں نے اس میں اپنی اہم تصانیف مرتب کیں اگرچہ زمانہ کی خورد برد نے ان کی تصانیف کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کی اکثر تصانیف ضائع ہوگئیں تاہم ان کی "بدایۃ المجتہد" جیسی چند کتابیں بچ گئیں ہیں۔ (۲)

عمر کے آخر میں دار و رسن کی بڑی مشقتیں اٹھائیں اور ۵۹۵ھ میں علم کے شیدائی یہ عظیم فلسفی وہاں گئے، جہاں نہ چمن فریاد بلبل پر روتا ہے اور نہ اس جہاں کی طرح وہاں درد دل ہوتا ہے۔

(۱) تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۱ صفحہ ۱۴۵

(۲) دیکھئے دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۵۲۳، ۵۲۷

ابن جوزی رحمہ اللہ

"مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ زور سے ہنسا ہوں، مجھے یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا، سات سال کی ابھی عمر تھی کہ میں جامع مسجد کے سامنے میدان میں چلا جایا کرتا تھا، وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑے ہوکر تماشہ دیکھنے کے بجائے محدث کے درس حدیث میں شریک ہوتا، وہ حدیث کی سیرت کی جوبات کہتا وہ مجھے زبانی یاد ہوجاتی، گھر آکر اس کو لکھ لیتا، دوسرے لڑکے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے اور میں کسی کتاب کے اوراق لے کر کسی طرف نکل جاتا اور الگ تھلک بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہوجاتا، میں اساتذہ اور شیوخ کے حلقوں میں حاضری دینے میں اس قدر جلدی کرتا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس پھولنے لگتی تھی، صبح اور شام اس طرح گزرتی کہ کھانے کا کوئی انتظام نہ ہوتا۔" (۱)

اپنے بچپن کی ابتدائی تعلیم کا حال سنانے والے ابن جوزی کو محنت و جفاکشی کی عادت ابتدا سے پڑی، مطالعہ کا ذوق کیا، دھن لگی، پھر بغداد نے کتب خانوں کے سدا بہار چمن کی سیر کا موقع فراہم کیا، اس چمن کی سیر میں ہزاروں کارواں کی چمک اور ان کے آثارِ رفتہ کی مہک نے ان کی شخصیت کو علم کا شوق، محنت کا جذبہ، مطالعہ کا ولولہ اور ہمت کی بلندی جیسے تعمیری عناصر عطا کئے اور ہر عہد ساز شخصیت کی طرح ان کو بھی زمانہ اور اہل زمانہ کی عام سطح پست معلوم ہونے لگی، پس انہوں نے اپنے دور کے عالم رنگ و بو کی چند کلیوں پر قناعت نہیں کی بلکہ علاج تنگیٔ داماں کے لئے اس گلشن کی کلی کلی کو ٹٹولنا شروع کیا اس طرح وہ تاریخ کے قافلہ میں اپنا نام اور اپنے زمانہ میں نئی زندگی اور نئی صبح و

شام پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

چنانچہ ایک طرف وہ خطابت کی ولولہ انگیزیوں سے نہیں انقلاب انگیزیوں سے زمانہ کے درد کا درماں کئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور دوسری جانب تصنیف و تالیف کی "خاموش انجمن" کی مسند شاہی پر چراغاں کئے ہوئے نظر آتے ہیں، جہاں ان کے وعظ و خطابت کی ایک ایک مجلس میں ایک لاکھ آدمی مؤرخین نے شمار کئے (۲) وہاں ان کے سوانح نگاروں نے یہ بھی لکھا کہ ان کے اشہب قلم کی جولانیاں کسی ایک میدان تک محدود نہیں، تفسیر، تاریخ، تصوف سے لے کر نقد و آپ بیتی جیسے مختلف فنون میں ان کا قلم یکساں رواں دواں ہے، حافظ ابن رجب نے ذیل طبقات حنابلہ (جلد ۱ صفحہ ۴۱۲، ۴۱۳) میں لکھا ہے کہ ابن جوزی کی تصنیف سے کوئی فن خالی نہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ (جلد ۴ صفحہ ۴۱۵) میں ان کی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں آکر یہ اعلان بھی کردیا کہ "میرے علم میں ایسا کوئی عالم نہیں گذرا جس نے اس شخص جتنی تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا ہو۔"

سو وہ ان بلندیوں تک پہنچے لیکن پہلے عوامل فطرت کے وہ تمام زینے عبور کئے جن کے بغیر وہاں رسائی کا تصور خیال است و محال است و جنون! کہ ؎

ہوتا ہے مگر محنت پرواز سے روشن
یہ نکتہ کہ زمین سے گردوں دور نہیں ہے

اور وہ فطری عوامل کیا ہیں، آیئے انہی کی زبانی سنتے ہیں!

طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ!

"میں اپنا حال عرض کرتا ہوں میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے کسی طرح سیر نہیں ہوتی، جب کوئی نئی کتاب نظر پڑجاتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا، اگر میں کہوں کہ میں نے طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا۔ مجھے ان کتابوں کے مطالعہ سے سلف کے حالات

و اخلاق، ان کی عالی ہمتی، قوتِ حافظہ، ذوقِ عبادت اور علوم نادرہ کا ایسا اندازہ ہوا جو ان کتابوں کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنے زمانے کے لوگوں کی سطح پست معلوم ہونے لگی اور اس وقت کے طلبہ علم کی کم ہمتی منکشف ہو گئی۔" (۳)

"میں نے مدرسۂ نظامیہ کے پورے کتب خانہ کا مطالعہ کیا، جس میں چھ ہزار کتابیں ہیں، اسی طرح (بغداد کے مشہور کتب خانے) کتب الحنفیہ، کتب الحمیدی، کتب عبدالوہاب، کتب ابی محمد وغیرہ جتنے کتب خانے میری دسترس میں تھے سب کا مطالعہ کر ڈالا۔" (۳)

وقت اور زندگی کی قدر و قیمت کے احساس کا ذکر کرتے ہوئے وہ اپنا حال سناتے ہیں۔

"وقت انسان کا قیمتی سرمایہ ہے، اچھے اور صلح کاموں میں وقت کا صرف کرنا کوئی ایسا معاملہ نہیں جس کے ثبوت کے لئے دلائل پیش کئے جائیں، اس لئے مجھے لوگوں کا بے فائدہ میل جول بالکل پسند نہیں اب اگر لوگوں سے بالکل الگ تھلگ رہوں تو بھی مناسب نہیں کہ اس سے انس و محبت کا تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے اور اگر ان سے لایعنی ملاقاتوں کا سلسلہ قائم رکھوں تو اس میں وقت کا ضیاع اور نقصان ہے اس لئے میں نے یہ طریقہ اپنا لیا ہے کہ اولاً تو ملاقاتوں سے بچنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہوں اور اگر کسی کی ملاقات کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو تو بات نہایت ہی مختصر کرتا ہوں مزید یہ کہ ایسے وقت کے لئے اس قسم کے کام چھوڑ رکھتا ہوں جن میں زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے قلم کا قط لگانا، کاغذ کاٹنا اور دیگر اس قسم کے ہلکے پھلکے کام، میں ملاقات کے وقت کرتا ہوں، اس طرح ملاقات بھی ہو جاتی ہے اور یہ کام بھی مکمل ہو جاتے ہیں اور عمر عزیز کی قیمتی ساعتیں صرف گفتگو میں

ضائع نہیں ہوتی ہیں۔" (۵)

وقت کی اس قدر دانی اور محنت و مطالعہ کے اس جذبہ ہی کی برکت تھی کہ اللہ نے ان سے وہ کام لیا کہ اگر آج کوئی ان کی تمام تصانیف صرف نقل ہی کرنا چاہے تو شاید عمر بھر وہ نقل نہ ہو سکیں .... پھر ان کی طلب علم کے جذبۂ تاباں کو زندگی کی کسی منزل کی چلتی شادابی یا عمر کے کسی مرحلہ کی گزری جوانی سے گھن نہیں لگا، وہ جذبہ جیسا جواں تھا زندگی بھر ایسا ہی تاباں رہا اور ضعف و پیری کے بدلتے تیور کسی طرح اس پر اثر انداز نہ ہو سکے چنانچہ .... جب کاروان زندگی ۸۰ منزلیں طے کر چکا، عمر کے اس مرحلہ میں بھی شوق علم کا یہ عالم تھا کہ اپنے صاحب زادے سمیت علامہ باقلانی سے "واسط" میں حدیث پڑھنی شروع کی۔ (۶) اور حقیقت یہ ہے کہ ؎

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریک بینائی
نگاہِ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

ہر روز چار جز لکھنا ان کا زندگی بھر معمول رہا۔ (۷) اس کا مجموعہ سال میں پچاس ساٹھ جلدیں بن جاتا، آخر عمر میں وہ فرماتے تھے: "میں نے اپنی انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔" (۸) جب وقت مرگ آپہنچا تو وصیت کی کہ غسل کا پانی اس کترن اور براوہ سے گرم کیا جائے جو حدیث لکھنے کے لئے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا، سو ایسا ہی کیا گیا، اس کا ذخیرہ اتنا تھا کہ پانی نہ صرف یہ کہ گرم ہو گیا بلکہ وہ بچ بھی رہا۔ (۹)

جب ان کی تصانیف کا اندازہ لگایا گیا تو فی یوم نو جز کی تالیف کے حساب سے ان کی تصنیفی رفتار کا نتیجہ نکلا۔

آپ کے ہاتھ پر ایک لاکھ آدمیوں نے توبہ اور بیس ہزار کافروں نے اسلام قبول کیا، فرماتے تھے:

عَقَارِبُ الْمَنَا يَا تَلْسَعُ وَخُذْرَانُ جِسْمِ الامَلِ يَمْنَعُ

الاحْسَاسَ وَمَاءُ الْحَيَاةِ فِی إِنَاءِ الْعُمُرِ يَرْشَحُ بِالانْفَاسِ

"موت کے بچھو ڈستے رہتے ہیں، وجود امید کی بے حسی، احساس زندگی کے لئے مانع ہے اور آب حیات، عمر کے برتن میں انفاس (سانسوں) کے ذریعے ٹپک ٹپک کر ختم ہو رہا ہے۔"

۳ رمضان ۵۹۷ھ میں آپ نے انتقال فرمایا، نوّے سال کے قریب عمر پائی۔ (۱۰)

---

(۱) لفتۃ الکبد فی نصیحۃ الولد صفحہ ۸۱، ۸۲

(۲) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۳۴۴

(۳) صید الخاطر جلد ۳ صفحہ ۶ تا ۸

(۴) قیمۃ الزمن صفحہ ۶۱

(۵) قیمۃ الزمن صفحہ ۵۹

(۶) تذکرہ الحفاظ صفحہ ۱۳۴۶

(۷) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۳۴۴

(۸) مقدمۃ العلل المتناھیہ صفحہ ۱۲

(۹) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۳۴۴

(۱۰) تذکرہ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۳۴۷

عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ

عبدالغنی مقدسی چھٹی صدی ہجری کے عظیم محدث ہیں، تاج الدین کندی ان کے بارے میں کہتے تھے: لَمْ یَکُنْ بَعْدَ الدَّارِ قُطْنِیِّ مِثْلَ عَبْدِالْغَنِیِّ۔ (۱) "دار قطنی کے بعد عبدالغنی جیسا شخص نہیں آیا۔"

ایک بار کوئی آدمی ان کے پاس آکر کہنے لگا "ایک شخص نے طلاق کا حلف اٹھایا ہے کہ آپ کو ایک لاکھ احادیث یاد ہیں" فرمانے لگے "بَلْ اَکْثَرَ" "بلکہ اس سے بھی زیادہ۔" (۲)

زندگی کا نظام الاوقات!

ان کے شاگرد ضیاء الدین مقدسی نے ان کے اوقات کے نظام کے بارے میں یوں تبصرہ کیا ہے:

"عبدالغنی مقدسی نے عمر عزیز کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا، فجر کی نماز پڑھتے، پھر قرآن شریف کی تلاوت کرتے، کبھی حدیث کا درس دیتے پھر کھڑے ہوکر وضو کرتے اور ظہر سے پہلے تک تین سو رکعتیں پڑھتے، پھر کچھ دیر آرام کرتے، ...... نماز ظہر کے بعد مغرب تک وہ سننے یا لکھنے میں مشغول ہوجاتے، مغرب میں اگر روزہ ہوتا، افطار فرماتے، ورنہ عشا تک نماز میں مشغول رہتے، بعد نماز عشا نصف شب تک آرام کرتے، نصف شب کے بعد اٹھ کر وضو کرتے اور نماز میں مشغول ہوجاتے، فجر کے قریب وضو تازہ کرتے، بسا اوقات سات سات مرتبہ وضو کرتے، فرماتے، جب

اعضاء تر ہوں تو مجھے نماز پڑھنے میں لطف محسوس ہوتا ہے، یہ تھا
ان کی زندگی بھر کا معمول!" (۳)

زیادہ لکھنے اور رونے کی وجہ سے نظر کمزور ہوگئی تھی۔ (۴) علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (جلد ۴ صفحہ ۱۳۷۴) میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَ كَتَبَ مَالَا يُوْصَفُ كَثْرَته، وَمَا زَالَ يَنْسَخُ وَ يُصَنِّفُ وَيَعْبُدُ
اللّٰهَ حَتّٰى أَتَاهُ الْيَقِيْنُ

"انہوں نے اتنا لکھا کہ اس کی کثرت احاطۂ بیان سے باہر ہے، ہمیشہ
لکھتے اور عبادت کرتے رہے حتی کہ پیغامِ اجل آگیا۔"

چالیس سے زیادہ کتابیں لکھیں جن میں بعض کئی جلدوں میں ہیں۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۳۷۳

(۲) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۳۷۵

(۳) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۳۷۶

(۴) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۳۷۴

ابن سکینہ رحمہ اللہ

علامہ ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" (جلد۲۱ صفحہ ۵۰۲) میں ان کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ شروع کیا: اَلشَّیْخُ، الامَامُ، الْعَالِمُ، اِلْفَقِیْہُ، اَلْمُحَدِّثُ، اَلثِّقَۃُ، قُدْوَۃُ الْکَبِیْرِ، شَیْخُ الاسْلَامِ، مَفْخَرُ الْعِرَاقِ۔

۵۱۹ھ میں پیدا ہوئے، ان کے شاگرد "ابن نجار" اپنے شیخ کے متعلق لکھتے ہیں:

> "اللہ نے شیخ ابن سکینہ کو بڑی طویل عمر عطا فرمائی تھی، اپنی تمام مرویات انہوں نے بار بار سنائیں، طلبہ ان کے پاس مختلف شہروں سے آتے اور پڑھتے تھے، نظم و ضبط نے ان کے اوقات کو محفوظ کر رکھا تھا، زندگی کی کوئی گھڑی تلاوت، ذکر، تہجد و عبادت اور حدیث سننے سنانے کے علاوہ کسی اور چیز میں نہ گزرتی، اہل دنیا کے نہ غم میں شرکت کرتے نہ خوشی میں (کہ دونوں میں وقت لگتا ہے اور دنیا داروں کی خاطر یہ ان کو گوارانہ تھا) گھر سے صرف جمعہ، عیدین اور نماز جنازہ کے لئے نکلتے (باقی نمازیں گھر کی مسجد میں ادا کرتے جس میں طلبہ بھی ہوتے) اکثر روزہ سے رہتے اور حقیقت یہ ہے کہ میں مشرق و مغرب کے چکر کاٹ چکا ہوں لیکن ان سے زیادہ کامل میری نظر سے نہیں گزرا" (۱)

صرف سلام پر اکتفا کرو!

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی صحیح قدر ان بزرگوں کے دل میں تھی، اور رہ رہ کہ دل کا یہ احساس ابھرتا کہ وقت کہیں ضائع تو نہیں جارہا، وقت کے اسی احساسِ اہمیت کی خاطر

اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ صرف سلام کیا کرو، اس سے زیادہ کچھ نہ کہا کرو۔ (۲)
اور یہ اس لئے کہ عام طور پر ملاقات کے وقت رسماً خیر و عافیت پوچھی جاتی ہے تاکہ اس میں وقت ضائع نہ ہو کہ ۔

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست
ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

(۱) سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۵۰۳

(۲) سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۵۰۴

حافظ منذری رحمہ اللہ

نام ان کا عبدالعظیم ہے، "حافظ منذری" سے مشہور ہیں، قاہرہ مصر میں ۵۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۶۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔ (۱)

ساتویں صدی کے جلیل القدر محدثین میں سے ہیں، قاہرہ کے مشہور مدرسہ "دارالحدیث کاملہ" میں بیس سال تک حدیث کے شیخ رہے۔

جہاں پڑھاتے، وہاں سے بالکل نہ نکلتے، نہ کسی کی تعزیت کرنے جاتے اور نہ تہنیت و مسرت کے موقع پر نکلتے، زندگی بھر ایک ہی چیز کو اپنایا اور عمر عزیز کو اسی میں صرف کیا یعنی مشغلۂ علم! حتیٰ کہ ان کے صاحب زادے "رشید الدین" کا جب انتقال ہوا جو خود ایک زبردست عالم تھے تو مدرسہ کے اندر ان کی نماز جنازہ پڑھائی، جب جنازہ اٹھایا گیا تو مدرسہ کے دروازہ تک آئے، اشک بار آنکھوں کے ساتھ کہنے لگے "بیٹے! اب تو اللہ کے حوالے ہے!" وہیں سے واپس ہوئے اور مدرسہ سے نہ نکلے۔ (۲)

ان کے شاگرد ابراہیم بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ میں قاہرہ میں شیخ کے پڑوس میں بارہ سال تک رہا، ہمارا گھر ان کے گھر کی اوپر والی منزل میں تھا، میں نے رات کو جس کسی حصہ میں بھی اٹھ کر دیکھا تو چراغ کی روشنی میں ان کو مطالعہ میں مشغول پایا۔ (۳)

زندگی کے تمام لمحات علم کے لئے وقف تھے فرماتے تھے "میں نے اپنے ہاتھ سے نوّے جلدیں اور سات سو اجزا لکھے ہیں۔ (۴)

---

(۱) الاعلام للزرکلی جلد ۴ صفحہ ۳۰

(۲) طبقات کبری للسبکی جلد ۵ صفحہ ۱۰۹

(۳) بستان العارفین صفحہ ۱۱۹

(۴) بستان العارفین صفحہ ۱۱۹

امام النحویین ابن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ

عربی نحو کی شہرہ آفاق کتاب "الفیۃ بن مالک" کے نام سے عربی نحو کا ادنی طالب علم بھی واقف ہے، ابن مالک اندلس کے باشندے تھے لیکن بعد میں دمشق منتقل ہوگئے تھے، امام نوویؒ جیسے کئی اساطین علم آپ کے شاگرد ہیں۔ ابن مالک کو اللہ جل شانہ نے مطالعہ کا غیر معمولی ذوق عطا فرمایا تھا۔ مقری نے "نفح الطیب" (جلد۲ صفحہ۴۲۸) میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیرو تفریح کے لئے نکلے، راستہ میں کچھ دیر ساتھیوں کی توجہ نہ رہی، آگے نکلے تو آپ غائب تھے، تلاش شروع کی، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جانب بیٹھے اوراق پر چھائے ہوئے مطالعہ میں مصروف ہیں ۔

وہ لوگ بھی ہیں جو ساحل پر طوفان سے سہے بیٹھے ہیں
کچھ ایسے شناور بھی ہیں جنہیں ہر موج میں ساحل ملتا ہے

انہوں نے پوری زندگی چار کاموں میں تقسیم کر رکھی تھی، اس کے علاوہ وہ کسی اور چیز میں مشغول نہیں دیکھے گئے، نماز، تلاوت، تصنیف اور پڑھنا پڑھانا۔ (۱) علم کے ساتھ ان کی محبت اور شوق کا یہ عالم تھا کہ جس دن انتقال ہوا اس دن بھی بیماری کی حالت میں اپنے صاحبزادے سے اشعار یاد کرتے رہے۔ (۲) کسی نے خوب کہا ہے: بِقَدْرِ مَا تَتَعَنّٰی تَنَالُ مَاتَتَمَنّٰی "جتنی تکلیف اٹھاؤ گے اتنی ہی تمنا بر آئے گی۔" ۶۷۲ھ کو آپ کا انتقال ہوا، ابن النحاس نے آپ کا ایک پر درد مرثیہ کہا جس کا ایک شعر ہے (۳) ۔

فَلَقَدْ جَرَحْتَ الْقَلْبَ حِيْنَ نَعَيْتَ لِيْ
فَتَدَفَّقَتْ بِدِمَاءِهٖ أَجْفَانِيْ

(۱) نفح الطیب جلد۲ صفحہ۴۲۸، (۲) نفح الطیب جلد۲ صفحہ۴۲۸، (۳) بغیۃ الوعاۃ جلد۱ صفحہ۱۳۷

امام نووی رحمہ اللہ

قدرت کے کرشمے دیکھئے کہ وہ نووی جن کے ساتھ بستی نوا کے بچے کھیلنا پسند نہیں کرتے تھے اور وہ بچوں کی نفرین کی وجہ سے روتے اور بھاگتے تھے۔ (۱) صحیح مسلم کے ایسے عظیم شارح اور ساتویں صدی کے وہ جلیل القدر محدث بنے جو سالہا سال دار الحدیث اشرفیہ (شام) میں درس دیتے رہے اور جہاں شیخ تقی الدین سبکی اس تمنا میں جگہ جگہ سجدہ ریز ہوتے کہ شاید ان کی پیشانی ایسی جگہ پڑ جائے جہاں امام نووی کے قدم پڑے ہیں۔ (۲)

اپنے علاقہ سے دمشق آکر مدرسہ رواحیہ میں پڑھنے لگے، تعلیم کے زمانہ میں محنت اور جدوجہد کا یہ عالم تھا کہ کہتے تھے دو سال تک پہلو کے بل زمین پر نہیں سویا، بیٹھے بیٹھے ہی کچھ آرام کرلیتا اور پھر مطالعہ میں مشغول ہوجاتا۔ (۳) روزانہ مختلف علوم کے بارہ اسباق نہ صرف پڑھتے بلکہ تشریح کے ساتھ یاد بھی کرتے، (۴) زندگی کے مستعار لمحات کو تول تول کر خرچ کیا، آتے جاتے بھی وقت بچاتے اور راہ چلتے مطالعہ کرتے (۵) کہ جہد طلب ہی سے بزمِ ہستی کی بنیاد ہے اور وہ موج فنا ہوجاتی ہے جس کو ساحل ملتا ہے،

دن رات میں صرف ایک بار کھانا کھاتے، پھل فروٹ نہیں کھاتے تھے، فرماتے تھے مجھے خوف رہتا ہے کہ پھلوں کے کھانے سے جسم میں رطوبت پیدا ہو جائے گی اور پھر نیند کا غلبہ علم اور مطالعہ میں مخل ہوگا۔ (۶)

ان کی علمی مصروفیات نے ان کو شادی کا موقع بھی نہیں دیا، پوری عمر لکھنے پڑھنے میں مشغول رہے، لکھتے لکھتے جب قلم کا مسافر تھک جاتا تو قلم رکھ کر یہ شعر پڑھتے ؎

لَئِنْ كَانَ هٰذَا الدَّمْعُ يَجْرِىْ صَبَابَةً
عَلٰى غَيْرِ سُعْدٰى فَهُوَ دَمْعٌ مَضِيْعٌ

"اگر یہ آنسو سعدی کے عشق کے علاوہ کسی اور سبب سے بہہ گئے
تو سمجھ لیجئے کہ وہ آنسو ضائع ہوگئے۔"

۶۷۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ بعد میں اندازہ لگایا گیا تو چار کاپیاں روزانہ کے حساب سے تالیفی رفتار رہی۔ (۷)

---

(۱) طبقات شافعیہ جلد ۵ صفحہ ۱۶۶
(۲) طبقات شافعیہ جلد ۵ صفحہ ۱۶۶
(۳) قیمۃ الزمن صفحہ ۷۳
(۴) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۴۷۲
(۵) قیمۃ الزمن صفحہ ۷۳
(۶) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۴۷۲
(۷) قیمۃ الزمن صفحہ ۷۳

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا مجدالدین ابن تیمیہ مذہب حنبلی کے ائمہ میں سے ہیں، ان کی مشہور تصنیف اور علمی یادگار "منتقی الاخبار" ہے جو حنبلی مذہب کے دلائل کا ایک جامع مجموعہ اور اہل مذہب کے لئے ایک ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی کو متن بنا کر علامہ شوکانی نے "نیل الاوطار" کے نام سے آٹھ جلدوں میں وہ زندہ و جاوید شرح لکھی جس سے آج تک علماء برابر استفادہ کرتے رہے اور جو علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ علامہ ابن رجب نے ذیل طبقات حنابلہ (جلد۲ صفحہ۲۴۹) میں مجدالدین ابن تیمیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "عمر عزیز کا کوئی لمحہ ضائع ہونے نہیں دیتے تھے، زندگی کی ایک ایک گھڑی کو کسی مفید مصرف میں خرچ کرنے کا اس قدر اہتمام تھا کہ کبھی تقاضہ اور ضرورت سے جاتے تو کسی شاگرد سے کہتے کہ تم کتاب بلند آواز سے پڑھو تاکہ میں بھی سن سکوں اور وقت ضائع نہ ہو۔"

۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو ان کے پوتے تقی الدین ابن تیمیہ کی ولادت ہوئی جو آگے جاکر عہد ساز شخصیات کے دھارے میں شامل ہوئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ خونِ صد ہزار انجم ہوتو سحر اور جگر لہو کرنے سے چشم دل میں نظر پیدا ہوتی ہے۔ ابن تیمیہ نے پہلے پیکر خاکی میں جان پیدا کی، جہادِ زندگانی کی دشوار گزار وادیوں کے نشیب و فراز سے گزرے، زمانہ کے مروّجہ علوم کی تحصیل کی، ادب و لغت میں بصیرت پائی، نثر و نظم کا ایک بڑا حصہ حفظ کیا، عرب اولین کے حالات تفصیل سے دیکھے، اسلامی عہد اور حکومتوں کا وسیع مطالعہ کیا اور قرآنی علوم کے لافانی چشمۂ فیض سے فیضیاب ہونے کی امکان بھر کوشش کی، وہ خود

فرماتے ہیں کہ:

"میں نے تفسیر میں چھوٹی بڑی ایک سو سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا۔" (۱)

پھر صرف مطالعہ و محنت پر بس نہیں کیا بلکہ برابر وہاں رجوع کرتے رہے جہاں سے علم کے خزانے، حکمت کے چشمے اور نور و بصیرت کی دولت تقسیم ہوتی ہے اور آستانۂ شاہی پر کشکول گدائی لے کر روئیں روئیں سے یہ صدا بلند کرتے رہے کہ ؎

مفلسانیم آمد در کوئے تو شیئاً للہ ازجمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما آفریں بردست و برباز وئے تو

ذرا آپ بھی سنئے کیا فرماتے ہیں ابن تیمیہؒ!

رُبَّمَا طَالَعْتُ عَلَى الْآيَةِ الْوَاحِدَةِ نَحْوَ مِائَةِ تَفْسِيرٍ، ثُمَّ أَسْأَلُ اللّٰهَ الْفَهْمَ وَ أَقُوْلُ: يَا مُعَلِّمَ آدَمَ وَ إِبْرَاهِيْمَ! عَلِّمْنِيْ وَ كُنْتُ أَذْهَبُ إِلَى الْمَسَاجِدِ الْمَهْجُوْرَةِ وَ نَحْوِهَا وَ أُمَرِّغُ وَجْهِيْ فِي التُّرَابِ وَ أَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى وَ أَقُوْلُ يَا مُعَلِّمَ إِبْرَاهِيْمَ! فَهِّمْنِيْ

"بسا اوقات صرف ایک آیت کے مطالعے کے لئے میں نے سو تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے۔ مطالعہ کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ مجھے اس آیت کی فہم عنایت ہو، میں عرض کرتا کہ "اے آدم و ابراہیم کے معلم! میری تعلیم فرما" میں سنسان اور غیر آباد مسجدوں اور مقامات کی طرف چلا جاتا، اپنی پیشانی خاک پر ملتا اور کہتا کہ اے ابراہیم کو تعلیم دینے والے! مجھے سمجھ عطا فرما۔" (۲)

دیکھا آپ نے آیت کی سو تفسیروں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی فہم کے لئے رب کے حضور الحاح و زاری کا عالم! پھر کہیں جا کر چشمِ دل میں نظر پیدا ہوئی، زندگی کی قوتِ پنہاں آشکارا ہوئی اور چنگاریٔ علم فروغ جاوداں پائی کہ ؎

ستارے ڈوبنا، شبنم کا رونا، شمع کا بجھنا
بہت سے مرحلے ہیں صبح کے ہنگام سے پہلے

علم و مطالعہ ابن تیمیہ کا مشغلہ نہیں غذا بن گیا تھا، یہ آتش لگائے لگی تو پھر بجھائے نہ بجھی، شیخ سراج الدین فرماتے ہیں:

وَ كَانَ الْعِلْمُ قَدِ اخْتَلَطَ بِلَحْمِهٖ وَ دَمِهٖ وَ سَائِرِهٖ فَإِنَّهٗ لَم يَكُنْ مُسْتَعَارًا بَلْ كَانَ لَهٗ دِثَارًا (۳)

"ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم ابن تیمیہ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہے اور گوشت پوست بن گیا ہے علم ان کے لئے کوئی عارضی اور مانگے کی چیز نہیں تھی بلکہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔"

ایک مرتبہ بیمار ہوئے، طبیب نے کہا، مطالعہ نہ کرنا، صحت پر برا اثر پڑے گا، فرمانے لگے "صحت پر اثر پڑے گا لیکن اچھا، آپ ہی بتادیں کہ جس کام میں طبیعت کو راحت محسوس ہو کیا اس میں مشغول رہنے سے مرض میں افاقہ نہیں ہوتا؟" طبیب نے کہا "ضرور ہوتا ہے" فرمانے لگے "تو میرا جی علم و مطالعہ ہی میں مسرت و راحت محسوس کرتا ہے۔" طبیب بولے "بھائی! یہ مرض پھر ہمارے دائرۂ علاج سے باہر ہے۔ (۴) ان کے ایک معاصر نے ان کے اس علمی شغف کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

وَإِنَّمَا كَانَتْ بِضَاعَتُهٗ مُدَّةَ حَيَاتِهٖ وَ مِيْرَاثُهٗ بَعْدَ وَفَاتِهٖ الْعِلْمَ

"جب تک وہ زندہ رہے اور جب انتقال کیا تو ان کی میراث یہی علم تھا۔" (۵)

عمر عزیز کی قدر کی اور خوب کی، جہاں علم و مطالعہ کا مشغلہ رک جاتا وہاں استغفار و دعا کا سلسلہ شروع ہو جاتا، فرماتے:

"میں کبھی بازار، کبھی مسجد یا گلی یا مدرسہ میں ہوتا ہوں تاہم ذکر و استغفار میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی اور برابر مشغول رہتا ہوں۔" (۶)

علم و مطالعہ کے شغف اور انہماک نے ان کو اس کی بھی مہلت نہ دی کہ وہ نکاح کریں، ساری عمر طالب علمانہ اور مجاہدانہ زندگی گزاری، صاحب "کواکب دریۃ" نے ان کا نظام الاوقات کچھ اس طرح نقل کیا ہے:

> "ابن تیمیہ کبھی فتویٰ دیتے، کبھی لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں مشغول ہوتے، ظہر تک یہ سلسلہ جاری رہتا، ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے، بقیہ دن بھی اسی طرح گزارتے، پھر مغرب پڑھتے اور اسباق شروع ہوجاتے، عشاء پڑھتے پھر درس و مطالعہ شروع ہوجاتا حتیٰ کہ بڑی رات گذر جاتی، دن رات وہ اس اثنا میں ذکر و استغفار بھی کرتے رہتے۔" (۷)

۷۲۶ھ میں ابن تیمیہ جیل بھیج دیئے گئے، یکسوئی میسر ہوئی تو اور یکسوئی سے مشغول ہوگئے، حکومت وقت نے لکھنے پڑھنے کا سامان ضبط کیا اور قلم و دوات ان سے لے لئے گئے تو عمر کے اس بہتے دریا اور بولتے کتب خانہ نے منتشر اوراق پر کوئلہ سے لکھنا شروع کیا ان کے متعدد رسائل اور تحریریں کوئلہ سے لکھی ہوئی ہیں۔ (۸)

زندگی کی جب اس طرح قدر اور علم پر اپنا سب کچھ قربان کیا تو اللہ تعالیٰ نے وہ علمی تبحر عطا فرمادیا کہ ان کے معاصرین دنگ رہ گئے، خود ان کے مشہور حریف علامہ زملکانی ان کی علمی جامعیت اور ہمہ دانی کی شہادت ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> "ابن تیمیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے علوم اس طرح نرم کردیئے تھے جیسے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کردیا تھا، جس علم کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا اس طرح جواب دیتے کہ وہ اس فن کے سوا کچھ نہیں جانتے۔" (۹)

ان کے مشہور شاگرد علامہ ابن قیم کا بیان ہے کہ ابن تیمیہ ایک دن میں اتنا لکھتے جتنا کاتب ایک ہفتہ میں لکھتا ہے۔ (۱۰) حافظ ابن رجب "ذیل طبقات حنابلہ" (جلد ۲ صفحہ ۴۰۳) میں لکھتے ہیں:

أَمَّا تَصَانِيْفُهُ فَقَدْ إمْتَلَاتْ بِهَا الامْصَارُ وَ جَازَتْ حَدَّ الْكَثْرَةِ فَلَا يُمْكِنُ لاحَدٍ حَصْرُهَا

''ابن تیمیہ کی تصانیف سے شہر کے شہر بھرے ہیں وہ کثرت کی حد سے متجاوز اور ان کی گنتی مشکل ہے۔''

عمر عزیز کی سرسٹھ (٦٧) بہاریں دیکھنے کے بعد جیل ہی میں ۲۲ ذی قعدہ ۷۲۸ھ کو دارفانی سے رخصت ہوئے، جنازہ میں مخلوق خدا کے اژدحام کا حال مولانا ابوالحسن علی میاں مدظلہم کی زبانی سنئے:

''ظہر کے بعد نماز جنازہ ہوئی، میدان، گلیاں، بازار سب بھر گئے، ہر طرف مجمع ہی مجمع نظر آتا تھا، بازار بند تھا، بہت سے لوگوں نے روزہ کی نیت کرلی کہ آج کھانے پینے کا ہوش نہیں، جنازہ اٹھا، کاندھا دینے کا موقع نہ تھا، جنازہ انگلیوں اور سروں پر جارہا تھا، ہر طرف گریہ و بکا کی صدائیں بلند تھیں، ہر زبان اور ہر لب پر مدح و توصیف اور دعا کے الفاظ تھے......... شدتِ اژدحام سے لوگوں کے پاؤں کے جوتے اور کھڑاویں نکل گئیں اور پگڑیاں اور رومال گر گئے.......... ''سوق الخیل'' میں پہنچ کر مجمع کا کوئی حد و حساب نہیں رہا ''مقبرۃ الصوفیہ'' میں اپنے بھائی شرف الدین عبداللہ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔'' (۱۱)

دفن تجھ میں کوئی فخر روز گار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آب دار ایسا بھی ہے؟

---

(۱) تفسیر سورۃ النور (ابن تیمیہ) صفحہ۱۳۶، (۲) العقود الدریہ صفحہ۳۶، (۳) الکواکب الدریۃ صفحہ۱۵۶
(۴) قیمۃ الزمن صفحہ۷۸، (۵) الکواکب الدریۃ صفحہ۱۵۶، (۶) الکواکب الدریۃ صفحہ۱۵۶
(۷) الکواکب الدریۃ صفحہ۱۵۶، (۸) تاریخ دعوت و عزیمت جلد۲ صفحہ۱۱۲، (۹) تاریخ دعوت و عزیمت جلد۲ صفحہ۱۳۰، (۱۰) قیمۃ الزمن عند العلماء صفحہ۷۷، (۱۱) تاریخ دعوت و عزیمت جلد۲ صفحہ۱۲۵

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

(متوفی : ۸۵۲ھ)

بچپن ہی میں ماں باپ دونوں کی شفقت سے محروم ہونے والے "احمد" کے بارے میں کون کہہ سکتا تھا کہ آگے جاکر "حافظ ابن حجر عسقلانی" کے نام سے چار دانگ عالم میں ان کی شہرت ہوگی، اسلامی علوم خصوصاً علم حدیث کے عظیم خادموں میں سے ہوں گے اور امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب، بخاری کی وہ زندہ و جاوید شرح لکھیں گے جو حدیث کی تمام شروح میں اپنی نظیر آپ ہوگی۔

حافظ کو حافظہ عجیب ملا تھا، لکھا ہے کہ اول بار جب مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو آبِ زمزم پیتے وقت دعاء کی: "یا اللہ! مجھے حافظ ذہبی جیسا حافظہ عطا فرما۔" دعا قبول ہوئی بیس سال بعد پھر حاضری ہوئی، دوبارہ دعا کی "یااللہ! مجھے مزید حافظہ عطا کر" بعد کے اہل نظر علماء کا خیال ہے کہ ابن حجر کو حافظ ذہبیؒ پر اللہ جل شانہ نے حافظہ میں فوقیت عطافرمادی تھی۔

(۱)

نو سال کی عمر تک وہ قرآن کے حافظ بن گئے تھے، پھر حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، دس برس مسلسل زین الدین عراقیؒ سے حدیث پڑھی، عالم اسلام کے علمی شہروں کے چکر کاٹے، مدینہ، زبید، عدن، یمن، شام، غزہ، رملہ، قدس اور دمشق کا گشت کیا، محنت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ دمشق میں سو دن رہے اور حدیث کے ایک ہزار جزء پڑھے۔

مصر واپس آکر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے، یہیں سے ان کی شہرت اور علم کی دھوم مچی، حکومت اور اہل علم دونوں کی طرف سے عہدۂ قضاء کا اصرار ہوا، مجبوراً قبول کیا اور مجموعی طور پر اکیس برس تک "قاضی القضاۃ" رہے۔ (۲)

وقت کی قدر اور اس کی برکت!

یہ قرأت کی سرعت تھی یا وقت کی برکت یا دونوں کا نتیجہ کہ ایک مرتبہ حافظ ابن حجر نے ظہر تا عصر کے درمیانی وقفہ کی دس مجلسوں میں پوری بخاری ختم کر ڈالی، صحیح مسلم ڈھائی دن کی پانچ مجلسوں میں ختم کی، طبرانی کی معجم صغیر کی ڈیڑھ ہزار احادیث سندوں کے ساتھ ظہر اور عصر کے درمیان صرف ایک مجلس میں پوری پڑھیں۔ (۳)

سرعت قرأت ہوگی سو وہ اپنی جگہ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ چیز وقت کی برکت ہی کا کرشمہ ہے، جو لوگ اپنی زندگی نظام الاوقات کی پابند کر دیتے ہیں اور جنہیں زندگی کے لحہ لحہ کی قیمت وصول کرنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے، وقت کی برکت انہیں عطیہ کر دی جاتی ہے۔ ابن حجرؒ گھڑی گھڑی تول تول کر خرچ کرتے، لکھا ہے کہ لکھتے لکھتے قلم پر قط رکھنے کی ضرورت پیش آتی تو اتنی دیر بھی بے کار گزارنا ان کو گوارا نہ تھا فوراً ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ (۴)

ان کی فتح الباری چودہ جلدوں میں، تہذیب التہذیب بارہ جلدوں میں، الاصابہ نو جلدوں میں، لسان المیزان چار جلدوں میں اور تغلیق التعلیق پانچ جلدوں میں ہے، ایک سو پچاس سے اوپر تصانیف ہیں۔ تواضع کا حال دیکھئے، اپنی تصانیف پر تبصرہ کیا تو فرمایا:

وَأَكْثَرُ ذٰلِكَ مِمَّا لَا تَسَاوِى نُسْخَةً لِغَيْرِهٖ، لٰكِنْ جَرَى الْقَلَمُ بِذٰلِكَ

"میری اکثر تصانیف دوسرے اہل علم کی ایک کتاب کے بھی برابر نہیں لیکن بس قلم چل گیا۔"

---

(۱) ذیل طبقات الحفاظ للسیوطی صفحہ ۳۸۱

(۲) دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۰

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے بستان المحدثین صفحہ ۳۰۲، ۳۰۳

(۴) ابن حجر العسقلانی، شاکر عبد المنعم صفحہ ۱۸۵

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ

(متوفی : ۸۵۵ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجرؒ کے ہمعصر اور فقہ حنفی کی چوٹی کے علماء میں سے ہیں........ ان کی سرعت تحریر کا یہ عالم تھا کہ ایک بار پوری مختصر القدوری صرف ایک رات میں نقل کی۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر دونوں نے صحیح بخاری کی معرکۃ الاراء شرح لکھی اور جن لوگوں نے علامہ عینی کی "عمدۃ القاری" کا مطالعہ کیا ہے ان کو معلوم ہے کہ وہ اپنی شرح میں جگہ جگہ کس بھرپور طنز کے ساتھ حافظ ابن حجر کی گرفت کرتے ہیں۔

مثلاً کتاب المغازی میں غزوۂ بدر کے تحت ایک حدیث میں انصار مدینہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

اِئْذَنْ لَنَا، فلنترك لِابْنِ أُخْتِنَا

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد۷ صفحہ۳۲۲) میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "فلنترك" امر کا صیغہ ہے اور "لام" مبالغہ کا ہے۔

علامہ عینی نے اس مقام پر عمدۃ القاری (جلد۱۷ صفحہ۱۱۶) میں ان کی گرفت کی اور کہا کہ اس کو امر کا صیغہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو علم صرف سے ادنی مناسبت بھی نہ ہو۔

حافظ ابن حجر باوجودیکہ بے مثال محدث اور اپنے زمانہ میں بالاتفاق "امیر المؤمنین فی الحدیث" تھے، تاہم فقہ حنفی کے ساتھ وہ انصاف نہیں کرتے، اس بارے میں ان کا قلم جانب داری کا شکار رہتا ہے اور یہاں آکر وہ اپنے قلم کے بدلتے تیور پر قابو نہیں پاسکتے،

تاہم علامہ عینی ان کی کڑی نگرانی کرتے ہیں اور تنقید کا فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں۔

دراصل دونوں بزرگوں نے بخاری کی شرح تقریباً ایک ہی زمانے میں لکھی البتہ علامہ عینی حافظ ابن حجر کی شرح کا مسودہ کسی طریقے منگوالیتے اور اسے سامنے رکھ کر اپنی شرح لکھتے اور جابجا تنقید کرتے رہتے۔

ایک دلچسپ معاصرانہ چوٹ!

حافظ ابن حجرؒ کے مزاج میں بڑی شگفتگی اور ظرافت تھی، سوانح نگاروں نے دونوں کے درمیان معاصرانہ چوٹوں کا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ علامہ عینی نے اس وقت کے حکمران "الملک المؤید" کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا جس میں اس کی تعمیر کردہ "جامع مسجد" کی بھی تعریف تھی، اتفاق سے کچھ دن بعد اس مسجد کا منارہ جھک کر گرنے کے قریب ہوگیا، حافظ نے پرچہ پر دو شعر لکھ کر "ملک مؤید" کے پاس بھیج دیئے:

لِجَامِعِ مَوْلَانَا الْمُؤَيِّدِ رَوْنَقٌ
مَنَارَتُهٗ تَزْهُوْ عَلَى الْفَخْرِ وَ الزَّيْنِ

"ملک مؤید کی جامع مسجد بڑی بارونق اور اس کا منارہ فخر و زینت کی بناء پر بڑا خوبصورت ہے۔"

تَقُوْلُ وَقَدْ مَالَتْ عَلَيَّ : تَرَفَّقُوْا
فَلَيْسَ عَلٰى حُسْنِيْ أَضَرَّ مِنَ الْعَيْنِ

"لیکن جب وہ جھکا تو اس نے کہا "مجھ پر رحم کرو کیونکہ میرے حسن کے لئے "عین" (چشم بد) سے زیادہ نقصان دہ کوئی چیز نہیں۔"

اس شعر میں لطف یہ ہے کہ اس میں "عین" کو "عینی" پڑھا جاتا ہے جس سے علامہ عینی رحمہ اللہ پر تعریض ہوتی ہے۔

ملک مؤید کو یہ رقعہ ملا تو اس نے علامہ عینی کے پاس بھیج دیا، علامہ عینی نے اس پر

جواباً دو شعر لکھ کر واپس بھیج دیا۔

مَنَارَۃٌ کَعُرُوْسِ الْحُسْنِ قَدْ جَلِیَتْ
وَهَدْمُهَا بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَ الْقَدَر

"یہ منارہ عروس حسن کی طرح درخشاں ہے اور یہ محض اللہ کی قضا و قدر کی وجہ سے گرا ہے۔"

قَالُوْا: أُصِیْبَتْ بِعَیْنٍ قُلْتُ: ذَا خَطَأٌ
وَإِنَّمَا هَدْمُهَا مِنْ خَیْبَةِ الْحَجَر

"لوگ کہنے لگے اس کو نظر لگ گئی، میں نے کہا یہ غلط ہے دراصل وہ حجر (پتھر) کی خرابی کی وجہ سے گرا ہے۔"

اس میں "مِنْ خَیْبَةِ الْحَجَرِ" سے حافظ ابن حجر پر تعریض ہے۔ (۱)

(۱) دیکھئے ابن حجر العسقلانی صفحہ ۱۷۸

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ

حافظ ابن حجر کے شاگرد اور شیخ عبدالوہاب شعرانی کے استاذ، نویں صدی کے مشہور محدث اور بعض کے خیال میں اس صدی کے مجدد تھے۔ بڑی تنگدستی اور فقر و فاقوں میں تعلیم حاصل کی، وہ خود فرماتے ہیں:

"میں جامع ازھر میں تعلیم حاصل کرتا تھا، بعض اوقات فاقے کی شدت کی بناء پر نوبت یہاں تک پہنچتی کہ کھانے کو اور کچھ نہ ہوتا تو رات کی تاریکی میں وضو خانے کے قریب پڑے ہوئے تربوز کے چھلکے اٹھالیتا اور دھو کر ان سے اپنی بھوک مٹالیتا۔ بعد میں اللہ کے ایک مخلص بندے نے میری دیکھ بھال شروع کردی، میری ضروریاتِ خورد و نوش اپنے ذمہ لیں اور مجھے یہ بشارت بھی دی کہ انشاء اللہ تم بہت دن زندہ رہو گے شیخ الاسلام بنو گے اور تمہارے شاگرد بھی تمہاری زندگی ہی میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوں گے۔" (۱)

پوری زندگی درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور علمی مشاغل میں مصروف رہے، آخر میں اگرچہ نابینا ہوگئے تھے لیکن علمی مشاغل پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رکھے۔ حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

وَقَدْ خَدَمْتُهُ عِشْرِيْنَ سَنَةً، فَمَارَأَيْتُهُ قَطُّ فِيْ غَفْلَةٍ، وَلاَ اشْتِغَالٍ بِمَالاَيَعْنِيْ لاَ لَيْلاً وَّ لانَهَاراً، وَكَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَعَ كِبَرِ سِنِّهٖ يُصَلِّيْ سُنَنَ الْفَرَائِضِ قَائِماً، وَيَقُوْلُ: لاَ أُعَوِّدُ

نَفْسِی الْکَسَلَ (۲)

"میں نے بیس سال شیخ الاسلام زکریا کی خدمت کی، اس پورے عرصہ میں، میں نے کبھی آپ کو غفلت میں نہیں یکھا اور نہ کسی فضول کام میں مشغول پایا، نہ دن میں، نہ رات میں بڑھاپے کے باوجود فرائض کی سنتیں ہمیشہ کھڑے ہوکر ادا کرتے رہے، فرماتے "میں اپنے نفس کو سستی کا عادی بنانا نہیں چاہتا۔"

کوئی شخص آکر اگر آپ کے پاس لمبی بات کرتا تو فرماتے: "جلدی کرو، تم نے ایک زمانہ ضائع کردیا۔" علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ جب میں آپ سے کوئی کتاب پڑھتا تو بعض اوقات کتاب کا کوئی لفظ درست کرنے کے لئے درمیان میں کچھ وقفہ ہوجاتا آپ اس وقفے کو بھی ضائع نہ فرماتے اور اس وقفہ میں آہستہ آہستہ "اللہ" "اللہ" کے ذکر میں مشغول ہوجاتے۔ (۳)

وقت کی اسی قدر شناسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے چالیس سے زائد عظیم الشان تالیفات چھوڑی ہیں۔

ایک خصوصیت!

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ کے فیض کو اللہ نے بڑی وسعت بخشی، آپ کے دور کے اکثر علماء بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ کے شاگرد ہیں، بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ ایک شخص نے آپ سے زبانی بلاواسطہ علم حاصل کیا اور پھر ایسے لوگوں سے بھی علم حاصل کیا جن کے اور شیخ الاسلام کے درمیان سات واسطے تھے، یہ خصوصیت کسی اور عالم کو حاصل نہ ہوئی۔ (۴)

---

(۱) الکواکب السائرۃ للغزی صفحہ ۱۹۶، ۱۹۷

(۲) الطبقات الکبریٰ للشعرانی جلد ۲ صفحہ ۱۱۲

(۳) الطبقات الکبریٰ للشعرانی جلد ۲ صفحہ ۱۱۱

(۴) شذرات الذھب جلد ۸ صفحہ ۱۳۵

شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمہ اللہ

برصغیر میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کے داعی و مبلغ، دہلی میں مسند درس حدیث کے عظیم محدث اور بقول بعض ہندوستان میں سب سے پہلے حدیث نبوی کی اشاعت کرنے والے شیخ عبدالحق ۹۵۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

علم و مطالعہ کا شوق انہیں بچپن ہی سے نصیب ہوا، روزانہ دو میل کی مسافت طے کرکے سبق پڑھنے جاتے اور اس طرح سات سال کے عرصے میں وہ تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوگئے۔

صاحب نزہۃ الخواطران کے تحصیل علم اور مطالعہ میں انہماک کے متعلق لکھتے ہیں:

> "شیخ عبدالحقؒ نے سات سال کے عرصے میں تمام علوم سے فراغت حاصل کی، دہلی کے جس مدرسے میں وہ زیر تعلیم تھے وہ آپ کے گھر سے دو میل کی مسافت پر تھا، سردی اور گرمی ہر موسم میں آپ صبح و شام وہاں جاتے، .... آپ ہمیشہ مشغول رہتے تھے، رات کی تاریکیوں میں بھی مطالعہ پر چھائے رہتے، کئی بار ایسا بھی ہوا کہ دوران مطالعہ سامنے جلتے ہوئے چراغ سے آپ کا عمامہ جل گیا لیکن آپ کو اسی وقت اندازہ ہوتا جب آگ عمامہ کو جلاتے جلاتے سر کے بالوں تک پہنچتی۔" (۱)

وہ خود فرماتے ہیں کہ مطالعہ کرتے کرتے جب رات نصف سے زیادہ گزر جاتی تو والد صاحب ازراہِ شفقت فرماتے "ارے، بابا! کیا کررہے ہو؟" میں جلدی سے لیٹ کر کہتا، آرام کررہا ہوں، کچھ دیر بعد دوبارہ اٹھتا اور مصروفِ مطالعہ ہوجاتا، اپنی تعلیم کے ابتدائی زمانے کے بارے میں وہ کہتے تھے:

"ابتدائے تعلیم نمی دانم کی بازی چیست و خواب کدام، و مصاحبت کیست و آرام چہ و آسائش و سیر کجا۔" (۱)

"ابتدائے تعلیم کے وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ کھیل کیا ہے؟ نیند اور دوستی و آرام کیا چیز ہے؟ اور آسائش و تفریح کسے کہتے ہیں؟"

راہِ علم میں اس محنت اور جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ اللہ جل شانہ نے آپ سے علم حدیث کی وہ عظیم خدمت لی جو ہندوستان میں بہت ہی کم لوگوں کے حصے میں آئی، چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی "الثقافة الاسلامية فی الهند" میں لکھتے ہیں:

"فن حدیث کی نشر و اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالحق محدث دھلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) کو منتخب فرمایا........ انہوں نے دارالسلطنت دھلی میں مسند درس آراستہ فرمائی اور اپنی کوشش و صلاحیت اس علم کی نشر و اشاعت پر صرف فرمائی۔

فن حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کی جدوجہد اور کوشش اپنے پیشروؤں سے اس قدر نمایاں و ممتاز ہیں کہ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ فن حدیث کو ہندوستان میں سب سے پہلے لانے والے یہی شیخ عبدالحق محدث دھلوی ہیں۔" (۲)

---

(۱) نزہۃ الخواطر جلد ۵ صفحہ ۲۰۱

(۲) تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۵ صفحہ ۱۸۰

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ

خاندان ولی اللہی کے گل سرسبد، حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز رمضان ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے، گیارہ سال کی عمر میں عربی کی ابتدا کی اور پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فراغت حاصل کی۔(۱) صاحب نزہۃ الخواطر آپ کے ذہن و ذکاوت کے متعلق فرماتے ہیں:

> وَكَانَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَحَدَ أَفْرَادِ الدُّنْيَا بِفَضْلِهٖ وَ آدَابِهٖ وَ ذَكَائِهٖ وَفَهْمِهٖ وَ سُرْعَةِ حِفْظِهٖ، اِشْتَغَلَ بِالدَّرْسِ وَ الافَادَةِ وَلَهٗ خَمَسَ عَشَرَةَ سَنَةً
>
> "حضرت شاہ عبدالعزیز اپنی صلاحیت و فضیلت، فہم و ذکاوت اور حافظہ کی تیزی میں دنیا کے گنے چنے لوگوں میں سے تھے، ابھی آپ کی عمر پندرہ برس تھی کہ درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔"

مطالعہ کی وسعت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ آپ کے کتب خانے میں پندرہ ہزار کتابیں تھیں، ان سب کا آپ نے مطالعہ کیا تھا، فرماتے تھے، جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا اور وہ یاد بھی ہیں ان کی تعداد ڈیڑھ سو ہے۔ لیکن یہ بھی عجیب اتفاق کہ عین جوانی میں متعدد اذیت رساں امراض کا شکار ہوگئے، بعض سوانح نگاروں نے ۱۴ امراض کا ذکر کیا ہے، اس کو شوق کہیئے یا کرامت کہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بیماریوں کے اس عالم میں بھی جاری رہا، اخیر عمر میں چند لمحے بھی بیٹھ نہیں سکتے تھے، ٹہلتے رہتے تھے، اور اسی حالت میں طلبہ استفادہ کرتے رہتے، ۱۲۳۹ھ کو اسی سال کی عمر میں وفات پائی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

---

(۱) تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے، نزہۃ الخواطر جلد ۷ صفحہ ۳۴۶، ۳۴۹

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

(متوفی: ۱۳۲۳ھ)

فقیہ عصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے علمی انہماک اور مطالعہ میں محنت کے متعلق لکھا ہے کہ دن رات کھانے سونے کے سات آٹھ گھنٹوں کے علاوہ باقی تمام وقت ایسی حالت میں گزارتے کہ کتاب آنکھوں کے سامنے ہوتی، مطالعہ میں آپ اس طرح محو رہتے کہ پاس رکھا ہوا کھانا اگر کوئی اٹھا کر لے جاتا تو آپ کو خبر تک نہ ہوتی، بسا اوقات کتاب دیکھتے دیکھتے سوجاتے اور رات کا کھانا یاد نہیں رہتا تھا۔

مجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ!

ایک مرتبہ فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب کی خدمت میں جب پڑھا کرتا تھا، جہاں کھانا مقرر تھا، آتے جاتے راستہ میں ایک مجذوب ہوا کرتے، ایک دن وہ بولے "مولوی! روزانہ اس راستے سے تو کہاں جایا کرتا ہے، کوئی دوسرا راستہ نہیں" میں نے عرض کیا "کھانا لینے جایا کرتا ہوں، دوسرا راستہ چونکہ بازار سے ہو گزرتا ہے اور وہاں ہر قسم کی اشیاء پر نظر پڑسکتی ہے اس لئے اس راہ سے آتا جاتا ہوں" مجذوب کہنے لگے شاید تجھے معاشی تنگی اور خرچ کی تکلیف ہے، میں تجھے سونا بنانے کا نسخہ بتاتا ہوں، کسی وقت میرے پاس آجاؤ، فرماتے تھے، اس وقت تو حاضری کا اقرار کر آیا، مگر پڑھنے لکھنے میں انہماک کی وجہ سے بعد میں یاد ہی نہیں رہا، دوسرے دن مجذوب نے پھر یاد دہانی کی، میں نے کہا پڑھنے سے فرصت نہیں، جمعہ کے دن کوئی وقت نکال کر آؤں گا، جمعہ آیا تو مطالعہ میں مشغولیت کی وجہ سے یاد نہیں رہا، مجذوب پھر ملے، کہا کہ تم حسب وعدہ نہیں آئے، میں نے بھولنے کا عذر کیا اور آئندہ جمعہ کا وعدہ کیا، لیکن مطالعہ میں مصروفیت کی وجہ سے

جمعہ کے دن یاد ہی نہیں رہتا تھا، اس طرح کئی جمعے گزر گئے۔

آخر ایک جمعہ کو وہ مجذوب خود میرے پاس آئے اور درگاہ شاہ نظام الدین کی طرف لے جاکر ایک قسم کی گھاس مجھے دکھائی، ساتھ ساتھ ان مقامات کی بھی نشان دہی کی جہاں یہ گھاس اُگتی ہے، پھر وہ گھاس توڑ کر لائے اور مجھے طریقہ بتانے کی غرض سے میرے سامنے اس سے سونا بنایا، پھر سونا مجھے دے کر کہنے لگے، یہ بیچ کر اپنے کام لائیں، تاہم مجھے کتاب کے مطالعہ سے اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ وہ سونا بازار جاکر بیچوں، مجذوب نے ایک دن خود جاکر وہ سونا بیچا اور رقم لاکر مجھے دی۔ (۱)

(۱) دیکھئے آپ بیتی جلد۶ صفحہ ۸۱، ۸۲

مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

(متوفی : ۱۳۳۴ھ)

مولانا محمد یحییٰ حضرت گنگوہیؒ کی عمر کے آخری بارہ برس میں ان کے خادم خاص رہے، حضرت گنگوہی ان کو "بڑھاپے کی لاٹھی" اور "نابینا کی آنکھیں" فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرلیا تھا اور اس کے بعد چھ ماہ تک مسلسل اپنے والد کی طرف سے مامور رہے کہ جب تک قرآن مجید پورا حفظ نہ پڑھ لو گے، روٹی نہیں ملے گی، ہاں ختم کے بعد تمام دن چھٹی، مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں عموماً ظہر سے قبل پورا کلام مجید ختم کرلیا کرتا تھا اور پھر کھانا کھاکر چھٹی کے وقت اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا، حفظ قرآن کے زمانے میں آپ نے خفیہ طور پر فارسی کے بہت سے دواوین از خود دیکھ لئے تھے اور باوجود اس کے حفظ قرآن کے سبق پر اثر نہیں آنے دیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ والد صاحب کو وضو کے اوراد کا خاص اہتمام تھا اور ہم پر بھی اصرار تھا کہ پابندی کریں مگر مجھے علم کی دھن تھی، اس لئے وضو کرتے وقت بھی فارسی اور عربی لغات یاد کرتا، والد صاحب میری رٹائی سنتے تو ملامت کے طور پر فرمایا کرتے، "خوب وضو کی دعائیں پڑھی جارہی ہیں، شرم کی بات ہے۔"

فرماتے تھے، سلّم مجھے ازبر یاد تھی، اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت دوسو مرتبہ پڑھی ہے۔ ادب کی اکثر کتابیں آپ کو حفظ تھیں، نفحۃ الیمن، متنبی، اور حماسہ جیسی کتابیں آپ نے زبانی طلبہ کو املاء کرائیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ پانچ ماہ میں نے نظام الدین کے ایک حجرہ میں اس طرح گزارے ہیں کہ خود مسجد میں رہنے والوں کو معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں، چنانچہ اسی دوران

کاندھلہ سے نکاح طلبی کا تار آیا، لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ مکتوب الیہ عرصہ سے یہاں نہیں ہے، اس عرصہ میں بخاری شریف، سیرۃ بن ہشام، طحاوی، ہدایہ اور فتح القدیر میں نے بالاستیعاب اس اہتمام سے دیکھیں کہ مجھے خود حیرت ہے۔

(۱) تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۰۰

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ

مولانا مملوک علیؒ کے نواسے، دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے بھانجے اور حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف کی بے نظیر شرح "بذل المجہود" کے مصنف مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ صفر۱۲۶۹ھ دسمبر ۱۸۵۲ء کو نانوتہ کی اس مردم خیز سرزمین میں پیدا ہوئے جس کو بڑے بڑے علماء اور یگانہ روزگار شخصیات کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تعلیم کے چند دن دارالعلوم دیوبند میں گزارے، باقی تعلیم و تکمیل کا شرف سہارنپور میں واقع برصغیر کے مشہور مدرسہ "مظاہر علوم" کو حاصل ہوا۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے آپ کی سوانح حیات پر "تذکرۃ الخلیل" کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے، وقت اور نظام الاوقات کی پابندی اور اپنے معمولات کی ادائیگی کا حیران کن درجے تک آپ کو اہتمام تھا، آخری شب اٹھ کر تہجد میں قرآن شریف کی تلاوت کا زندگی بھر معمول رہا، سفر کی صعوبتیں اور حضر کے حادثے اس معمول کی ادائیگی کے لئے کبھی رکاوٹ نہ بن سکے، مولانا عاشق الٰہی آپ کے ساتھ اپنے ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ایک مرتبہ حضرتؒ جیپور کے سفر میں تھے اور بندہ ہمرکاب تھا، گاڑی عشاء کے بعد پہنچی، میزبان نے ایک سرائے میں ہم کو لا اتارا، جس کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں نہ روشنی کا سامان تھا نہ کھانے پینے کا۔ رفیق سفر میزبان روشنی اور کھانے کا انتظام کرنے کے لئے سرائے سے باہر نکلے............ دھم سکھم چراغ جلایا،.. .... ہر چند کہ مجھے حضرت کے ساتھ بارہا سفر کا اتفاق ہوا اور

خوب جانتا تھا کہ آپ اپنے معمولات کے بہت ہی زیادہ پابند ہیں مگر آج شب کی کوفت اور کلفت محسوس کرکے اس کا وہم بھی نہ ہوا کہ آپ تہجد کے لئے اٹھیں گے، چراغ جس نے کھانے کا ساتھ بھی ٹمٹما کر بمشکل دیا تھا، سلام کر گیا اور بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ پڑ کر سو رہیں......... صبح صادق سے گھنٹہ بھر پہلے دفعتاً آنکھ کھلی تو دیکھتا ہوں کہ آپ کی چار پائی خالی ہے، گھبرا کر اٹھا اور باہر ادھر ادھر دیکھا کہ کہاں تشریف لے گئے......... تاروں کی جھلملاہٹ میں ذرا دور ایک مسجد نظر آئی اور میں اس طرف چل دیا، صحن میں قدم رکھا تو حضرت کی آواز کانوں میں پڑی کہ اندر گوشہ میں کھڑے ہوئے تلاوت فرمارہے اور اپنے معبود کے سامنے غلامانہ حاضری کا معمول بجالارہے ہیں، آواز میں گریہ اور رعشہ تھا اور لہجہ میں خوف و خشیہ ملا ہوا۔ مجھے خوف کے مارے پسینہ آگیا کہ تف تیری جوانی پر! حضرت اس بڑھاپے اور ضیعفی میں اتنے مستعد، اور تو عالم شباب میں اتنا کاہل اور کم ہمت۔"

آگے لکھتے ہیں:

"زمانے نے کروٹیں لیں، گردش افلاک نے تغیرات ظاہر کئے، موسم بدلے، عمر کے اوقات نے بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کی صورتیں پلٹیں، سب کچھ ہوا مگر بر ہو یا بحر، حضر ہو یا سفر، ریل ہو یا جہاز، عسر ہو یا یسر، صحت ہو یا مرض، کسی بھی حال میں آپ کے انضباط اوقات اور پابندئ معمولات میں تغیر نہ دیکھا، اس استقامت پر ہزاراں ہزار حسی کرامات قربان کہ اسی کو اہل دل نے فوق الکرامہ لکھا ہے۔"

انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ سرزمین حجاز میں بجوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم جسد خاکی کے لئے کوئی گوشہ میسر آجائے، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ

کو آپ نے وصال فرمایا اور قبۂ اہل بیت کے متصل دفن ہوئے۔ (۱)

خاک قدس اورا باغوش تمنا می گرفت

---

(۱) دیکھئے تذکرۃ الخلیل صفحہ ۵۶، ۵۷ اور ۶۳ باختصار و تغیر

خاتمۃ المحدثین حضرت شیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

اس عظیم محدث اور عجوبۂ روزگار کی جب صفر ۱۳۵۲ھ میں وفات ہوئی تو علمی دنیا میں ایک کہرام مچ گیا۔ ان کے صاحبزادے مولانا انظر شاہ صاحب نے اپنے عظیم والد کی وفات پر منثور مرثیہ لکھتے ہوئے بالکل درست اور صحیح لکھا ہے کہ:

> ”عید گاہ دیوبند کے قریب ایک گوشہ میں وادئ لولاب کے کسی ایک انسان کو دفن نہیں کیا گیا بلکہ کمالِ علم اور کمالِ عمل کی ایک جیتی جاگتی ہستی دفن کردی گئی، یہ تنہا انور شاہ کی وفات نہیں بلکہ چمنستانِ علم سے فصل بہار کی رخصت، کمالِ علم کے پھولوں سے بہجت و شادابی کا خاتمہ، حدیث و تفسیر، فقہ و ادب، معانی و بیان، منطق و فلسفہ اور ان تمام علوم کا زوال تھا جو مرحوم کی شخصیت میں مبدءِ فیاض کی عنایت سے جمع ہوگئے تھے، گردش لیل و نہار کو روکئے اور امیرالمؤمنین فی الحدیث امام بخاری کی رحلت، حافظ ابن تیمیہ کی موت، ابن حجر عسقلانی کا ارتحال، امام غزالی کا سانحہ، محی الدین ابن عربی کی وفات، فخر رازی کا عالم آب و گل سے سفر، ابن رشد اور جاحظ کا دنیا سے پردہ اور کسائی کے چہرے پر موت کے آثار.......... یہ سب منظر دیکھنے والوں نے اس وقت دیکھے جب امام العصر کی میت کو زیر زمیں رکھا جارہا تھا۔ یہ دنیا اپنی زندگی کے ان گنت سال گزار چکی اور خدا جانے کہ اس کی عمر ابھی کتنی باقی ہے لیکن علم کی محفلیں انور شاہ کو کبھی فراموش نہیں کرسکتیں اور جب تک اس کائنات میں علم و فن، دین و دانش کے زمزمے

بلند رہیں گے، یہ فرہادِ کمال بھی زندہ و پائندہ رہے گا۔"

لاہور میں تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے اس مشہور شعر سے تاثرات کا اظہار شروع کیا ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پھر کہا:

"اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ مولانا انور شاہ کشمیری کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا، وہ صرف جامع العلوم قسم کی ایک شخصیت ہی کے مالک نہیں تھے بلکہ عصر حاضر کے دینی تقاضوں پر بھی ان کی پوری نظر تھی۔"

اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے اشکوں سے بھری آنکھیں لے کر طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"بلاشبہ حضرت شاہ صاحب کی وفات سے علماء و طلبہ یتیم ہوگئے، فضل و کمال، تبحر علمی، وسعت معلومات اور قوتِ حافظہ میں آپ کی نظیر نہیں تھی، میں نے ہندوستان اور عالم اسلام کے نامور علماء کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی ہے لیکن علامہ کشمیری کی نظیر کہیں نہیں پائی۔"

ان کی عبقریت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ بارہ سال کی عمر میں جب کہ انسان نے ابھی تمیز کی سرحد تک ٹھیک رسائی بھی نہیں پائی ہوتی ہے، وہ فتوی دینے لگے تھے، نو سال کی عمر میں وہ نہ صرف فقہ و نحو کی عام کتابوں کا مطالعہ کر چکے تھے بلکہ ان کی مطولات کے مطالعہ سے بھی فارغ ہوگئے تھے، وہ خود اپنے حیران کن حافظہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"جس کتاب کا بھی سرسری طور پر مطالعہ کرلیتا ہوں، پندرہ سال تک بقید صفحات اس کے مضامین محفوظ رہ جاتے ہیں۔"

اور حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب اسلامی تاریخ کی ان یگانہ روزگار شخصیات میں سے ایک تھے جن کی عبقریت نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ انسانی تاریخ کے بھی عجائبات میں شمار ہوتی ہے اور شاہ جیؒ نے ان کے متعلق بجا فرمایا تھا کہ اسلافِ اسلام کا ایک کارواں گزر رہا تھا اور حضرت شاہ صاحب چلتے چلتے ان سے پیچھے رہ گئے۔

پوری زندگی انہوں نے عشق علم کی بساط بچھائے رکھی، انہیں اپنی علمی مصروفیات اور تعلیمی انہماک کی وجہ سے ازدواجی زندگی کے بکھیڑوں میں الجھنا پسند نہیں تھا، اس لئے تجرد کا ارادہ کرلیا تھا تاہم اکابر دارالعلوم دیوبند نے اس خدشہ سے کہ کہیں آپ ہجرت نہ کرجائیں، آپ کو نکاح پر مجبور کردیا، اس وقت آپ کا کاروانِ عمر پینتالیس منزلیں طے کرچکا تھا، اکابر کے اصرار پر نکاح کے لئے آمادہ ہوگئے اور گنگوہ کے ایک سادات خاندان میں آپ کا نکاح ہوگیا، نکاح کے بعد یہ داستان ان کے صاحبزادے مولانا انظر شاہ صاحب کی زبانی سنیئے جس میں ایک طرف حضرت شاہ صاحب کی حقیقت گوئی جھلکتی بلکہ چھلکتی ہے اور دوسری طرف ان کے انہماک علمی کے عالم کی کچھ تصویر سامنے آتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"والد ماجد کا اس وقت سن و سال ۴۵ سے متجاوز تھا اور ریش مبارک کا ایک تہائی حصہ سفید ہوچکا تھا، بارات پہنچی تو والدہ کے محلہ میں کہرام بپا ہوگیا کہ ۱۳ سال کی معصوم بچی ایک کبیر السن سے بیاہ دی گئی، جاہل عورتوں نے یہ داستان بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ والدہ تک بھی پہنچائی جو اس وقت دلہن بنی بنائی نکاح کے لئے بیٹھی ہوئی تھیں، بتاتی تھیں کہ اس بے جوڑ شادی کی تفصیلات سن کر میں کانپ اٹھی، نکاح کے بعد رخصتی ہوئی تو جھانسی کے اسٹیشن پر نماز پڑھنے کے لئے یہ سب حضرات اترے، مولانا محمد ادریس سکھروڈوی اس وقت جوانِ رعنا تھے، ریل کے

زنانہ ڈبے سے والدہ کی نظر ان پر پڑی، لطف لے کر بتاتیں کہ اپنے اس خیالی شوہر کو دیکھ کر میں فرحاں و شاداں ہوئی اور بھوپال کی عورتوں کی رنگ آمیز داستاں از اول تا آخر میرے تصورات میں غلط نکلی۔ دہلی اسٹیشن پر مسافر خانہ میں بٹھادیا گیا، دیوبند جانے والی گاڑی میں ابھی قدرے تاخیر تھی، والدہ اور ان کی بڑی بہن جو دلہن کی رفیقہ تھیں اپنے ایک بکس پر بیٹھی ہوئی تھیں کہ حکیم سید محفوظ علی (حضرت شاہ صاحبؒ کے برادر نسبتی) دوڑتے ہوئے پہنچے اور بتایا کہ حضرت شاہ صاحب کچھ بات کرنے کے لئے تشریف لارہے ہیں، اس غیر متوقع آمد پر دونوں بہنوں کو اچنبھا ہوا، اتنے میں حضرت شاہ صاحب پہنچ گئے اور اپنی مخصوص نشست کے ساتھ ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرا ہاتھ پیشانی پر، دونوں بہنوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"میں ایک مفلوک الحال اور غریب الوطن ہوں، شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا، مولانا حبیب اور دوسرے اکابر کے اصرار پر مقہوراً یہ صورت اختیار کرنا پڑی، میرے پاس دینے لینے کے لئے کچھ نہیں، نہ میرا گھر ہے اور نہ گرہستی سے کوئی سروکار، دارالعلوم کے ایک حجرے میں فرد کش ہوں۔"

اللہ اکبر! یہ حقیقت آمیز بیان تھا یا دو معصوم لڑکیوں کے لئے صاعقۂ آسمانی! بہن کی تباہی پر اولاً بڑی بہن سراپا بکا بنیں، اور پھر نئی نویلی دلہن وقف گریہ ہوگئیں، حضرت شاہ صاحب یہ گفتگو کرنے کے بعد اٹھ آئے، بارات دیوبند پہنچی تو دلہن کو مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے مکان میں اتارا گیا، اگلے روز شاہ صاحب نے مولوی ادریس صاحب کی معرفت جو اثاثۂ البیت اپنی دلہن کے لئے بھیجا، اس میں ایک چٹائی، مٹی کا ایک بدھنا، ایک لوٹا اور مٹی

کے دو پیالے تھے......... گھر پر آمد و رفت کا یہ عالم تھا کہ کبھی ہفتہ میں، کبھی عشرہ میں، کبھی پورا ہی مہینہ گزر جاتا......... ایک بار محلّہ کی فرتوت ضعیفہ نے ہمدرد و غمگسار بن کر کہا کہ حضرت شاہ صاحب کی بے التفاتی کو ختم کرنے کے لئے کسی مؤثر تعویذ کی ضرورت ہے، جس کا معاوضہ اس زمانہ میں دس روپے طلب کئے گئے، یہ اپنی غربت کی وجہ سے اس حقیر رقم کا بھی انتظام نہ کرسکیں، اور تو کچھ بن نہ پڑا، اپنا چاندی کا ایک زیور دے دیا، تعویذ آگیا، بازو پر باندھ لیا گیا، چند ہی گھنٹوں کے بعد خلافِ توقع و معمول حضرت شاہ صاحب تشریف لے آئے، فرماتی تھیں کہ اس آمد کو تعویذ کا اثر محسوس کرتے ہوئے میں خوشی سے جھوم رہی تھی کہ تدبیر کارگر ہوئی، شاہ صاحب تشریف فرما ہوئے اور کسی تمہید کے بغیر فرمایا کہ:

"ارے ہم پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہیں، مطالعہ کی کثرت کی بنا پر مفقود الفرصت ہیں، تعویذ وغیرہ سے کوئی فائدہ نہیں۔"

کہتیں، شاہ صاحب یہ فرمارہے تھے اور مجھ پر خجالت سے گھڑوں پانی گرا......... وہ ادھر اٹھ کھڑے ہوئے، ادھر میں نے تعویذ کھول دیا، پھر الحمدللہ بے التفاتی کی کبھی شکایت نہیں ہوئی۔"

مطالعہ میں محنت!

چنانچہ ان کے مطالعہ کے بارے میں ان کے معروف شاگرد محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ "نفحۃ العنبر" میں لکھتے ہیں:

"عام طور پر اکثر علماء اسی وقت کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں جب کسی خاص مسئلہ میں متعلقہ کتابوں کی طرف مراجعت کی ضرورت

> پڑجائے، تاہم شیخ کا طریقہ کار اس سے یکسر مختلف تھا، مطالعہ کے بارے میں ان کا اصول یہ تھا کہ جب کوئی کتاب ان کے ہاتھ لگ جاتی، چاہے وہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں ہو یا مطبوعہ، سقیم ہو یا سلیم، کسی بھی علمی موضوع سے متعلق ہو، آپ وہ اٹھاتے اور اول تا آخر پوری کی پوری پڑھتے:.......... مطالعہ میں محنت کی شدید مشقتیں اٹھائیں، حتی کہ اپنے آپ کو تھکا تھکا کر رکھ دیا، آپ کی زندگی کی جانے کتنی ہی راتیں ایسی گزریں کہ ان میں پہلو بستر سے نا آشنا اور جدا رہا۔"

راہِ علم کا سامان سفر اسی وقت بنتا ہے جب منزلِ مطالعہ کی سختیاں برداشت کی جائیں اور یہ سختیاں اسی وقت سہی جاسکتی ہیں جب طلب علم کا درد نصیب ہو، یہ زادِ راہ جب راہئ علم کو ملتا ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے کہ ؎

سینے سے لگا لو دیوانو! یہ درد بمشکل ملتا ہے

پھر علم کے "کشودِ عقدۂ مشکل" کی سعئ بے حاصل میں بھی لطف صد حاصل محسوس ہوتا ہے اور اس بحر بیکنار کے طوفانوں میں بھی غواصی کے وقت لذتِ ساحل کا احساس ہوتا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ کو طلب علم کا یہ درد اور مطالعہ کی نہ مٹنے والی یہ پیاس اور جذبہ نصیب ہوا تھا..........

کتاب بھی تو ایک روگ ہے اس روگ کا کیا کروں!

چنانچہ ایک مرتبہ آپ بیمار ہوئے، علالت طول پکڑ گئی، فجر کے وقت یہ افواہ مشہور ہوئی کہ حضرت کا وصال ہوگیا، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ یہ سن کر آپ کے مکان کی طرف لپکے، وہاں معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، البتہ تکلیف کی شدت تھی جو برقرار ہے، عیادت کے لئے یہ حضرات کمرے میں پہنچے، کیا دیکھتے ہیں کہ نماز کی چوکی پر بیٹھے سامنے تکئے پر رکھی ہوئی کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہیں اور اندھیرے کی وجہ سے کتاب کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ آنے والے حضرات نے یہ منظر دیکھا تو حیران ہوئے کہ مرض کی

یہ شدت اور مطالعہ میں یہ محنت! شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ہمت کر کے عرض کیا کہ:

"حضرت! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اول تو وہ کون سی بحث رہ گئی ہے جو حضرت کے مطالعے میں نہ آچکی ہو، اور اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری ضرورت کیا پیش آگئی ہے کہ اسے چند روز مؤخر نہیں کیا جاسکتا اور اگر بالفرض کوئی فوری ضرورت کا مسئلہ ہے تو ہم خدام کہاں مرگئے ہیں، آپ کسی بھی شخص کو حکم فرما دیتے وہ مسئلہ دیکھ کر عرض کر دیتا، لیکن اس اندھیرے میں ایسے وقت آپ جو محنت اٹھارہے ہیں، وہ ہم خدام کے لئے ناقابل برداشت ہے۔"

حضرت شاہ صاحب کچھ دیر تو انتہائی معصومیت اور بے چارگی کے انداز میں مولانا شبیر احمد صاحبؒ کی طرف دیکھتے رہے، پھر فرمایا:

"بھائی ٹھیک کہتے ہو، لیکن یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے، اس روگ کا کیا کروں۔"

دن رات مطالعے اور علمی مشاغل میں اس درجہ منہمک رہتے تھے کہ دنیا آپ کو چھو کر بھی نہ گزری تھی، دنیوی بکھیڑوں میں الجھنا آپ کی استطاعت سے باہر تھا، دارالعلوم دیوبند کے اصحاب انتظام اور شاگردوں کو چونکہ اس بات کا علم تھا، اس لئے وہ حضرت کے گھریلو کام دھندوں کو خود ہی نمٹانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ مسجد میں تھے کہ کسی شخص نے آکر اطلاع دی کہ "حضرت! آپ کے کمرے کی چھت گر پڑی ہے" اطلاع دینے والے کا خیال تھا کہ حضرت شاہ صاحب یہ خبر سنتے ہی اچھل پڑیں گے لیکن آپ نے بڑے اطمینان اور انتہائی معصومیت کے ساتھ فرمایا "تو بھائی میں کیا کروں؟ جاکر کہو مولانا حبیب صاحب (مہتمم دارالعلوم) سے!" چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو اطلاع دی گئی اور انہوں نے کمرے کی مرمت کرائی۔ مولانا انظر شاہ صاحب "نقش دوام" میں لکھتے ہیں:

"مرحوم کی زندگی کا سب سے زیادہ ممتاز وصف آپ کا علمی انہماک ہے، اس گوشہ میں آپ کے حیرت انگیز واقعات ان پرانی شخصیتوں سے ملتے جلتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی اسی راہ میں صرف کی، چند ہی گھنٹے آپ کے اس انہماک و شغف سے فارغ رہتے ورنہ آپ کا ایک ایک لمحہ علمی عقدوں کو سلجھانے میں مصروف رہتا، مولانا ادریس نے انہیں سے نقل کیا ہے کہ "میں ہر وقت فکر علم میں مستغرق رہتا ہوں بجز ان اوقات کے جب نیند کا شدید غلبہ ہو۔"

اس مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ نہ جاننے والے لوگ اگر بعض اوقات آپ کی عجیب و غریب باتوں کو دیکھتے تو خدا جانے کیا سمجھتے، بار ہا ایسا ہوتا کہ نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی طرف تشریف لے گئے ہیں اور درمیان ہی سے مسکراتے ہوئے واپس ہوجاتے، کمرہ میں پہنچ کر کتاب یا اپنی کشکول اٹھاتے اور لکھنے کے لئے بیٹھ جاتے، جاننے والے سمجھ لیتے کہ کوئی علمی انکشاف ہوا ہے، فرماتے "میں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں بیس روز میں فتح الباری کی تیرہ جلدیں مکمل دیکھ ڈالی تھیں۔ فرماتے تھے میں نے بخاری شریف کا مطالعہ بارہ دفعہ کیا ہے مطالعہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ فرماتے، چنانچہ ابن ھمام کی شرح فتح القدیر جو آٹھ جلدوں اور ہزار ہا صفحات میں پھیلی ہوئی ہے اس کا مطالعہ کل بیس روز میں آپ نے فرمایا، مطالعہ کے دوران اس کی تلخیص بھی جاری تھی، اس طرح مسند احمد بن حنبل کا دوسو صفحہ روزانہ کے اوسط سے مطالعہ کیا۔"

زمانۂ طالب علمی میں حضرت شاہ صاحب بستر پر لیٹ کر کبھی بھی نہیں سوتے تھے، کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے جب نیند آتی تھی بیٹھے بیٹھے سو لیتے تھے اور جب غنودگی ختم ہوجاتی مطالعہ میں مشغول ہوجاتے ۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ

(متوفی: ۱۳۶۲ھ)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو بعض حضرات نے اپنی صدی کا مجدد کہا ہے، آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے، برصغیر ہند کی مشہور دینی درسگاہ "دارالعلوم دیوبند" میں آپ نے تعلیم حاصل کی، آپ کے دور طالبعلمی کا یہ عجیب معمول لکھا ہے کہ جو خطوط آپ کے نام تعلیمی سال کے دوران آتے، ایک گھڑا مقرر تھا، اس میں ڈال دیا کرتے، جب سالانہ امتحان سے فارغ ہوتے تب وہ خطوط پڑھتے، چھٹیوں میں تھانہ بھون پہنچ کر کسی کے یہاں تعزیت کے لئے حاضر ہوتے اور کہیں تہنیت و مبارکباد دینے کے لئے .... لوگ کہتے، بھائی! ہم نے خط لکھا تھا مگر تمہاری طرف سے جواب نہیں ملا، تو فرماتے:

> "میں کتابیں پڑھنے گیا تھا اور وہاں کتابیں ہی پڑھتا رہا، خطوط پڑھنا میرا موضوع نہیں تھا، اس لئے سالانہ امتحان دینے کے بعد خطوط پڑھے اور اب حاضر خدمت ہوا ہوں۔"

حضرت حکیم الامتؒ کی وقت کی پابندی ضرب المثل تھی، اس کا کچھ تذکرہ گزر چکا ہے، ذیل میں نظام الاوقات کی پابندی کے سلسلے میں ان کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے جو حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ نے آپ کی سوانح حیات "اشرف السوانح" میں لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "آپ کی ایک بہت ہی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وقت ضائع نہیں فرماتے، آپ کا انضباط اوقات نہایت حیرت انگیز ہے، یوں معلوم

ہوتا ہے، کہ ایک مشین ہے جو ہر وقت چل رہی ہے، کسی وقت بے کار نہیں، ظاہر ہے جو ایسا کثیر المشاغل ہو اس کو بلا انضباط اوقات چارہ نہیں اور انضباط اوقات تب ہی ہو سکتا ہے جب اخلاق و مروت سے مغلوب نہ ہو اور ہر کام اپنے وقت اور موقع پر کرلے، اوروں کو تو چھوڑیئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے استاذ تھے، ایک بار مہمان ہوئے، آپ نے راحت کے سب ضروری انتظامات کر کے جب تصنیف کا وقت آیا تو با ادب عرض کیا کہ "حضرت! میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں، اگر اجازت ہو تو کچھ دیر لکھنے کے بعد حاضر ہو جاؤں" فرمایا، "ضرور لکھو، میری وجہ سے اپنا حرج ہرگز نہ کرو" گو اس روز آپ کا دل لکھنے میں لگا نہیں لیکن ناغہ نہ ہونے دیا تاکہ بے برکتی نہ ہو، تھوڑا سا لکھ کر پھر حاضر خدمت ہو گئے۔" (۱)

آخر عمر میں جب آپ ضعیف ہو گئے تھے، بعض حضرات وعظ وغیرہ کم کردینے کا مشورہ دیتے کہ بات کرنے میں تعب ہو گا تو فرماتے، "مگر میں سوچتا ہوں وہ لحاتِ زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت اور نفع رسانی میں صرف نہ ہوں۔ (۲)

(۱) اشرف السوانح صفحہ ۳۰، ۳۱ بتغییر

(۲) مآثر حکیم الامت صفحہ ٦٦

شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ

(متوفی: ۱۳۷۴ھ)

مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مقبول ترین اساتذہ میں سے تھے، فقہ و ادب کی کئی کتابوں پر آپ کی مفید تحقیقی تعلیقات و حواشی موجود ہیں، دور طفولیت ہی میں آپ نے قرآن حفظ کرلیا تھا، اپنے حفظ قرآن کے سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:

> ”حفظ قرآن سے فراغت کے وقت میری عمر کیا تھی مجھ کو یاد نہیں، اس قدر ضرور یاد ہے کہ بعض لوگ میری موجودگی میں میری طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے تھے کہ منشی جی (والد مرحوم) نے ازراہ تفاخر اس کو حافظ مشہور کردیا ہے ورنہ ایسے صغیر السن بچے کا حافظ ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔“ (۱)

اپنی ابتدائی عربی تعلیم کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

> ”میزان الصرف تو اول سے آخر تک بالفاظ یاد تھی، منشعب کے ابواب اور صرفِ صغیر محفوظ تھے، زبدہ بھی بالفاظہا یاد تھا، نحو میں نحو میر اور کافیہ کے آخری چند اوراق کے علاوہ پورا کافیہ یاد تھا اور اس میں اس قدر شغف تھا کہ اکثر اوقات سونے کی حالت میں بجائے قرآن شریف کے میزان الصرف یا نحو میر کے الفاظ زبان سے نکلا کرتے تھے .... اس وقت میری تعلیم کے نگراں ایک ایسے بزرگ تھے جو عربی تعلیم سے قطعاً ناواقف تھے ان کی نگرانی کے نقصان ہی نے میرے کئی سال ضائع کردیئے، اپنی عمر کو ضائع بھی کرتا تھا، مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ میں اپنی عمر

ضائع کر رہا ہوں۔" (۲)

اور ضیاعِ عمر کا یہی احساس جب کسی انسان کو ہونے لگتا ہے تو پھر تھام تھام کر وہ وقت کو استعمال کرتا ہے چنانچہ حضرت شیخ الادب کی وقت کی پابندی ضرب المثل تھی، مولانا انظر شاہ کشمیری مدظلہ آپ کے اس وصف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مولانا کی ایک بڑی خصوصیت جس میں مولانا کی نظیر کم از کم دارالعلوم میں تو آج تک کوئی ملتی نہیں، وہ وقت کی پابندی ہے، یہ وقت کی پابندی جو درس کے لئے اور طلباء و معلّم کے لئے ایک ضروری امر ہے، مولانا کا طرۂ امتیاز تھا، سردی ہو یا گرمی، جاڑہ ہو یا موسم برسات، بیماری ہو یا تندرستی، شادی ہو یا غم، بہرحال مولانا کا اصول یہ تھا کہ سبق ہونا چاہئے، کمرہ میں گھڑی موجود تھی، ابھی درسگاہ میں پہنچنے کے لئے کم از کم دس منٹ باقی ہوتے مگر مولانا کا اضطراب نہ پوچھئے کبھی ادھر ٹہل رہے ہوتے، کبھی ادھر، مدرسہ کے گھنٹہ پر چوٹ پڑی اور مولانا نے درس گاہ کی طرف عجلت کے ساتھ قدم اٹھانا شروع کئے، گھنٹہ بجانے والا ابھی تک گھنٹہ بجانے سے فارغ نہیں ہوا کہ وہ درس گاہ پہنچ گئے اگر کسی طالب علم نے عبارت کے پڑھنے میں تاخیر کی پھر "جی، جی" کے تقاضوں سے طالبعلموں کے ہوش گم ہوگئے ہیں، گھنٹہ کی آواز ابھی فضا میں گونج رہی ہوتی کہ طالب علم عبارت کا اچھا خاصا حصہ پڑھ کر فارغ ہوچکا ہوتا، فضاء میں سکون پیدا ہوتے ہی ان کی گرج دار آواز درس گاہ کی پرسکون فضا میں ایک تلاطم پیدا کردیتی، پورے ساٹھ منٹ بلا مبالغہ سبق ہوتا، ادھر گھنٹہ بجانے والے نے گھنٹہ بجایا، ادھر مولانا کی کتاب بند ہوگئی، اب دوسری جماعت آئی، طالب علم بد حواسی کے ساتھ دوڑ کر درسگاہ میں پہنچ رہے ہیں، اس پر درس گاہ میں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ کسی طالب علم نے مولانا کی اضطرابانہ کیفیتوں

اور ہر ادا سے ایک تقاضا پاتے ہوئے کتاب کی عبارت شروع کردی اور سابق کی طرح فضا میں سکون ہوتے ہی متانت، تازگی، انشراح کے ساتھ سبق کی تقریر پھر سے شروع ہوگئی۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے چھ چھ گھنٹے مسلسل اسی بشاشت و نشاط سے درس دیا ہے، ہجوم افکار اور گوناگوں مشاغل، کبر سنی، اور ضعف قویٰ کے باوجود مولانا کی وقت کی یہ پابندی نوجوانوں کو حیرانی میں ڈال دیتی تھی۔

بارہا مولانا ممدوح ایسے حال میں تشریف لائے ہیں کہ ان کو سخت بخار ہے لیکن درس جاری ہے، وہ سخت سے سخت بیمار ہوتے، تمام اطباء، معالجین اور متعلقین کا اصرار ہوتا کہ "مولانا! اس وقت سبق نہ پڑھایئے مرض کے بڑھ جانے کا امکان ہے۔" لیکن وہ اس سلسلہ میں کسی کی نہیں سنتے تھے اور ایسی حالتوں میں وہ اکثر فرماتے کہ "مولوی صاحب! اسی میں میرے لئے شفا ہے" اور پھر دیکھنے میں بھی یہی آیا کہ جب تک وہ چارپائی پر لیٹے ہوئے ہوتے، بیمار رہتے اور جس وقت درس گاہ پہنچ جاتے اور سبق شروع ہوجاتا تو ان کی ناسازئ مزاج، علالت، کمزوری، اور ضعف سب کچھ ختم ہوجاتا۔ شاید میری آنے والی سطور کو پڑھنے والے یقین کی نگاہوں سے نہ دیکھ سکیں لیکن جو کچھ پیش آیا، اس کے لکھنے پر مجبور ہوں اور جنہوں نے مولانا سے پڑھا، یا ان کو قریب سے دیکھا، وہ میرے بیان کی تصدیق کریں گے کہ پچھلے دنوں جب ہم سب مولانا کی اہلیہ محترمہ کی تدفین سے عصر کے قریب فارغ ہوکر لوٹے تو مغرب کے بعد شمائل ترمذی پڑھانے کے لئے درس گاہ میں مولانا موجود تھے، ہم سب حیران تھے کہ آج بھی ان کے لب و لہجہ میں نہ کوئی فرق اور نہ درس کی سرگرمی میں کوئی تغیر، وہ اسی جوش و خروش کے ساتھ مسلسل پڑھائے چلے جارہے تھے۔"

ہفتہ بھر دن رات مطالعہ!

دارالعلوم میں مولانا ممدوح کثرتِ مطالعہ، کتب بینی، درس و تدریس کی شبانہ روز کی مشغولیت میں منفرد تھے، دارالعلوم کی مدرسی کے ابتدائی دور میں ان کی کثرت سے کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک ہفتہ مسلسل وہ قطعاً نہ سوتے تھے اور شب و روز کتاب کے سوا کوئی اور چیز ان کے ہاتھوں میں، آنکھ کے سامنے، نظر نہ آتی تھی، اس سلسلہ میں ایک واقعہ خود حضرت مولانا نے بارہا مجھ کو سنایا، فرماتے تھے کہ "امام العصر حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع پہنچائی گئی کہ "اعزاز علی" ایک ایک ہفتہ متواتر کتاب دیکھتا رہتا ہے اور اس عرصہ میں رات اور دن آنکھ تک بند نہیں کرتا، مسلسل بیداری کی وجہ سے اس کی صحت روز بروز گرتی جاتی ہے، حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو جو خصوصی تعلق میرے ساتھ تھا، اس اطلاع نے ان کو بے چین کردیا اور مضطربانہ عالم میں شب کو بارہ بجے جب کہ کڑکڑاتی ہوئی سردی پڑ رہی تھی، میرے کمرہ پر تشریف لائے، اس وقت میں مطالعہ کر رہا تھا اور واقعۃً بیداری کی مدت ایک ہفتہ سے زائد ہورہی تھی، تذلب و لہجہ اور پوری ناگواری کے ساتھ فہمائش فرماتے ہوئے کتاب میرے ہاتھ سے لے کر رکھ دی، مولانا اس کے بعد فرماتے تھے کہ "شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تشریف لے جانے کے بعد چند منٹ تو حضرت شاہ صاحب کی اس فہمائش کا مجھ پر اثر رہا اور جب برداشت نہ ہو سکا تو کتاب لے کر پھر مطالعہ میں مستغرق ہوگیا" (۳)

---

(۱) تذکرۂ اعزاز صفحہ ۶۲ تا ۶۴، (۲) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں صفحہ ۹۱، (۳) تذکرہ اعزاز صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت کے متعلق عام طور پر افراط و تفریط پر مشتمل رائے پائی جاتی ہے، بعض لوگوں نے تو ان کو عمل سے لے کر عقائد تک ہر چیز میں مقتدا اور پیشوا تسلیم کرنے کا طرز اپنایا جب کہ ان کے ناقدین اور ان کے عقیدہ و نظریہ سے اختلاف رکھنے والوں میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو ان کی ہر چیز کو تنقید کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں اور ان کی کسی خدمت یا کارنامے کے قائل نہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ اول الذکر رائے ٹھیک ہے کہ مولانا کے بعض دینی نظریات میں ان کی تقلید نہ صرف یہ کہ مناسب نہیں بلکہ خطرناک وادیوں میں سرگردانی کی طرف پہنچانے والی ہے اور نہ مؤخر الذکر حضرات کا رویہ درست ہے کہ مولانا کی دین و ادب کی بعض خدمات ایسی ہیں کہ ان کا انکار حد درجہ غلو اور ذاتی عناد کے سوا کچھ نہیں۔

مولانا آزاد کا اخلاص، ان کی دینی و ملی حمیت، ادب میں مخصوص اسلوب و انشاء پردازی اور تقریر و خطابت کی غیر معمولی صلاحیتیں ان کی تاریخی شخصیت کی ناقابل انکار حقیقتیں ہیں، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہم لکھتے ہیں:

> ”مولانا آزاد کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا اور بہت کچھ لکھا جائے گا..
> .... وہ ہندوستانی سیاست اور ہماری قدیم تہذیب و ثقافت کے ایک ستون تھے، بے عیب ذات خدا کی ہے اور سراپا عصمت زندگی خدا کے پیغمبر کی، جس میں کہیں قیل و قال کی گنجائش نہیں، ان کی بشری لغزشوں اور کمزوریوں کے متعلق بھی ان کے معاصرین اور ناقدین کی نہ زبان کو روکا جاسکتا ہے، نہ قلم کو، لیکن ان کا حیرت

انگیز حافظہ، ان کی غیر معمولی ذہانت، ان کی حاضر دماغی اور بیدار مغزی، ان کی ادبیت اور ان کی انشاء پردازی، جو کسی وقت اور کسی جگہ ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی، ان کی اپنے مطالعہ اور معلومات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی عجیب و غریب صلاحیت، ان کی سیاسی بصیرت اور دور بینی، ان کی خود داری اور عزت نفس ہر شبہ سے بالاتر اور ہر اختلاف سے بے نیاز ہے۔" (پرانے چراغ ۲/۱۲۰)

مولانا آزاد کی زندگی کا ایک عظیم کارنامہ اور شاید سب سے عظیم کارنامہ "الہلال" ہے، الہلال کی صدا کلکتہ سے اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صداؤں سے پورا ہندوستان گونج اٹھا، اس نے بجھی ہوئی طبیعتوں کو رعنائی اور دبے ہوئے جہاد کے جذبوں کو تازگی بخشی، پژمردہ احساسات کو زندگی عطا کی اور اس سے افسردہ خیالات میں شادمانی آئی، وہی الہلال، جس کے بارے میں حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا تھا:

"ہم اپنا سبق بھول گئے تھے، الہلال نے ہمیں اپنا سبق یاد دلایا۔"

چھبیس ۲۶ ہزار کی تعداد میں شائع ہونے والا "الہلال" مجلسوں میں اجتماعی طور پر پڑھا جانے لگا تھا، طرابلس اور بلقان کی جنگوں اور انور پاشا کے مجاہدانہ کارناموں پر آزاد کا قلم آج بھی انسان کو ایک نیا جذبہ، ایک تازہ ولولہ، اور اسلامی حمیت کی ایک زندہ حرارت عطا کرتا ہے، اور ان کے یہ مضامین نہ صرف یہ کہ اسلامی ادب کے ممتاز شہ پارے ہیں بلکہ کلاسیکی ادبیاتِ عالم میں شامل ہونے کے مستحق ہیں۔

آزاد کی تیس سالہ زندگی خود ان کی زبانی!

ذیل میں ہم اپنے موضوع سے مناسبت کی بنا پر مولانا آزاد کی مشہور کتاب "تذکرہ" سے ان کی اس تحریر کا ابتدائی حصہ پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے اپنی گزری ہوئی تیس سالہ زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"یہ غریب الدیار عہد و نا آشنائے عصر و بے گانۂ خویش و نمک

پروردۂ ریش، معمورۂ تمنا و خرابۂ حسرت کہ موسوم باحمد و مدعوبابی الکلام ہے، ۱۸۸۸ء مطابق، ذوالحجہ، ۱۳۰۵ھ میں ہستی عدم سے اس عدمِ ہستی نمامیں وارد ہوا، والد مرحوم نے تاریخی نام "فیروز بخت" رکھا تھا اور مصرعہ ذیل سے ہجری سال کا استخراج کیا تھا۔

"جواں بخت و جواں طالع، جواں باد!"

سبحان اللہ! بخت کی فیروزی اور طالع کی ارجمندی! نیمۂ عمر لغزشوں اور ٹھوکروں کی پامالی و درماندگی میں بسر ہو چکی۔ نیمۂ عمر جو شاید باقی ہے، دم لینے اور ستانے میں ختم ہو رہی ہے، نہ منزل مقصود کا پتہ ہے، نہ شاہراہِ منزل پر قدم! جب پاؤں میں تیزی اور ہمت میں جوانی تھی، تو رہ نوردی و منزل طلبی کا دروازہ نہ کھلا، اب پامالیوں اور افتادگیوں سے نہ قدم میں پامردی رہی، نہ ہمت میں کار فرمائی، تو طلب نے آنکھیں کھولیں اور غفلت نے کروٹ لی، راہ دور اور نشانِ منزل گم، کیسۂ زاد خالی اور سرو سامانِ کار ناپید، وقت جا چکا اور ہر آن و ہر لمحہ کاروانِ مقصود سے دوری اور منزلِ مراد سے مہجوری بڑھتی گئی، اب قدم کی تیزی اور ہمت کی چستی واپس بھی مل جائے پھر بھی وہ "دولت وقت" کب واپس مل سکتی ہے، جو لٹ چکی اور وہ قافلۂ امید کب پس ماندگانِ غفلت کی خاطر لوٹ سکتا ہے جو جا چکا۔

رفتم کہ خار زار پاکشم، محمل نہاں شداز نظر
یک لحہ غافل بودم، و صد سالہ راہم دور شد

ساری فیروز بختی و جواں طالعی کا معاملہ آج نہیں کل فیصل ہونے والا ہے........ اصلی فیروز مندی وہاں کی فیروز مندی ہے اور جواں بخت وہی ہے جو اس آنے والے دن کی آزمائش میں پورا اترے لیکن اگر وہاں رسوائی و مایوسی ملی، تو پھر نہ اس حرمان نصیبی

کے لئے کبھی امید ہے، نہ اس ماتم حسرت کے لئے کبھی خاتمہ، بخت اسکندری و تخت جمشیدی بھی ہاتھ آئے تو لے کر کیا کیجئے، اس وقت کہ ۱۳۳۵ھ قریب الاختتام ہے، قافلۂ برق رفتار عمر، منزل ثلاثین (تیس) تک پہنچ چکا:

يَقُوْلُوْنَ: هَلْ بَعْدَ الثَّلَاثِيْنَ مَلْعَبًا؟
فَقُلْتُ: وَهَلْ قَبْلَ الثَّلَاثِيْنَ مَلْعَبًا؟

قریب ہے کہ چشم زدن میں یہ منزل بھی پیچھے رہ جائے اور آگے کا حال کچھ معلوم نہیں!

کس نمی گویدم از منزل آخر خبرے
صدبیاباں بگذشت و دگرے درپیش است

جتنی زندگی گزر چکی ہے، گردن موڑ کر دیکھتا ہوں تو ایک نمود غبار سے زیادہ نہیں اور جو کچھ سامنے ہے وہ بھی جلوۂ سراب سے زیادہ نظر نہیں آتا..... اپنی سرگزشت و روئیدادِ عمر لکھوں تو کیا لکھوں؟..... نصف افسانۂ امید اور نصف ماتم یاس!.... پہلے مجسم امید تھا، اب سرتا سر حسرت ہوں.... اس پر بھی اگر داستاں سرائی کا شوق ہو تو ان پورے تیس برسوں کی سرگذشت سن لیجئے.. .... ایک صبح امید تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے گزر گئی! ؎

ہم چو عیدے کہ در ایام بہار آمد و رفت

ایک شام مایوسی تھی جس کی تاریکی کو امید کا کوئی چراغ روشن نہ کرسکا! ؎

بجھا ہے جب سے دل مجھ حزیں کا
چراغ جلتا نہیں کہیں کا

امید و حسرت کے دو دن، ایک ہوس تعمیر میں بسر ہوا، ایک ماتم

تخریب میں، ایک دن تنکے چنتے رہے، دوسرے دن دیکھا، تو راکھ کا ڈھیر تھا، جس پر خوب جی بھر کے آنسو بہائے۔ ؎

دریں چمن کہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

عہد طفلی ایک خواب عیش تھا! ؎

حیف صد حیف کہ مازود خبردار شدیم!

آنکھیں کھلیں تو عہد شباب کی صبح ہو چکی تھی اور خواہشوں اور ولولوں کی شبنم سے خارستانِ ہستی کا ایک ایک کانٹا پھولوں کی طرح شاداب تھا، اپنی طرف دیکھا، تو پہلو میں دل کی جگہ سیماب کو پایا، دنیا پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ اس صبح فریب کے لئے نہ تو سوز و تپش کی دوپہر ہے، نہ نا امیدی و ناکامی کی شام!..... غفلت و مدہوشی نے افسوں پھونکا، سرمستی و سرگرانی نے جام بھرے، جنونِ شباب نے ہاتھ پکڑا اور ولولوں اور ہوسوں نے جو راہ دکھلائی، دل کی خود فروشیوں نے اسی کو منزل مقصود سمجھا، ہوش و خرد کو گو پہلے حیرانی ہوئی، لیکن پھر اس نے بھی آگے بڑھ کر اشارہ کیا.......... جس راہ میں قدم اٹھایا، زنجیر اور کمندوں نے استقبال کیا، جس گوشے میں پناہ لی، وہی زندانِ ہوش و آگہی نکلا، ایک قید ہو تو ذکر کیجئے، ایک زنجیر ہو تو اس کی کڑیاں گنئے، دل ایک تھا، مگر تیر ہزاروں ہاتھوں میں تھے، نظر ایک تھی، مگر جلووں سے تمام عالم معمور تھا، ہر کشش نے اپنا تیر چلایا، ہر رہزن نے اپنی کمند پھینکی، ہر افسوں نے اپنا افسونِ محبت پھونکا، ہر جلوۂ ہوش ربا نے صرف اپنے ہی دامِ الفت میں اسیر اور اپنے ہی فتراک اسیری کا نخچیر رکھنا چاہا! ؎

وائے برصید کہ یک باشد و صیادے چند!

یہ بات نہ تھی کہ امتیاز نے بالکل ساتھ چھوڑ دیا ہو اور دیدۂ اعتبار یک لخت کور ہو، برق نے بارہا چشمک کی، ستاروں نے کبھی کبھی پردۂ شب کی اوٹ سے جھانکا، لیکن رات کی تاریکی اور طوفان کی تیرگی ایسی نہ تھی جو ان چنگاریوں سے روشن ہوجاتی وہ برابر بڑھتی گئی ۔

فرصت زدست رفتہ و حسرت فشردہ پائے
کار زار دوا گذشتہ و افسوں نہ کردہ کس

کبھی سرو کی بلند قامتی پر رشک آیا، تو سربلندی و سرفرازی کے لئے دل خون ہوا، کبھی سبزۂ پامال کی خاکساری و افتادگی پر نظر پڑگئی، تو اپنے پندار و خود پرستی پر شرم آئی، کبھی بادِ صبا کی روش پسند آئی تو اقامت گزینی سے وحشت ہوئی، کبھی آبِ رواں کی بے قیدی و بے تعینی اس طرح جی کو بھائی کہ پابندیوں اور گرفتاریوں پر آنکھوں نے آنسوؤں اور دل نے زخموں کے ساتھ ماتم کیا، پھولوں کو جب کبھی مسکراتے دیکھا تو اپنی آنکھوں نے بھی رونے میں کمی نہ کی اور درختوں کو جب کبھی جنبش ہوئی، شاخوں نے جھوم جھوم کر وجد کیا، تو اپنی سنگینی و بے حسی بھی ضرور یاد آگئی، غرض نہ تو اسباب میں کمی تھی اور نہ استعداد بالکل مفقود تھی، بجلیاں کوندتی رہیں، بادل گرجتے رہے لیکن افسوس کہ نیند بھی بڑی ہی سخت تھی اور پشت غفلت کسی بڑے ہی سخت تازیانے کا انتظار کر رہی تھی۔ ۔

نہ پہنچی ضعف سے لب تک دعا ہی ورنہ سدا
درِ قبول تو اس آرزو میں باز رہا"

(دیکھئے تذکرہ صفحہ ۲٦۵،۲۸۰)

فراغتے و کتابے و گوشہ چمنے!

مولانا آزاد مرحوم کو علم کا شوق ابتدا ہی سے تھا، وہ لڑکپن میں اپنے مطالعہ کے ذوق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "لوگ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں بسر کرتے ہیں، مگر بارہ تیرہ برس کی عمر میں میرا یہ حال تھا کہ کتاب لے کر کسی گوشہ میں جا بیٹھتا اور کوشش کرتا کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہوں، کلکتہ میں آپ نے ڈلہوزی اسکوائر ضرور دیکھا ہوگا...... اسے عام طور پر لال ڈگی کہا کرتے تھے۔ اس میں درختوں کا ایک جھنڈ تھا کہ باہر سے دیکھئے تو درخت ہی درخت ہیں، اندر جایئے تو اچھی خاصی جگہ ہے اور ایک بینچ بھی بچھی ہوئی ہے، معلوم نہیں اب بھی یہ جھنڈ ہے کہ نہیں، میں جب سیر کے لئے نکلتا تو کتاب ساتھ لے جاتا اور اس جھنڈ کے اندر بیٹھ کر مطالعہ میں غرق ہو جاتا، والد مرحوم کے خادمِ خاص حافظ ولی اللہ مرحوم ساتھ ہوا کرتے تھے، وہ باہر ٹہلتے رہتے اور جھنجلا جھنجلا کر کہتے "اگر تجھے کتاب ہی پڑھنی تھی تو گھر سے نکلا کیوں؟..... اکثر سہ پہر کے وقت کتاب لے کر نکل جاتا اور شام تک اس کے اندر رہتا۔ اب وہ زمانہ یاد آجاتا ہے تو دل کا عجیب حال ہوتا ہے۔ ؎
>
> عالم بے خبری طرفہ بہشتے بوداست
> حیف صد حیف کہ ما دیر خبردار شدیم
>
> کچھ یہ بات نہ تھی کہ کھیل کود اور سیر و تفریح کی کمی ہو، میرے چاروں طرف ان کی ترغیبات پھیلی ہوئی تھیں اور کلکتہ جیسا ہنگامہ گرم کن شہر تھا، لیکن میں طبیعت ہی کچھ ایسی لے کر آیا تھا کہ کھیل کود کی طرف رخ ہی نہیں کرتی تھی۔ ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ نفس بدخو نہ کند بہ کس نگاہے

والد مرحوم میرے اس شوقِ علم سے خوش ہوتے مگر فرماتے، یہ لڑکا اپنی تندرستی بگاڑ دے گا معلوم نہیں جسم کی تندرستی بگڑی یا سنوری مگر دل کو ایسا روگ لگ گیا کہ پھر کبھی پنپ نہ سکا۔

(غبار خاطر صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۵)

عیش زندگی کا سب سے بہتر تصور!

مولانا آزاد کو جو روگ لگا تھا اس کو وہ غبار خاطر ہی کے ایک دوسرے خط میں (صفحہ ۲۳۸ پر) یوں بیان کرتے ہیں:

"میں آپ کو بتلاؤں، میرے تخیل میں عیش زندگی کا سب سے بہتر تصور کیا ہو سکتا ہے؟ جاڑے کا موسم ہو اور جاڑا بھی قریب قریب درجہ انجماد کا، رات کا وقت ہو، آتشدان میں اونچے اونچے شعلے بھڑک رہے ہوں اور میں کمرے کی ساری مسندیں چھوڑ کر اس کے قریب بیٹھا ہوں اور پڑھنے یا لکھنے میں مشغول ہوں ۔

من ایں مقام بدنیا عاقبت ندہم!
اگرچہ درپیم افتند خلق انجمنے!"

مولانا آزاد کے مطالعہ میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ مطالعہ میں مصروف تھے، کمرے میں چور گھس آیا اور چھ ہزار روپے لے کر فرار ہوگیا، اگرچہ یہ چوری مولانا کی موجودگی میں ہوئی لیکن مطالعہ میں محویت و استغراق کی وجہ سے ان کو پتہ نہیں چلا۔

علم کی محبت، مطالعہ کے شوق اور نئی کتاب کے حصول کے لئے اضطرابی انتظار کا کچھ اندازہ ذیل کے اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جو خود انہوں نے بیان کیا ہے۔

انتظار کتاب!

"رحمت اللہ رعد کی جنتری میں "حیاتِ جاوید" کے قریب الاختتام ہونے کا ذکر چھپا

تھا، میں کہہ نہیں سکتا کہ اس کتاب کی اشاعت کا کیسا سخت اور جان کاہ انتظار مجھ میں پیدا ہوگیا تھا، کم سے کم دو تین جوابی خط ہر مہینے "نامی پریس" کانپور لکھتا تھا کہ کس قدر حصہ باقی ہے؟ پھر انہیں ایک اور خط لکھا اور اس میں صراحت کردی کہ بلا کسی اطلاع کے وی پی بھیجیں، لیکن بایں ہمہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے منیجر کو بھی میرا شوق دیکھ کر ستم ظریفی سوجھی تھی، ایک دن ان کا کارڈ ملا کہ "حیاتِ جاوید" چھپ کر آگئی ہے، آپ کی درخواست درج رجسٹرڈ ہے، اگر مطلوب ہو تو بھیج دی جائے" میں غم و غصہ کو کیونکر بیان کروں جو اس دن مجھ پر طاری ہوا، اگر کوئی ذریعہ ایسا ہوتا کہ چھ دن کی تاریخ کی جگہ ایک دن کے اندر علی گڑھ سے کتاب مجھے پہنچادی جائے تو میں اپنے آپ کو بیچ کر بھی اسے حاصل کرتا، بہرحال یہ سوچ کر کہ تاخیر میں کم از کم تین دن کی تو تخفیف ہوجائے تار لکھوایا اور بھیج دیا، آخر کار چار دن کے بعد پارسل آیا، پوسٹ مین کی صورت، اس کے کاندھے کا بوجھل تھیلا اور اس کے ہاتھ میں لٹکے ہوئے پارسل، اس زمانے میں میری آنکھوں میں دنیا کے سب سے زیادہ حسین منظر تھے، میں اپنا مطالعہ لے کر دوپہر کے وقت نیچے کے کمرے میں یا باہر کے تخت پر بیٹھا کرتا، محض اس انتظار میں کہ پوسٹ مین کے آنے پر بلا کسی ایک لمحے کی تاخیر کے اس کا استقبال کرسکوں، خوش قسمتی سے حیاتِ جاوید کے لئے دوسرے دن کا انتظار نہ کرنا پڑا، پارسل جب ہاتھ میں آیا تو وہ وقفہ جو میری اس کی بندش کھولنے میں لگا، وہ لحۂ مضطرب جو اس کی لوح دیکھنے کے وقت طاری ہوا مجھے ابھی تک نہ صرف یاد ہے، بلکہ محسوس ہورہا ہے، میں نے پوسٹ مین کو روپیہ دیا اور پارسل لے کر اوپر بھاگا۔ "حیات جاوید" جس کی ضخامت ایک ہزار صفحات ہے میں نے دو شب میں ختم کر ڈالی تھی، یہ بھی مجھے یاد ہے کہ میں اپنے اس معمول کے مطابق کہ کسی نئی کتاب کے حصول پر کم از کم ایک وقت کا کھانا ضرور فراموش کردیتا تھا اس دن بھی میں نے شام کا کھانا نہیں کھایا، اس خوف سے کہ اتنی دیر تک مطالعے سے محروم ہوجاؤں گا۔"

سحر خیزی!

مولانا ابو الکلام آزاد کی زندگی نظام الاوقات کی پابند تھی اور وہ اپنے معمولات میں غیر

معمولی حد تک پابند تھے، ان کی سحر خیزی بڑی مشہور تھی، وہ ٹرین میں سفر کرتے ہوئے اپنی سحر خیزی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"مگر دیکھئے صبح چار بجے کے وقت گرانمایہ کی کرشمہ سازیوں کا بھی کیا حال ہے؟ قیام کی حالت ہو یا سفر کی، خوشی کی کلفتیں ہوں یا دل آشوبی کی کاہشیں، جسم کی ناتوانیاں ہوں یا دل و دماغ کی افسردگیاں کوئی حالت ہو لیکن اس وقت کی مسیحائیاں افتاد گانِ بسترالم سے کبھی تغافل نہیں کرسکتیں ؎

فیضے عجبے یافتم از صبح ببینید
ایں جادۂ روشن رہ میخانہ نہ باشد

ٹرین آج کل کے معمول کے مطابق بے وقت جارہی ہے، جس منزل سے اس وقت تک گزر جانا تھا، ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں دکھائی دیتا، سوچتا ہوں تو اس معاملۂ خاص میں وقت کے معاملۂ عام کی پوری تصویر نمایاں ہورہی ہے۔" (غبار خاطر ٦٢)

اپنی اس سحر خیزی کے متعلق ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں:

"اس سحر خیزی کی عادت کے لئے والد مرحوم کا منت گزار ہوں۔ ان کا معمول تھا کہ رات کی پچھلی پہر ہمیشہ بیداری میں بسر کرتے، بیماری کی حالت بھی اس معمول میں فرق نہیں ڈال سکتی تھی، فرمایا کرتے تھے کہ رات کو جلد سونا اور صبح جلد اٹھنا زندگی کی سعادت کی پہلی علامت ہے، اپنی طالب علمی کے حالات سناتے کہ دہلی میں مفتی صدر الدین مرحوم سے صبح کی سنت و فرض کے درمیان سبق لیا کرتا تھا اور اس امتیاز پر نازاں رہتا تھا کیونکہ وہ چاہتے تھے مجھے خصوصیت کے ساتھ اوروں سے علیحدہ سبق دیں اور اس کے لئے وہی وقت نکل سکتا تھا، یہ بھی فرماتے کہ یہ فیض مجھے نانا رکن

المدرسین سے ملا، وہ بھی شاہ عبدالعزیز سے علی الصباح سبق لیا کرتے تھے اور پچھلی پہر سے اٹھ کر اس کی تیاری میں لگ جاتے تھے، پھر خواجہ شیراز کا یہ مقطع ذوق لے کر پڑھتے ۔

مرو بخواب کہ حافظ بہ بارگاہ قبول
نہ ورد نیم شب و درس صبح گاہ رسید

میری ابھی دس گیارہ سال کی عمر ہوگی کہ یہ تمام باتیں کام کر گئیں تھیں، بچپنے کی نیند سر پر سوار رہتی تھی مگر میں اس سے لڑتا رہتا تھا، صبح اندھیرے میں اٹھتا اور شمع دان روشن کرکے اپنا سبق یاد کرتا۔ بہنوں سے منتیں کیا کرتا تھا کہ صبح آنکھ کھلے تو مجھے جگا دینا، وہ کہتی تھیں۔ "یہ نئی شرارت کیا سوجھی ہے۔" اس خیال سے کہ میری صحت کو نقصان نہ پہنچے، والد مرحوم روکتے، لیکن مجھے کچھ ایسا شوق پڑ گیا تھا کہ جس دن دیر سے آنکھ کھلتی دن بھر پشیمان سا رہتا۔" (غبار خاطر صفحہ ١٠٥)

وہ جیل میں اپنے معمولات کے بارے میں ایک خط میں رقم طراز ہیں:

"چونکہ زندگی کے معمولات میں وقت کی پابندی کامنٹوں کے حساب سے عادی ہوگیا ہوں اس لئے یہاں بھی اوقات کی پابندی کی رسم قائم ہوگئی، زندگی کی مشغولیتوں کا وہ تمام سامان جو اپنے وجود سے باہر تھا اگر چھن گیا تو کیا مضائقہ؟ وہ تمام سامان جو اپنے اندر تھا اور وہ جسے کوئی چھین نہیں سکتا، سینہ میں چھپائے ساتھ لایا ہوں، اسے سجاتا ہوں اور اس کی سیر و نظاروں میں محو رہتا ہوں، صرف دو کتابیں میرے ساتھ آگئی تھیں جو سفر میں دیکھنے کے لئے رکھ لی تھی اسی طرح دو چار کتابیں بعض ساتھیوں کے ساتھ آئیں، یہ ذخیرہ بہت جلد ختم ہوگیا اور مزید کتابوں کے منگوانے کی کوئی راہ نہیں

نکلی، کاغذ کا ڈھیر میرے ساتھ ہے اور روشنائی کی احمد نگر کے بازار میں کمی نہیں، تمام وقت خامہ فرسائی میں خرچ ہوتا ہے ۔

جنون بیکار نہ تواں زیستن
آتشم تیز ست و داماں می زنم

جب تھک جاتا ہوں تو کچھ دیر کے لئے برآمدہ میں نکل کر بیٹھ جاتا ہوں یا صحن میں ٹہلنے لگتا ہوں۔

بیکاریٔ جنوں میں ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

(غبار خاطر صفحہ ۱۴۵)

۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو آپ کی وفات ہوئی، شورش کاشمیری نے آپ کے مزار پر ہی ایک مشہور مرثیہ کہا جس کے چند بند آپ بھی پڑھئے ۔

عجب قیامت کا حادثہ کہ اشک ہیں آستیں نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی میں مرنے والے! وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

کئی دماغوں کا ایک انسان سوچتا ہوں، کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے زبان سے زورِ بیاں گیا ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے، امید کیا؟ کارواں گیا ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

یہ کون اٹھا کہ دیر و کعبہ شکستہ دل، خستہ گام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم خواص پہنچے، عوام پہنچے
تری لحد پر خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

(متوفی: ۱۳۹۴ھ)

مولانا ادریس کاندھلویؒ کا مطالعہ اور علمی انہماک بڑا مشہور تھا، طالب علمی میں قلب کے دورے کی شکایت ہوگئی، اکثر بیہوش ہوجاتے، جوں ہی ہوش آتا، مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، وہ علم کے لئے پیدا کئے گئے تھے اور علم ان کی پوری زندگی اوڑھنا بچھونا رہا، فرماتے تھے، ہر وقت دماغ کسی علمی مسئلہ میں مشغول رہتا ہے، گھر سے دارالحدیث تک آتا ہوں تو کئی احادیث کی تشریح اس دوران کرلیتا ہوں، مولانا انظر شاہ کشمیری صاحب ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> "قصبہ کاندھلہ.......... اپنی مردم خیزی میں شہرۂ آفاق ہے، اس قصبہ سے جو بھی اٹھا، آفتابِ علم و حسن عمل کا بدر منیر بن کر اٹھا، آپ کے والد نے آپ کی ایسی تربیت کی کہ افق علم کے ایک روشن سیارہ بن گئے، فراغت مظاہر علوم سے حاصل کی اور پھر دیوبند مکرر دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے تشریف لائے.........
>
> صورت پر بھولا پن، سیرت میں معصومیت، اداؤں میں ربودگی، گفتگو میں علم و تحقیق، مطالعہ کے اس قدر شوقین کہ ہر وقت دارالعلوم کے کتب خانے پر مسلط رہتے۔
>
> علمی انہماک کا یہ عالم تھا کہ ایک بار جب کانگریس کی تحریک شباب پر تھی اور ہر کانگریسی جیل میں ٹھونس دیا گیا تھا، وہ اچانک اپنے استاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے در دولت پر تشریف لائے،

علامہ مرحوم اس وقت اخبار کا مطالعہ فرمارہے تھے، یہ سلام کر کے بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ "حضرت! سنا ہے، ملک میں کوئی تحریک چل رہی ہے" علامہ نے اخبار ان کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ "لیجئے، مطالعہ کیجئے" مولانا نے اخبار کے صفحات گنے جو آٹھ تھے، فرمایا کہ اگر کتاب کے آٹھ صفحات کا مطالعہ ہو تو کتنا فائدہ ہوگا، یہ کہہ کر یہ جا، وہ جا، علامہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔"

(نقش دوام صفحہ ۶۵)

آپ کے اسی انہماک علمی، شوق علم، وسعت مطالعہ اور زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر کا نتیجہ تھا کہ آپ نے کئی مفید اور مقبول کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں قرآن کریم کی سات جلدوں میں تفسیر "معارف القرآن" مشکوٰۃ شریف کی سات جلدوں میں عربی شرح "التعلیق الصبیح" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر چار جلدوں میں "سیرۃ مصطفیٰ" بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس سرزمین دیوبند میں پیدا ہوئے جہاں سے مجاہدین اسلام کے ایک گزرتے کارواں کے سرخیل حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ الہامی کلمات نکلے تھے:

"مجھے اس مٹی سے علم کی خوشبو آرہی ہے۔"

مفتی صاحب کے بچپن، لڑکپن، جوانی اور کہولت کی تمام منزلیں اس چھوٹی سی بستی میں واقع، برصغیر ہند کے اس عظیم علمی مرکز میں گزریں جس سے علوم نبوت کے پھوٹنے والے چشموں سے نہ صرف خزاں رسیدہ چمنستان ہند میں تازگی اور اس کے برگ و بار میں بالیدگی پیدا ہوئی بلکہ اس سے جاری ہونے والے فیض کی لہروں سے دنیا کا چپہ چپہ فیض یاب ہوا، اسلامی علوم کی محافظ، فرنگی اقتدار و تہذیب کے بڑھتے ہوئے سیلاب بلاخیز کا مقابلہ کرنے والی اس عظیم دینی درس گاہ نے وہ فرزندانِ اسلام اور پرستارانِ توحید پیدا کئے، جو آسمانِ دین و دانش کے ماہ و پروین بن کر جلوہ گر ہوئے اور بتکدۂ ہند میں "چراغ مصطفوی" بن کر "شرار بولہبی" کا مقابلہ کرتے رہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرزندانِ دارالعلوم دیوبند کی ان ہی سعید ہستیوں میں سے ایک ہیں، مفتی صاحب کا میدان ادب بھی رہا اور فلسفہ و منطق بھی، افتاء بھی رہا اور حدیث و تفسیر بھی، تصوف بھی رہا اور تحقیق و تصنیف بھی، مفتی صاحبؒ نے ایک سو باسٹھ کتابیں لکھیں، حسن قبول کی حامل آٹھ جلدوں پر مشتمل تفسیر "معارف القرآن" اردو تفاسیر میں بہت ممتاز مقام رکھتی ہے۔

ویسے تو آپ کے مختلف میدانوں میں متنوع کارنامے ہیں، لیکن آپ کا ایک عظیم اور نمایاں کارنامہ مادرِ علمی "دارالعلوم کراچی" کا قیام ہے، یہ حضرت مفتی صاحبؒ کے ہاتھ

کا لگایا ہوا ایک گل ہے لیکن ..... اس "دبستان علم و آگہی" کی آغوش میں رہ کر ایک چمکتے اور مہکتے گلستان کا احساس ہوتا ہے اور حضرت عارفیؒ نے اپنے شیخ کے متعلق جو کچھ کہا تھا، مادر علمی کے بارے میں خراج عقیدت کے اظہار کی اس سے بہتر تعبیر اور کیا ہو سکتی ہے۔ ؎

موسم گل میں پوچھتے ہو کیا حال تم اس دیوانے کا
جس نے ایک ہی گل کے اندر سارا گلستان دیکھا ہو

طلب علم میں انہماک!

استاذ محترم مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم آپ کے انہماک علمی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"علمی ذوق آپ کی زندگی کے ہر شعبہ پر غالب رہا، زمانۂ طالب علمی میں آپ جس انہماک اور جانفشانی سے اپنے اسباق کی طرف ہمہ تن متوجہ رہے، اس کی مثالیں دور حاضر میں نایاب ہیں، عربی تعلیم باقاعدہ شروع فرمانے کے وقت سے دارالعلوم ہی گویا آپ کا گھر تھا، اسباق سے فارغ ہوکر اپنے ہم سبقوں کو روزانہ کے اسباق کا اسطرح تکرار (اعادہ) کراتے تھے کہ استاذ کی تقریر کا پورا چربہ اتر جاتا تھا، طلبہ اتنی اہمیت سے اس تکرار میں شریک ہوتے کہ مستقل ایک درس کی سی صورت بن جاتی۔

اکثر صبح کو دارالعلوم جاکر رات ہی کو واپسی ہوتی اور بعض اوقات رات کو بھی وہیں مولسری کے درخت کے نیچے کھلے فرش پر سوجاتے، تکرار عموماً رات کو ہوتا تھا اور جب گھر واپسی ہوتی تو کبھی رات کا ایک بج جاتا، کبھی دو، ایک مرتبہ دارالعلوم کراچی کے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> "رات کو والدہ میرا انتظار کرتی تھیں کہ کھانا گرم کرکے دیں، ان کے انتظار میں مجھے تکلیف ہوتی تھے، بڑی منت سماجت سے اس پر راضی کیا کہ میرا کھانا ایک جگہ رکھ دیا کریں، سردیوں کی راتوں میں شوربہ اوپر سے بالکل جم جاتا اور نیچے صرف پانی رہ جاتا، میں وہی

کھاکر سوجایا کرتا۔"

دیوبند آپ کا وطن تھا اور تمام اعزہ و اقارب کے گھر یہیں تھے لیکن طالب علمی میں ان کے یہاں جانے کا وقت بھی نہ ملتا، نہ محلے کے ہم عصر لڑکوں سے دوستانہ تعلقات کی نوبت آئی، حتیٰ کہ آپ کو دیوبند کے جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، تمام راستے بھی بخوبی معلوم نہ تھے، تعلیمی انہماک کے باعث کسی اور کام کی فرصت ہی نہ ملتی تھی، جب کچھ وقت ملتا حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں جابیٹھتے۔

ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ کے مخصوص شاگرد و مرید اور مدرسہ عبدالرب دہلی کے بانی حضرت مولانا عبدالعلی صاحب دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، معزز مہمان اور دوسرے اساتذہ کرام کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کھڑے تھے، قریب سے حضرت والد صاحب بغل میں کتابیں دبائے گزرنے لگے، تو مہتمم نے بلالیا اور معزز مہمان سے فرمایا:

"یہ دارالعلوم کا ایسا طالب علم ہے کہ اسے اپنی کتابوں کے علاوہ کسی چیز کا ہوش نہیں، نہ اپنے کپڑوں کی خبر ہے، نہ جان کی، کتاب کا کوئی سوال پوچھو تو محققانہ جواب دے گا۔"

مولانا عبدالعلی صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ تو مولوی محمد یٰسین صاحب کا لڑکا معلوم ہوتا ہے، مولانا کا قیافہ مشہور تھا۔

ایک مرتبہ شرح جامی کا امتحان شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس تھا، اس وقت تک آپ نے کوئی کتاب مولانا سے نہیں پڑھی تھی، تحریر سے نہ پہچان سکے، آپ کا نہایت ممتاز اور محققانہ پرچہ دیکھ کر حیرت و مسرت ضبط نہ کرسکے، پرچہ لے کر فوراً مہتمم صاحب کے پاس آئے اور پوچھا یہ کون طالب علم ہے؟ اس نے تو اس کتاب کی شرح تصنیف کردی ہے، یہ سنتے ہی مہتمم صاحب فرط مسرت سے امتحان گاہ تشریف لائے، حضرت والد صاحب اس وقت کسی اور امتحان کا پرچہ لکھ رہے تھے، آپ کو بلا کر تمام طلبہ کے سامنے کھڑا کیا اور آپ کے سر پر ہاتھ رکھ کر پرچہ کی غیر معمولی خوبی کا اعلان فرمایا۔" (۱)

علمی مذاق!

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم لکھتے ہیں:

"حضرت والد صاحب کو بچپن میں بھی کھیل کود کا زیادہ شوق نہیں ہوا، اس کی بجائے عصر کے بعد جب دوسرے بچے کھیل کود یا سیرو تفریح میں لگتے، والد صاحب حضرت شیخ الہندؒ یا اپنے کسی دوسرے استاذ کی مجلس میں جا بیٹھتے تھے، پھر جب والد صاحب کا رشتۂ تلمذ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے ساتھ ہوا تو جو علمی مذاق گھٹی میں پڑا ہوا تھا، اسے اور جلا ملی اور وسعت مطالعہ، تحقیق و تدقیق اور کتب بینی کا صرف ذوق ہی نہیں بلکہ اس کی نہ مٹنے والی پیاس پیدا ہوئی۔

مطالعے کا ذوق!

حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دوپہر کو جب مدرسے میں کھانے اور آرام کا وقفہ ہوتا تو میں اکثر دارالعلوم کے کتب خانے میں چلا جاتا تھا، وہ وقت ناظم کتب خانہ کے بھی آرام کا ہوتا تھا، اس لئے ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ میری وجہ سے چھٹی کے بعد بھی کتب خانے میں بیٹھے رہیں، چنانچہ میں نے انہیں باصرار اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ دوپہر کے وقفے میں جب وہ گھر جانے لگیں تو مجھے کتب خانے کے اندر چھوڑ کر باہر سے تالا لگاجائیں، چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے اور میں ساری دوپہر علم کے اس رنگا رنگ باغ کی سیر کرتا رہتا تھا۔

فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے کی کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جو میری نظر سے نہ گزری ہو، اگر کسی کتاب کو میں نے پورا نہیں پڑھا، تو کم از کم اس کی ورق گردانی ضرور کرلی تھی، یہاں تک کہ جب تمام علوم و فنون کی الماریاں ختم ہوگئیں، تو میں نے ان الماریوں کا رخ کیا جنہیں کبھی کوئی شخص ہاتھ نہیں لگاتا تھا، یہ اشتات (متفرقات) کی الماریاں تھیں اور جن کتابوں کو کسی خاص علم و فن سے وابستہ کرنا ناظم کتب خانہ کو مشکل معلوم ہوتا تھا وہ ان الماریوں میں رکھ دی جاتی تھیں، ان کتابوں میں

چونکہ موضوع کے لحاظ سے کوئی ترتیب نہ تھی اس لئے اس جنگل میں داخل ہونا لوگ بے سود سمجھتے تھے کہ یہاں کوئی گوہر مطلوب حاصل کرنا تریاق از عراق سے کم نہ تھا، لیکن جب ساری الماریاں ختم ہوگئیں، تو میں نے اشتات کے اس جنگل کو بھی کھنگالا اور اس کے نتیجے میں ایسی ایسی کتابوں تک میری رسائی ہوئی جو گوشۂ گمنامی میں ہونے کی بنا پر قابل استفادہ نہ رہی تھیں، کتب خانے کے اس سروے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے وسیع و عریض کتب خانے میں مجھے بحمد اللہ یہ معلوم رہتا تھا کہ کون سی کتاب کس موضوع پر ہے اور کہاں رکھی ہے؟

فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہمیں دورۂ حدیث ہی کے سال میں اس بات کی تاکید فرمائی تھی کی فارغ التحصیل ہوجانے کو کبھی منتہائے مقصود نہ سمجھنا، فراغت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کے بعد انسان میں قوت مطالعہ پیدا ہوجاتی ہے اور علم کا دروازہ کھل جاتا ہے اب یہ فارغ ہونے والے کا کام ہے کہ وہ علم کی چند کلیوں پر قناعت کرنے کے بجائے اس دروازے میں داخل ہو اور اس قوت مطالعہ کو کام میں لاکر علم میں وسعت و گہرائی پیدا کرے، چنانچہ فراغت کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کے زیر ہدایت ہم نے کامل دو سال کتب بینی میں صرف کئے۔

کتاب سے عشق!

کتاب سے والد صاحب کے عشق کا عالم یہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں جب بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا تو ابتدائی تنخواہ پندرہ روپے ماہانہ مقرر ہوئی اور جب ۱۳۶۲ھ میں آپ نے دارالعلوم سے استعفیٰ دیا تو اس وقت ترقی ہوتے ہوئے پینسٹھ روپے ماہانہ تک پہنچے تھے، اس تنخواہ کے ساتھ آپ نے اپنا جو ذاتی کتب خانہ جمع کیا، وہ تقریباً بارہ طویل و عریض الماریوں میں سماتا ہے۔

میں نے ہمیشہ دیکھا کہ جب والد صاحب کسی جگہ تشریف لے جاتے اور وہاں کچھ کتابیں نظر پڑجاتیں تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آپ ان پر ایک نظر ڈالے بغیر گزر جائیں اور کوئی کتاب پہلے ہی سے دیکھی ہوتی تو خیر، ورنہ کتنی ہی جلدی کا وقت ہو، اسے الٹ پلٹ

کر دیکھنا لازمی تھا۔

آخر عمر میں جب عارضۂ قلب کے ساتھ بینائی بھی کمزور ہوگئی، تو بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ میرے سالہا سال اس طرح گزرے ہیں کہ مطالعے کے لئے کوشش کے باوجود وقت نہیں نکلتا تھا اور اب بیماری کی وجہ سے مصروفیات سمٹی ہیں تو آنکھوں میں مطالعے کی طاقت نہیں رہی لیکن مجھے خوب یاد ہے کہ ایسی حالت میں بھی جب کبھی میں یا کوئی اور، ہاتھ میں کوئی کتاب لے کر پہنچ جاتا تو یہ پوچھتے ضرور تھے کہ یہ کون سی کتاب ہے؟ اور کوئی نئی کتاب ہوتی تو اس کی تفصیلات ضرور معلوم فرماتے تھے۔

جب کوئی نئی کتاب آتی تو والد صاحب اسے چند روز اپنے قریب رکھتے تھے اور خواہ کتنی مصروفیات میں الجھے ہوئے ہوں، اس کے معتد بہ مطالعے کے لئے ضرور وقت نکال لیتے تھے، آخر عمر میں "صحیح ابن خزیمہ" کی پہلی جلد شائع ہوئی اور میں نے اجازت لے کر مدرسے کے لئے منگوائی، جب میں اسے لے کر والد صاحب کے پاس گیا تو والد صاحب کو خوشی تو بہت ہوئی کہ وہ کتاب نگاہوں کے سامنے تھی جو صدیوں سے نایاب چلی آرہی تھی، لیکن ساتھ ہی آپ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا کہ یہ نعمت اس وقت میسر آئی ہے جب بینائی جواب دینے لگی ہے......... اور پھر واقعہ سنایا کہ حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ کے پاس "سنن بیہقی" کا نسخہ اس وقت پہنچا تھا جب حضرت کی بینائی جاتی رہی تھی، چنانچہ حضرت نے اس کا کچھ حصہ تو پڑھوا کر سنا اور باقی کتاب پر صرف ہاتھ پھیر پھیر کر اپنے ذوق کی تسکین فرمائی، میں بھی اس وقت حضرت گنگوہیؒ کے اس عمل کی تقلید کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔" (۲)

مفتی صاحبؒ کو وقت کی قدر و قیمت اور عمر عزیز کی اہمیت کا اس قدر احساس تھا کہ بیت الخلاء کا وقفہ بھی شاق معلوم ہوتا، اس وقفہ میں اور کوئی کام تو ہو سکتا نہیں، لوٹا اگر میلا ہوتا اسے صاف کر لیتے۔

وقت کی اس طرح قدر، محنت کے اس جذبے اور علم و مطالعہ کے ساتھ اس لگاؤ اور عشق کا نتیجہ تھا کہ ایک سو باسٹھ کتابیں لکھیں اور جو فتاویٰ آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم کراچی میں محفوظ ہیں ان کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہے۔ (۳)

مفتی صاحب نے ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ کو دارالعلوم کراچی میں انتقال فرمایا، مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم نے آپ کی وفات پر ایک پر درد نظم کہی جس کے چند اشعار آپ بھی پڑھیے۔

کیوں تیرہ و تاریک ہے نظروں میں جہاں آج
کیوں چھائے ہیں ہر سمت یہ ظلمت کے نشاں آج
یوں برق و شرر نے مرا پھونکا ہے نشیمن
باقی ہے کوئی شاخ، نہ تنکوں کا نشاں آج
اب زیست کا ہر مرحلہ نظروں میں کٹھن ہے
گرداب بلا خیز ہے یہ نہر رواں آج
دل میں وہ تلاطم ہے کہ ہلچل سی مچی ہے
اور آنکھ ہے ظالم! کہ بس اک خشک کنواں آج
دنیا مرے دوستو! مٹی کا گھروندا
اور زندگی اک کارگہ شیشہ گراں آج
جو مرکز الفت تھے جو گلزارِ نظر تھے
ہیں خاک کا پیوند وہ اجسامِ بتاں آج
ناگاہ کوئی دم میں لد جائے گا ڈیرہ
دھوکے ہیں یہ سب، جن پہ ہے منزل کا گماں آج

(۱) البلاغ مفتی اعظم نمبر صفحہ ۹۹، ۱۰۱

(۲) البلاغ مفتی اعظم نمبر صفحہ ۲۶۷، ۲۷۰

(۳) البلاغ نمبر صفحہ ۳۹۶

محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہ

راہ علم کا یہ مسافر جس کا نام سن کر آج دل میں محبت کی ایک دنیا آباد ہوجاتی ہے، جس کی پوری زندگی اسلام کی خدمت، دین کی حفاظت اور باطل فتنوں کے سدباب اور ان کی سرکوبی میں گزری، نہ جانے کتنی تکالیف اس مرد مجاہد نے سہیں، کسمپرسی اور بے بسی کے کن حالات سے گزر کر زمانہ سے اپنا لوہا منوایا اور جہادِ زندگانی کے کس قدر مشکل ترین مراحل طے کرنے کے بعد نسیم زندگی صبح خنداں کا پیغام لائی، اس کا کچھ اندازہ مولانا کی زندگی کے دورِ آزمائش کے اس واقعہ سے ہوتا ہے جو آپ کے رفیق حیات مولانا لطف اللہ صاحب نے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ”وہ عجیب و غریب رات مجھے نہیں بھولتی جب مولانا کی بیٹھک میں مولانا کا نکاح پڑھایا، مولانا خود دولہا تھے اور خود ہی دوسری طرف سے وکیل تھے، خود ہی نکاح خوان تھے، میں اور مولانا عبدالحق نافع گواہ تھے، شادی کے لئے اور اہتمام تو کیا ہوتا، کوئی جوڑا بھی نہیں بنایا گیا، نہ دولہا کے لئے، نہ دولہن کے لئے، بس بدن کے پہنے ہوئے کپڑے ہی جامۂ عروسی تھا، گھر میں دو سیر چاول تھے، وہ پکائے، کھائے گئے، یہ مولانا کا ولیمہ تھا، گھر میں ایک چارپائی سالم تھی اور ایک ٹوٹی ہوئی! سوائے ہم دونوں کے کسی کو شادی کا پتہ بھی نہ چلا.
> .... یہ تھا مولانا محمد یوسف نبوری کی شادی کا نقشہ جن کی رحلت پر پورے عالم اسلام نے ماتم کیا۔“

مولانا حبیب اللہ مختار زید مجدھم نے آپ کی رحلت پر اپنے جذبات کو لفظوں کی زبان یوں دی ہے:

"وہ آفتاب رشد و ہدایت جو بروز پنج شنبہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ میں مہابت آباد میں طلوع ہوا تھا بروز دوشنبہ ۳ ذی القعدہ ۱۳۹۷ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو راولپنڈی میں غروب ہو گیا جب یہ خبر کانوں میں پڑی تو حواس ختم، عقل گم، زباں گنگ اور شعور معطل ہو گیا..... . آنکھوں سے آنسو اور زبان سے آہیں جاری ہو گئیں ...... ہر شخص اپنی جگہ مجسمہ حیرت اور سراپا غم و الم بنا ہوا تھا، واقعی اگر خدا کی طرف سے صبر نہ ملتا تو نہ معلوم کتنے دھڑکتے دل بند ہو جاتے، کتنے ہی مسکراتے چہرے ماند پڑ جاتے، کتنے گھرانے اجڑ جاتے، کتنے ہی بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو جاتیں، ایک ایسی خبر جس پر روتے روتے آنکھیں سوج جائیں، بے نور ہو جائیں، تب بھی حق ادا نہ ہو، سات سمندر آنسو بن کر بہہ جائیں تب بھی سکون و قرار میسر نہ ہو۔

دلِ مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
امیدیں اس قدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں
ہوا ہوں اس قدر افسردہ رنگ باغ ہستی سے
ہوائیں فصل گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں"

مولانا یوسف لدھیانوی مدظلہم کی تعبیر بھی پڑھیے:

"آج کا دن پاکستان کی علمی و دینی تاریخ میں ایک المناک سانحہ اور جانگداز المیہ کی حیثیت سے یادگار رہے گا، آج اقلیم علم کا تاجدار، مسند ولایت کا صدر نشین، گلشن دین کا باغبان، حریم نبوت کا پاسبان، ولی اللہی سلسلہ کا امین، قاسمی حکمت کا رازدان، انوری علوم و معارف کا وارث، علم و معرفت کا بحر مواج، اسرارِ شریعت کا نکتہ رس، شجرۂ سیادت کا گل سر سبد سید زکریا کا لخت جگر، شیخ آدم

بنوری کی آنکھ کا تارا، حسینی خانوادہ کا چشم و چراغ، دودمانِ نبوت کا چاند اور سیادت و قیادت کا آفتاب دنیا کے افق سے غائب ہوگیا، ہمارے شیخ السید الامام محمد یوسف بنوری رحلت فرماگئے۔ حضرت قدس سرہ علم کا خزانہ تھے، عمل کا نمونہ تھے، عاقل و فہیم تھے، ذکی و لبیب تھے، عابد و زاہد تھے، متقی و پرہیز گار تھے، جری و بہادر تھے، نڈر و حق گو تھے، فیاض و سخی تھے، انہیں جو کچھ ملا تھا موہبت خداوندی سے ملا تھا اور ان کے تنہا وجود میں اس قدر فوق العادت اوصاف و کمالات قدرت نے جمع کردئے تھے کہ ایک بڑی جماعت پر تقسیم کردیئے جائیں تو محاسن سے مالا مال ہو جائے۔"

اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے اپنے یہ اوصاف تقسیم کر کے محاسن سے مالا مال علماء کی ایک جماعت تیار کی، وہ خود علم و عمل کا ماہِ تاباں تو تھے ہی اپنی روشنی سے علم کے کئی ستاروں کو بھی روشن کیا، ان کے بعد ان کے عظیم مدرسہ کا آسمان جن درخشاں ستاروں سے جگمگاتا رہا ہے ان سب کی روشنی ان ہی سے مستفاد ہے، مولانا بنوری رحمہ اللہ کے تمام اوصاف میں ایک ممتاز وصف باصلاحیت افراد کو بنانے اور بڑھانے کا تھا، افراد سازی کے اس سلسلہ میں وہ اکابر دیوبند کے نقش قدم پر تھے، وہ خود گئے —— اور جانا تو سب ہی کو ہے —— تو اپنے پیچھے دین کے متنوع شعبوں کے لئے کئی افراد کو تیار کر کے، انہیں دین کی خدمت میں لگا کر اور آگے بڑھا کر گئے۔

مولانا بنوری رحمہ اللہ کو اللہ جل شانہ نے حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے علوم کی ترجمانی اور نشرو اشاعت کے لئے پیدا فرمایا تھا، وہ خود فرماتے ہیں:

"حضرت شاہ صاحب کے درس کے انتظار میں منٹ اور سیکنڈ تک شمار کرتا تھا اور درس میں اس طرح شریک ہوتا تھا کہ ایک ایک حرف اور استاذ کی ایک ایک حرکت و سکون تک یاد ہوتی تھیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا قلب شاہ صاحب کے علوم کو جذب کررہا ہے۔"

فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کی خواب میں زیارت ہوئی، سر جھکائے تشریف فرما ہیں، گردو پیش کچھ برتن پڑے ہیں، میں نے سلسلۂ دعا کے بعد عرض کیا "آپ کی ان چیزوں کا وارث کوئی اور ہوگا مگر آپ کے علوم و انفاس کا وارث میں ہوں" میں جوش کے ساتھ اسی فقرے کو دہرارہا ہوں، حضرت شاہ صاحبؒ نظریں اوپر نہیں اٹھاتے، آخر میں فرمایا "میں آپ کو پہچانا نہیں تھا"...... شوقِ علم، ذوق مطالعہ اور وسعت علم میں وہ اپنے استاذ کے صحیح جانشین تھے، بقول مولانا طاسین صاحب:

"علم کا مولانا بنوری قدس اللہ سرہ سے تعلق غیریت کا نہیں عینیت کا تھا، مولانا عالم نہ تھے بلکہ سراپا علم تھے، علم آپ کی ذات میں ایسا رچا بسا ہوا تھا جیسے پھول کے اندر رنگ و بو اور یا ہیرے کے اندر چمک دمک، علم آپ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر نقل و حرکت سے جھلکتا تھا .... آپ علم کا ایک گرانمایہ خزینہ اور بیش بہا گنجینہ، ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا، ایک پر بہار گلستان تھے اور بلاشبہ لفظ "علامہ" کے صحیح اور کامل معنوں میں مصداق!"

مولانا کے علم کا عظیم شاہکار ان کی بلند پایہ تصنیف "معارف السنن" ہے، یہ چھ جلدوں پر مشتمل ترمذی شریف کی کتاب الحج تک کی شرح ہے، ٹھوس علمی و تحقیقی تصنیف ہونے کے باوجود اس میں ادب کی چاشنی اس انداز سے رچی بسی ہوئی ہے اور بے ساختگی، سلاست، روانگی اور شگفتگی اس قدر ہے کہ فقرے فقرے پر ذوقِ سلیم کو حظ ملتا ہے معارف السنن کا تعارف کراتے ہوئے خود حضرت بنوریؒ لکھتے ہیں:

"..... یہ ہے معارف السنن اور تم کیا جانو کیا چیز ہے معارف السنن؟ امام عصر اور محدث کبیر کے جامع ترمذی کے درس میں فرمودہ کلمات طیبہ کی تشریح ہے، ان کے املا کردہ الفاظ قدسیہ کی توضیح ہے، ان کی یاد داشتوں اور تصانیف میں بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا جمع کردینے کی کوشش ہے ایسی واضح تعبیروں میں جن کے لئے میں نے شدید مشقتیں اٹھائی ہیں اور راتوں کو نیندیں حرام

کی ہیں اور طویل تلاش و جستجو کے بعد ہر موضوع پر شاندار نقول کو ایک جگہ جمع کر کے اس کا حق ادا کیا ہے۔"

معارف السنن کی تصنیف میں اپنی محنت اور تلاش و جستجو کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں نے اپنی قوت و طاقت، تخریج اور ماخذ کے مطلع ہونے پر پوری طرح صرف کی، ورق گردانی، متوقع اور غیر متوقع مقامات سے مسئلہ نکالنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی، کبھی میں ایک مسئلہ کی تلاش میں گھڑیاں ہی نہیں بلکہ کئی کئی راتیں اور دن گزار دیتا اور اس کے لئے ایک کتاب کی کئی مجلدات پڑھتا، جب مجھے اپنی متاع گمشدہ مل جاتی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا، شیخ نے دوران درس جس کتاب کا حوالہ دیا ہوتا اس سے مسائل نکالنے کا التزام کر رکھا تھا، لہٰذا میں کتاب سیبویہ، رضی شرح کافیہ، دلائل الاعجاز، اسرار البلاغۃ، عروس الافراح، کشف الاسرار دیکھنے پر مجبور تھا، جس طرح میں شروح حدیث کی اہم کتابیں فتح الباری، عمدۃ القاری اور فقہ مذاہب میں شرح مہذب، مغنی لابن قدامہ اور رجال میں کتب رجال دیکھنے پر مجبور تھا۔ اگر مجھے جوانی میں، بحث و جستجو کا شوق اور شیخ کے جواہر پارے سمیٹنے کا عشق نہ ہوتا تو میں اس بار گراں کا اہل نہیں تھا، حدیث کی اہم کتابوں میں سے کسی کتاب کی شرح لکھنا میرے لئے اس کٹھن کام سے بہت زیادہ آسان تھا اور میں اس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں جس سے میری محنت کا اندازہ اور میرے مقصد سے پردہ اٹھ جائے گا:

شیخ نے بعض متعارض روایات کے جمع کے سلسلہ میں ایک قاعدہ "ذکر کل مالم یذکرہ الاخر" کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ قاعدہ بہت اہم ہے، اصول حدیث پر لکھنے والوں کو اس سے اعتناء کرنا چاہئے

تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں چند مقامات پر اس کو ذکر کیا ہے۔ میں نے فتح الباری کی ضخیم جلدیں اٹھائیں اور اس قاعدہ کی تلاش شروع کردی، تقریباً دس سے زیادہ مقامات پر پوری کتاب میں اس کو تلاش کرلیا۔

حضرت شیخ نے اختلاف صحابہ کے سلسلہ میں، ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "ابوزید دبوسی نے سچ کہا کہ "جس مسئلہ میں فقہاء صحابہ کا اختلاف ہوجائے اس سے پوری طرح نکل جانا یا اختلاف کا فیصلہ کر کے پوری طرح ایک طرف ہوجانا کہ دوسری جانب کچھ نہ رہے بہت مشکل ہے۔" اب میں نے ابوزید دبوسی کی کتاب "تاسیس النظر" مطالعہ کی، اس میں مجھے نہیں ملا، دل میں آیا کہ شاید شیخ ابوزید دبوسی نے یہ مسئلہ " اسرار الخلاف" یا "تقویم الادلہ" میں تحریر کیا ہو لیکن یہ دونوں کتابیں مخطوط ہیں، پھر دستیاب بھی نہیں، اس کے بعد دل میں آیا کہ شاید شیخ نے امام دبوسی کا یہ قول بالواسطہ لیا ہو اور کشف الاسرار للشیخ عبدالعزیز بخاری اور شرح التحریر لابن امیر الحاج کا خیال آیا، دونوں کو دیکھنا شروع کیا اور دونوں میں مسئلہ کو موجود پایا۔"

فرمایا کرتے تھے کہ معارف السنن کی تصنیف کے سلسلہ میں مجھے مختلف کتابوں کے تقریباً دولاکھ صفحات پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا موقع ملا، ایک مرتبہ فرمایا، ڈابھیل کے قیام میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ ایک ایک بات کی تحقیق کے لئے میں نے پانچ پانچ سو، ہزار ہزار، دو دو ہزار صفحات کا مطالعہ کیا۔

افسوس ہے کہ معارف السنن کی تکمیل حضرت بنوری رحمہ اللہ اپنی حیات میں نہیں کرسکے، ممکن ہے اس کی تکمیل کی سعادت کسی اور سعادتمند کے حصہ میں مقدر ہو وَلَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔"

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ

مولانا یحییٰ کے ہاں ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ھ کو لڑکا پیدا ہوا، نام "محمد زکریا" تجویز ہوا۔ خاندانی روایات کے مطابق اولاً قرآن حفظ کیا، عظیم والد نے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت کے بار خود اٹھائے، یوں کہ آپ استاذ بھی تھے آپ مربی بھی!

تعلیم عام طریقۂ تعلیم سے جدا گانہ طرز سے دی، جس میں شاگرد خود کتاب دیکھتا، سمجھتا اور آکر سناتا، استاذ کا کام صرف غلطی پر تنبیہ تھی اور بس! جب یقین ہو جاتا کہ کتاب سمجھ میں آنے لگی ہے، وہ چھوڑ کر دوسری کتاب شروع کرا دیتے، پوری کتاب ختم کرنے کا اہتمام رہا، نہ اس کی ضرورت سمجھی گئی۔

تربیت کی تو یوں کہ انسانی عمر کے تقاضوں کی تمام باریکیوں کو ملحوظ رکھا اور نگرانی کی آنکھ کبھی غافل نہ ہوئی، فرزند میں "آداب فرزندی" اس کی فطری سعادت مندی کا حصہ تھے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ والد نے دعاؤں کا توشہ بیٹے کی راہ سفر کے لئے زاد سفر بنایا۔

۱۳۳۴ھ میں مولانا یحییٰ انتقال فرماگئے تو مولانا خلیل احمد سہارنپوری جیسے عظیم محدث اور ولیٔ کامل کی آغوش محبت و تربیت نصیب ہوئی، مولانا یحییٰ اور شیخ سہارنپوری کی تربیت کی محنت رنگ کیوں نہ لاتی، رنگ لائی اس طرح کہ چھوٹے زکریا سے وہ عظیم شیخ الحدیث پیدا ہوئے جن کا فیض آج دنیا کے چپہ چپہ پھیل رہا ہے، حدیث کی مشہور کتاب "مشکوٰۃ" شروع کرنے سے قبل انہوں نے دعا کی تھی:

> "یا اللہ! حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر سے شروع ہوا، اس کو مرنے تک مرے ساتھ وابستہ رکھیئے۔"

اللہ نے دعا قبول فرمائی اور پوری زندگی حدیث کے سدا بہار گلستان کی خوشہ چینی میں

بسر ہوئی۔

حرج علم یا حرج طعام!

رات کا کھانا نیند کے غلبے کے خوف سے ترک کردیا تھا، مطالعہ کا ایسا چسکہ پڑگیا تھا کہ عشاء کے بعد بیٹھتے، تو رات تین چار بجے تک ترمذی اور بخاری کا مطالعہ دیکھا کرتے، خود فرماتے ہیں:

> "اس ناکارہ کا معمول ... ۱۳۳۵ھ سے ایک وقت کھانے کا ہوگیا تھا ..... کہ رات کے کھانے میں مطالعہ کا بھی حرج ہوتا، نیند بھی جلد آتی تھی، پانی بھی زیادہ پیا جاتا تھا، ابتداءً میری ایک چھوٹی بہن کھانا لے کر اوپر میری کوٹھری میں پہنچ جاتی تھی اور لقمہ بنا کر میرے منہ میں دیتی رہتی اور دیکھتی رہتی کہ جب منہ بند ہو جاتا تو دوسرا لقمہ دے دیا کرتی تھی، اس ناکارہ کو التفات بھی نہ ہوتا تھا کہ کیا کھلایا، ایک دو سال بعد اس کو بھی بند کردیا، اس زمانے میں بھوک تو خوب لگتی مگر حرج کا اثر بھوک پر غالب تھا۔" (۱)

وہ مدرسہ سے بہت شدید ضرورت ہوتو نکلتے، فضول ادھر ادھر گھومنے سے ان کو بہت نفرت تھی، لکھتے ہیں:

> "مجھے ابا جان کے جوتوں کی بدولت باہر آنے جانے سے شروع ہی سے نفرت تھی، ایک مرتبہ میرا نیا جوتا اٹھ گیا تھا تو جہاں تک یاد ہے، چھ ماہ تک دوسرا جوتا خریدنے کی نوبت نہیں آئی اس لئے کہ جمعہ بھی مدرسۂ قدیم میں ہوتا تھا اور دارالطلبہ بھی اس وقت تک نہیں بنا تھا مجھے چھ ماہ تک باہر نکلنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس کا اثر تھا کہ جب سہانپور میں نمائش ہوئی .... حافظ مقبول احمد صاحب مرحوم نے مجھ سے چلنے کو فرمایا، میں نے پوچھا، وہاں کیا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ دکانیں لگتی ہیں، میں نے کہا دکانیں تو یہاں سے

استیشن تک بہت ہیں، انہوں نے ازراہ شفقت بہت اصرار کیا، مگر میرا جی نہ چاہا۔"

اگر کہیں جانا بھی ہوتا تو آنے جانے کا وقت ضائع نہ کرتے، اس وقت میں قرآن شریف کی تلاوت کرتے، فرماتے ہیں:

"سہارنپور سے دلی تک ۱۵ اور ۲۰ تک کے درمیان میں پاروں کا ہمیشہ معمول رہا۔"

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے صحاح ستہ میں شامل حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد کی شرح "بذل المجہود" لکھنی شروع کی تو شیخ الحدیث اس میں ان کے معاون بنے اور حقیقت یہ ہے کہ حق معاونت ادا کیا، ذیل کے واقعہ سے حضرت شیخ کی حرص علم، وقت کی قدر اور ان کی طلب علم کے بیتاب جذبے کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے جوان کے ساتھ "بذل المجہود" لکھنے کے زمانے میں پیش آیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"ناکارہ کا معمول یہ رہا کہ "بذل" کے لکھنے کے زمانے میں شروح بخاری وغیرہ میں جب کسی دوسری کتاب کے متعلق کوئی مضمون نظر سے گزرتا تو میں نے ہر کتاب کی ایک کاپی بنارکھی تھی.... بذل کی تالیف کے زمانے میں اس کی بہت خواہش رہا کرتی تھی کہ کوئی شخص حضرت سے دو چار منٹ بات کرنے کے لئے آجائے تو میں جلدی جلدی وہ دیکھے ہوئے مضامین شذرات کی کاپیوں پر لکھ لوں، مجھے اس کا وقت صرف ڈاک کی آمد پر ملتا تھا کہ مدرسہ کی ڈاک اول حضرت قدس سرہ کے پاس آتی تھی، وہ اپنی چھانٹ کر اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور میری میرے پاس ڈال دیتے تھے۔

ایک لطیفہ اس جگہ کا بہت پر لطف یاد آگیا، حضرت قدس سرہ کے کوئی عزیز جو کسی جگہ تھانیدار تھے اور اس زمانے کا تھانیدار اس زمانے کا واسرائے ہوتا تھا، تھانیداری سوٹ میں ملبوس آئے میں

ان کو دور سے آتا ہوا دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا، اس لئے کہ میرے کئی شذرات جمع ہورہے تھے اور مجھے یہ فکر ہورہی تھی کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں.... انہوں نے آکر حضرت قدس سرہ کو سلام کیا اور حضرت ادھر متوجہ ہوئے اور میں نے بذل کی کاپی ہاتھ میں رکھ کر جلدی سے اپنے شذرات اٹھالئے.... چند منٹ وہ بیٹھے اور حضرت ان سے باتیں کرتے رہے، میں نے جلدی جلدی اپنے شذرات پورے کئے..... وہ صاحب اٹھنے کے بعد مجھ پر بہت ہی ناراض ہوئے، باہر جاکر بھائی مظہر سے کہا کہ بزرگوں کے پاس بیٹھنے والوں کے بھی اخلاق ایسے خرب ہوا کرتے ہیں، "یہ شخص جو حضرت کے پاس بیٹھا ہوا ہے اس قدر مغرور اور متکبر ہے کہ میں اتنی دیر بیٹھا رہا اور حضرت اس قدر شفقت سے مجھ سے باتیں کرتے رہے لیکن اس مغرور اور بددماغ نے ایک دفعہ بھی تو نگاہ اٹھا کر یوں نہیں دیکھا کہ یہ آدمی بیٹھا ہے، یا گدھا بیٹھا ہے" بھائی مظہر نے اس ناکارہ کی طرف سے بہت صفائی پیش کی کہ "یہ بات نہیں بلکہ یہ مشغول بہت رہتا ہے" لیکن ان کے دماغ میں یہ بات نہیں آسکی کہ ایسی بھی مشغولی ہوسکتی ہے......... ان کی خفگی بجا تھی کہ ناواقف آدمی کو یہ سمجھنا مشکل ہوتا ہے کہ اس قسم کی مشغولی بھی ہوسکتی ہے، اس ناکارہ کا وہ زمانہ درحقیقت طلب علم کا تھا، بسا اوقات رات دن ڈھائی تین گھنٹے سے زیادہ سونا نہیں ہوتا تھا، اور بلا مبالغہ کئی مرتبہ بلکہ بہت سی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ روٹی کھائی یاد نہیں رہی..... عصر کے وقت جب ضعف معلوم ہوتا تھا اس وقت یاد آتا کہ دوپہر روٹی نہیں کھائی اور رات کو کھانے کا معمول تو اس سے پہلے چھوٹ گیا تھا، تیس پینتیس گھنٹے روٹی کھائے ہوئے گذر جاتے تھے۔" (۲)

ان کے دل میں "بذل المجہود" کی علمی مشغولیت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب ان کے کسی لخت جگر کا انتقال ہوتا تو اس ڈر سے کہ اس علمی کام میں خلل پڑے گا وہ تجہیز و تکفین میں خود شرکت نہیں فرماتے تھے، اس سلسلہ میں ان کی مثال ان پرانی شخصیات سے ملتی جلتی ہے جنہوں نے ایک علم کی خاطر زندگی کی ہر رونق کو خیر باد کہا اور زندگی کے کسی حادثہ کو علمی مشغلہ کی محبت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> "میری چھوٹی اولاد میں جب بھی کسی کا انتقال ہوتا اور میں حسب معمول "بذل" لکھنے بیٹھ جاتا، حضرت مجھے گھر جانے کا تقاضہ کرتے، میں عرض کرتا کہ حضرت! میں جاکر کیا کروں گا..... ایوب و نصیر دفن کر آئیں گے، میرے جانے میں بذل کا حرج ہوگا۔" (۳)

تصنیفی کام کے لئے یکسوئی ضروری ہے اور یکسوئی کے لئے ہجوم خلق سے پہلو تہی لازم ہے، یہ اور وہ دونوں جمع نہیں ہوسکتے لیکن شیخ الحدیث نے دونوں کو جمع کیا اور حق تو یہ ہے کہ دونوں کا حق ادا کیا۔

ان کا دسترخواں برصغیر ہند کے چند فیاض دسترخوانوں میں سے ایک تھا، آنے والے مہمان پر بعض علماء کے ضابطے کی طرح یہ پابندی بھی نہ تھی کہ مہمان میزبان کی سہولت کی خاطر پیشگی اطلاع دے بلکہ خواص و عوام سب کے لئے صلائے عام تھی۔

تاہم وہ نظام الاوقات کے زبردست پابند تھے، ملاقات کے مقررہ وقت سے ہٹ کر کسی کو ایک لمحہ دینے کے لئے تیار نہ ہوتے اور اگر ایسا نہ کرتے تو "اوجز" جیسی عظیم الشان شرح حدیث کیسے لکھتے، وقت کی اس اہمیت اور ان کے نظام الاوقات کی پابندی کا کچھ اندازہ ذیل کے اس واقعہ سے آپ لگاسکتے ہیں جو انہوں نے اپنی آپ بیتی "یاد ایام" میں لطیفہ کے طور پر لکھا ہے وہ فرماتے ہیں:

رمضان آیا یا بخار!

> "میرے عزیز مخلص دوست حکیم طیب رامپوری کی آمد بہت

کثرت سے تھی، اور چونکہ مختصر وقت کے لئے آتے اور سیاسیات کی خبریں بہت مختصر الفاظ میں جلدی جلدی سنا جاتے تھے اس لئے ان کی آمد میں میرے ہاں کوئی پابندی نہیں تھی، ایک مرتبہ رمضان میں ۸، ۹ بجے صبح کو آئے مولوی نصیر (خادم خاص) سے کہا "کواڑ کھلوادو" اس نے کہا رمضان ہے، خود زنجیر کھڑ کھڑانے کا ارادہ کیا، اس نے منع بھی کیا اور کہا کہ یا تو وہ سورہا ہوگا تو نیند خراب ہوگی اور اگر اٹھ گیا ہوگا تو نفلوں کی نیت باندھ لی ہوگی، کھڑ کھڑاتے رہو، اس پر خفا ہوکر مدرسہ چلے گئے، راستہ میں مولانا منظور احمد صاحبؒ سے ملے، انہوں نے کہا "حکیم جی! تم کہاں آگئے؟ شیخ کے یہاں تو رمضان ہے؟" اس کے بعد حضرت ناظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، فرمایا "حکیم جی کہاں آگئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے"..... وہاں سے اٹھ کر مفتی صاحب کے حجرے میں گئے، مفتی جی نے بھی یہی فقرہ دوہرایا، حکیم جی نے پوچھا، آخر رمضان میں کوئی وقت بات کے لئے یا ملاقات کے لئے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفتی جی نے کہا، "تراویح کے بعد آدھ گھنٹہ۔" حکیم جی نے کہا مجھے تو رامپور واپس جانا ہے تب مفتی صاحب نے کہا ظہر کی نماز سے پندرہ منٹ پہلے تشریف لائیں گے، اس وقت مل لینا، یا ظہر کی نماز کے بعد گھر جاتے ہوئے راستے میں مل لینا۔

وہ ظہر سے پہلے مسجد میں آئے تو میں نیت باندھ چکا تھا، ظہر کی نماز کے بعد میں نے پھر سنتوں کی نیت باندھ لی، بڑی دیر تک انہوں نے انتظار کیا، مگر جب دیکھا کہ رکوع کا ذکر ہی نہیں، اس لئے کہ اس وقت سنتوں میں دو دفعہ پارہ پڑھنے کا معمول تھا، وہ بڑی دیر انتظار دیکھ کر مٹر گشت میں چلے گئے، واپس آئے تو میں اپنے کمرے میں پہنچ کر قرآن پاک سننے میں مشغول ہوگیا تھا، وہ

بہت کھٹ کھٹ کر کے اوپر چڑھے اور جاتے ہی بہت زور سے کہا:
"بھائی جی! اسلام علیکم، بات نہیں کرتا صرف ایک فقرہ کہوں گا "رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے مگر یوں بخار کی طرح کہیں نہیں آتا" السلام علیکم جارہا ہوں، عید کے بعد ملوں گا" میں نے کہا "وعلیکم السلام" اور پھر قرآن سنانے میں مشغول ہوگیا۔" (۴)

کسی حادثہ کی اطلاع کے وقت کا معمول!

کسی قریبی عزیز کے انتقال کے وقت عموماً لوگ آتے ہیں اور وفات پانے والے کے متعلق تفصیلات معلوم کرتے ہیں، شیخ الحدیثؒ کا معمول ایسے موقع پر ان تفصیلات میں وقت ضائع کرنے کا نہیں تھا، وہ ایسے وقت میں خود بھی اور آنے والوں کو بھی تلاوت اور ذکر و اذکار وغیرہ میں مشغول رکھتے۔ چنانچہ ان کے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کے انتقال کی اطلاع جب آپ کو ملی، فرماتے ہیں:

"میں اٹھ کر وضو کرکے مدرسہ کی مسجد میں جا بیٹھا اور نماز کی نیت باندھ لی، اس لئے کہ چاروں طرف سے ہجوم نے گھیرنا شروع کردیا تھا اور مجھے ایسے وقت میں لغو باتیں کہ ..... "کیا ہوگیا؟ کیا بیمار تھے؟ کون خبر لایا؟ لغویات سے بہت وحشت ہوتی ہے کہ یہ اہم اور قیمتی وقت بہت ہی مبارک ہوتا ہے جس میں طبیعت دنیا سے منقطع اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس وقت کی تلاوت بھی قیمتی، ذکر و فکر بھی قیمتی! دروازہ سے نکلا تو گھر سے مدرسہ تک ہجوم ہی ہجوم تھا، میں نے ترش روئی کے ساتھ ان دوستوں سے یہ کہا کہ...... "مجھے تو اس وقت کچھ ضروری پڑھنا ہے، آپ لوگ یہاں تشریف رکھیں، مدرسہ میں تشریف رکھیں اور خوب باتیں کریں، ایسی فراغ کا وقت پھر کب ملے گا" اس کے بعد مجمع منتشر

ہو گیا اور میں جا کر مسجد میں بیٹھ گیا۔" (۵)

عمر عزیز کو بچا بچا کے استعمال کرنے اور علم کی نہ مٹنے والی پیاس اور طلب کا نتیجہ تھا کہ حضرت شیخ نے تقریباً سو کے قریب مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصنیفات چھوڑیں جن میں حدیث کی شہرۂ آفاق کتاب "مؤطا امام مالک" کی پندرہ جلدوں میں "اوجز المسالک" کے نام سے ایک زندہ جاوید شرح بھی شامل ہے جو حدیث و فقہ کے مباحث کا ایک نادر گنجینہ ہے۔

۱۴۰۲ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع کی اس سرزمین میں مدفون ہوئے جو ان کی تمنا تھی اور جس کے لئے برسوں انہوں نے زندگی کے آخری ماہ و سال انتظار کرتے کرتے وہاں گزارے تھے ۔

چنیں قفس نہ سزائے چو من خوش الحانست
روم بگلشن رضوان کہ مرغ آں چمنم

(۱) آپ بیتی جلد۵ صفحہ ۱۰۸

(۲) آپ بیتی جلد۳ صفحہ ۱۲، ۱۳ بتغیر

(۳) آپ بیتی باختصار جلد ا صفحہ ۱۱۹، تا ۱۲۱

(۴) آپ بیتی جلد۳ صفحہ ۷۷

(۵) آپ بیتی جلد ا صفحہ ۳۳، ۳۴

استاد المحدثین مولانا سلیم اللہ خان صاحب

جلال آباد کے ایک چھوٹے سے مدرسہ میں چند طلبہ زیر تعلیم تھے، یہ مدرسہ بزم اشرف کے ایک روشن چراغ مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کی زیر نگرانی "مفتاح العلوم" کے نام سے قائم تھا، ۱۹۴۰ء کے سالانہ امتحان کے لئے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز اور برصغیر کے مشہور مدرسہ "مظاہر علوم" کے ناظم مولانا اسعد اللہ صاحبؒ مدعو کئے گئے، وہ آئے، دس بارہ طلبہ پر مشتمل ابتدائی جماعت کا امتحان لیا تو جاتے ہوئے اس جماعت کے دو طالب علموں کے ناموں کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی لکھ دی "یہ بچے بڑی صلاحیت کے مالک ہیں، اللہ ان سے مستقبل میں دین کی خدمت لے گا" اس وقت کسی کو اس کا کیا اندازہ تھا کہ ان دو طالب علموں میں سے ایک طالب علم آگے جاکر پاکستان میں دین کی متنوع خدمات انجام دینے والا ایک دینی ادارہ قائم کریں گے، سینکڑوں نہیں، ہزاروں علماء کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوگا اور پاکستان میں عربی مدارس کو ان کی سرپرستی و رہنمائی ملے گی..... لیکن قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید، مؤمن فراست ایمانی سے دیکھتا اور جانچتا ہے اور یہ فراست سربستہ گوہر بھانپ لیتی ہے۔

مولانا ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو ہندوستان کے ضلع مظفر نگر کے مشہور قصبہ..... "حسن پور" میں پیدا ہوئے، پرائمری تک اسکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوئے بلکہ صحیح الفاظ میں متوجہ کئے گئے کہ بقول جگر مرحوم "یہ قدم اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں" کیونکہ اللہ نے آپ سے اس میدان میں مستقبل میں کام لینا تھا اور جلال آباد میں مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ "مفتاح العلوم" میں داخلہ لے کر درس نظامی کے ابتدائی درجات سے لے کر متوسطہ درجات تک تعلیم حاصل کی، درس نظامی کے آخری تین سال کی تعلیم آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حاصل

کی، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، مولانا عبدالخالقؒ صاحب، مولانا عبدالسمیع صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے دورہ حدیث میں بخاری کا درس لے کر سند فراغت حاصل کی، اس وقت آپ کی عمر بیس سال کے قریب تھی اور ابھی پاکستان معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔

یہاں سے فارغ ہوئے تو اپنی ابتدائی مادر علمی "مفتاح العلوم" آئے اور تدریس شروع کی، یہ طلبہ کے لحاظ سے ایک چھوٹا سا ویران مدرسہ تھا، صرف چھ سات رہائشی طلبہ پر مشتمل تھا، اس کی آبیاری شروع کی اور مسلسل آٹھ سال تک اپنی محنت کے لہو سے اس کو یوں سینچا کہ اس مختصر سے عرصہ میں ابتدائی درجات سے لے کر صحاح ستہ کے دورہ حدیث تک سینکڑوں طلبہ پر مشتمل یہ ایک آباد اور شاداب مدرسہ بنا، حتی کہ اس کی معیاری تعلیم کا شہرہ سن کر دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ بھی اپنے بچے یہاں بھیجنے لگے، تبلیغی جماعت کے بزرگ مولانا جمشید صاحب نے یہیں آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور دارالعلوم کراچی کے استاذ حدیث و ناظم تعلیمات مولانا شمس الحق صاحب نے بھی آپ سے یہاں پڑھا۔

۱۹۵۴ء میں ہجرت کر کے آپ پاکستان آئے اور تین سال تک دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں درجہ علیا اور حدیث کی کتابیں پڑھاتے رہے، تین سال یہاں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد "دارالعلوم کراچی" منتقل ہوئے اور دس سال تک آپ نے یہاں حدیث و تفسیر کی کتابیں پڑھائیں، ۱۹۶۷ء میں آپ نے جامعہ فاروقیہ کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے جامعہ فاروقیہ پاکستان میں صف اول کے بڑے اور ممتاز مدارس میں شامل ہوگیا، اس وقت یہ پاکستان کا واحد دینی ادارہ ہے جس سے اردو، عربی، انگریزی اور سندھی چاروں زبانوں میں اسلامی صحافت کے معیاری پرچے نکلتے ہیں، دینی مدرسہ کے لئے شاہ فیصل کالونی جیسی نامناسب فضا میں واقع اس مدرسہ کی خوبصورت عمارتوں میں سینکڑوں طلبہ کا جھلمل کرتا ہوا منظر واقعی جنگل میں منگل کا سماں پیش کرتا ہے اور بے اختیار یہ شعر یاد آجاتا ہے ؎

عزم راسخ ہے، نشان قیس و شان کوہ کن
عشق نے آباد کر ڈالے ہیں دشت و کہسار

ستائیس دن میں حفظ قرآن!

اللہ جل شانہ نے آپ کو حافظہ کی غیر معمولی قوت سے نوازا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے حافظہ کے واقعات سن کر قرون اولیٰ کے محدثین کے حافظہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ واقعہ بہت سوں کے لئے باعث تعجب ہوگا کہ اس دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے ایک ماہ سے بھی کم عرصہ میں پورا قرآن نہ صرف یاد کیا بلکہ یاد کرنے کے ساتھ ساتھ تراویح میں بھی سنایا۔ طالب علمی ہی کے زمانے میں آپ دارالعلوم دیوبند سے رمضان کی تعطیلات میں گھر آئے، خیال ہوا کہ چھٹیوں کے اس وقفہ میں قرآن شریف کا کچھ حصہ یاد کروں، رمضان سر پر تھا، مشورہ یہ ہوا کہ روزانہ ربع پارہ یاد کر کے تراویح میں سنایا جائے، اس طرح رمضان کی تراویح بھی ہوتی رہیں گی اور آپ سات آٹھ پارے بھی یاد کرلیں گے۔

مولانا کو شاید خود بھی اپنے حافظہ کی قوت کا اس وقت کا اندازہ نہیں تھا، چنانچہ آپ نے روزانہ چوتھائی پارہ یاد کرنے کا ارادہ کر کے حفظ قرآن کا آغاز کیا، لیکن جب یاد کرنے بیٹھے تو روزانہ ربع پارہ کے بجائے ایک پارہ ڈیڑھ پارہ یاد کرلیتے اور رات کو تراویح میں سناتے رہے، اُدھر ستائیسویں شب آپہنچی اور ادھر آپ نے حفظ قرآن مکمل کر کے اس رات آخری پارہ بھی سنادیا۔ علاقے کے حفاظ کو جب یہ اطلاع ملی تو بہت سوں کو یقین نہیں آرہا تھا لیکن ایک واقعہ جو وجود میں آچکا تھا اس سے انکار کیسے ممکن تھا۔

دس دن میں سلّم کا حفظ!

دارالعلوم دیوبند میں جب آپ داخل ہوئے تو اس سال فن منطق میں "میر قطبی" آپ نے پڑھی کہ اس سے قبل آپ "قطبی" پڑھ کر آئے تھے اور دارالعلوم کے نصاب میں "قطبی" کے بعد "میر قطبی" داخل تھی۔ آپ کی اپنی خواہش اس سال منطق کی شہرہ

آفاق کتاب "سلّم" پڑھنے کی تھی لیکن ضابطۂ نصاب اس کی اجازت نہیں دے رہا تھا، اس لئے آپ اس سال "سلّم" نہ پڑھ سکے۔

کچھ سلّم کی اپنی مغلق عبارات اور کچھ اس کے مروّجہ انداز درس و تدریس کے بڑھے ہوئے متنوع مباحث نے اس کتاب کو جس طرح مشکل بنادیا ہے وہ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ منطق کی یہ کتاب فن منطق کے مباحث ہی تک محدود نہیں بلکہ منطق کے علاوہ نحو، صرف، فلسفہ اور کلام کے پیچیدہ مسائل بھی اس کے درس و تدریس کا حصہ بن گئے ہیں اس لئے اس کتاب کے امتحان میں فیل ہونے والے طلبہ کی کافی تعداد ہوتی، چونکہ دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں اس وقت یہ کتاب لازمی تھی اس لئے سالانہ امتحان کے وقت مدرسہ کی جانب سے اعلان ہوتا کہ اگر کوئی طالب علم امتحان میں شریک ہونا چاہے تو درخواست دیدے، یہ اعلان پڑھ کر آپ نے بھی سلّم کے امتحان میں شرکت کے لئے درخواست دے دی، ناظم تعلیمات شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ نے آپ کی درخواست دیکھی تو انہیں حیرت ہوئی کہ ایک ایسا طالب علم جس نے "سلّم" سرے سے پڑھی ہی نہ ہو وہ اس جیسی مشکل کتاب کا امتحان بن پڑھے کیونکر دیتا ہے اور اگر امتحان دے بھی دے تو پاس کس طرح ہوسکتا ہے؟ بمشکل درخواست منظور ہوئی تو امتحان میں صرف دس دن باقی رہ گئے تھے، ان دس دنوں میں آپ نے سلّم اور اس کے تمام مباحث اس طرح یاد کئے کہ جس صبح کو اس کا امتحان تھا اس رات آپ نے نہ صرف پورے سال سلّم پڑھنے والے طلبہ کو اس کے مباحث سمجھائے بلکہ دستار فضیلت حاصل کرنے والے ان طلبہ نے بھی آپ کے تکرار میں شرکت کر کے استفادہ کیا جن کے لئے اس کا امتحان درد سر بنا ہوا تھا اور جب نتیجہ نکلا تو اس کے امتحان میں شریک ایک سو اسّی طلبہ میں جن دو طالب علموں کے نمبر سب سے زیادہ تھے ان میں ایک آپ تھے۔

یہ آپ کے غیر معمولی حافظہ اور محنت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صرف ساڑھے چھ سال میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی، آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز طلبہ میں سے تھے، ہر امتحان میں دارالعلوم دیوبند کی جانب سے آپ کو خصوصی انعام دیا جاتا۔

مولانا فن تدریس کے شہسوار ہیں، وہ جہاں بھی رہے، تشنگانِ علومِ دینیہ کی شمع

رہے، ان پروانوں کی رونق سے وہ کبھی بے رونق نہیں ہوئے، ان کے دور شباب میں تعطیلات کے زمانہ میں بھی طلبہ کی ایک جماعت ہمیشہ ان کے ساتھ پڑھنے کی غرض سے رہتی تھی، اس وقت حدیث پڑھانے والے کئی اساتذہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے درس نظامی کے ابتدائی درجہ سے لے کر صحاح ستہ تک کی تمام کتابیں بلاشرکت غیرے آپ سے پڑھیں، درس نظامی میں اس وقت داخل کوئی معیاری کتاب ایسی نہیں ہے جس کا آپ نے درس نہ دیا ہو، درس و تدریس میں آپ کی محنت اور شغف کا اندازہ اس سے لگایئے کہ سالہا سال تک صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، سنن ابی داؤد، اور مشکوۃ شریف سب کی دونوں جلدیں مکمل طور پر آپ پڑھاتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ مزید کچھ اور کتابوں کے اسباق بھی آپ کے پاس ہوتے رہے۔

اچھے اور مقبول استاذ و مدرس کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ چٹکلوں میں سمجھا سکے اور طلبہ اس کے درس سے اکتاہٹ محسوس نہ کریں، کوئی استاذ تفہیم اور سمجھانے میں غیر معمولی صلاحیت و مہارت کا مالک ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کے انداز بیاں اور اسلوب تقریر سے طلبہ پر ذہنی بوجھ پڑتا ہو تو اس کو فن تدریس کی تمام اچھی صفات کا حامل مدرس نہیں کہا جاسکتا۔

اللہ جل شانہ نے مولانا کو تفہیم کی غیر معمولی صلاحیت کے ساتھ ساتھ انداز بیاں اور اسلوبِ اظہار کی ایسی دلنشیں و دلکش ادا سے نوازا ہے کہ گھنٹوں ان کے درس میں آپ بیٹھے رہیں، اکتاہٹ آپ بالکل محسوس نہیں کریں گے، اول تا آخر درس پر تازگی اور نشاط و رعنائی چھائی رہے گی، ان کی تدریسی زندگی تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔ اور آج بھی جب کہ وہ عمر عزیز کی ۶۸ ویں منزل پر پہنچ چکے ہیں دارالحدیث کی معمور فضائیں ان کے درس بخاری سے گونجتی ہیں۔

شاگردوں کا وسیع اور مفید حلقہ!

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مولانا کو تلامذہ کے بہت ہی مفید اور وسیع حلقہ سے نوازا ہے۔ اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں مولانا کے جو شاگرد مختلف نمایاں دینی خدمات انجام

دے رہے ہیں ان ممالک کی تعداد بیس سے زائد ہے، جس میں پاکستان کے علاوہ ناروے، جرمنی، ساؤتھ افریقہ، سعودی عرب، کویت، قطر، عرب امارات، عمان، انگلینڈ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، کوریا، افریقہ، فرانس، ملائیشیا، رنگون، ہندوستان، بنگلہ دیش، ایران اور افغانستان وغیرہ داخل ہیں۔[1]

آپ کے شاگردوں کے اس وسیع حلقہ میں مصنف بھی ہیں اور مدرس بھی، مفتی بھی ہیں اور عالمی اسکالر بھی، جنگی محاذوں پر کفر کے ساتھ نبرد آزما مجاہد بھی ہیں اور عالمی سطح پر دین کا فریضہ انجام دینے والے مبلغ بھی، بڑے بڑے دینی ادارے قائم کرنے والے اور چلانے والے مہتمم بھی ہیں اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز محدث بھی۔ دارالعلوم کراچی کے صدر مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب، جامعہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا حبیب اللہ مختار صاحب، درس نظامی کی بعض کتابوں کے اردو شارح مولانا حنیف گنگوہی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم مولانا رابع ندوی صاحب اور مولانا مفتی نظام الدین شامزئی جیسے اساطین علم آپ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہیں۔

تدریس کی ہنگامہ خیز زندگی اور مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داریوں نے ان کو گوشۂ تصنیف میں بیٹھنے نہیں دیا ورنہ ان کا شمار بڑے بڑے مصنفین میں ہوتا، غنیمت ہے کہ بخاری شریف اور مشکوٰۃ وغیرہ پر ان کے درس کی تقاریر اور امالی محفوظ ہوگئی ہیں، ان کی ترتیب وتحقیق پر کام شروع ہے، خصوصاً بخاری کی تقریر اور اس کی ترتیب وتحقیق اردو میں انشاء اللہ اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہوگی جو اندازاً تیرہ چودہ جلدوں پر مشتمل ہوگی۔

ایک پرانی افریقی کہاوت ہے کہ مرغانِ خوش نوا کے نغموں کی گونج سے مدتوں فضائیں معمور رہتی ہیں، ہزاروں شاگرد، چہکتا آباد وشاداب جامعہ فاروقیہ اور درس حدیث کی یہ تقاریر آپ کا اخروی ذخیرہ اور ایسے کارنامے ہیں جن سے آپ کی یادوں کا گلشن تازہ اور مہکتا رہے گا۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

---

[1] ان ممالک میں مولانا کے شاگردوں کے تعارف اور ان کی خدمات کے لئے دیکھئے "الفاروق" جامعہ فاروقیہ نمبر شعبان ۱۴۱۰ھ

استاذ محترم جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم

دینی مدارس کی زندگی کے خاموش دریا میں وہ "موج تند جولاں" اب بہت کم اور بڑی مدت کے بعد اٹھتی ہے جس سے نہنگوں کے نشیمن تہہ و بالا ہوتے ہوں........ لیکن ان مدارس کا یہ المیہ کیابی کا ہے، نایابی کا نہیں، دینی مدارس کے سادہ اور محدود ماحول میں........ عقابی روح اور سینے میں شاہیں کا جگر رکھنے والے، جرأت رندانہ و قوت قلندرانہ کے مالک، خود اعتمادی و خود شناسی کے جوہر سے آراستہ اور تحریر و تقریر کی غیر معمولی صلاحیت سے پیراستہ ایسے "دیدہ ور" اب بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کے مطالعہ کی وسعت اور علم کی پختگی کے سامنے بڑی سے بڑی ملکی یا بیرونی دانش گاہ کے فضلاء اور مغربی زبان کے ماہرین کا چراغ نہیں جلتا۔

اس کی ایک مثال استاذ محترم مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدھم ہیں، آپ دینی مدارس کی فضا میں پلے، بڑھے اور پروان چڑھ کر ایسے بنے جیسے یہاں بننے والے بنتے ہیں۔

مولانا ۱۹۴۳ء میں دیوبند کی اس سرزمین میں پیدا ہوئے جس سے پھوٹنے والے علم کے فواروں نے ایک دنیا کو سیراب کیا، دس سال کی عمر میں آپ نے درس نظامی کا آغاز کیا اور سترہ سال کی عمر میں اس کی تکمیل کر کے فارغ ہوئے، تاہم انہوں نے درس نظامی کی چند کلیوں پر قناعت نہیں کی، بلکہ اس نصاب کے پڑھنے سے حاصل ہونے والی صلاحیت و استعداد کو علم کے مقفل دروازوں کی چابی سمجھ کر اسلام کے وسیع کتب خانے کی طرف بڑھے اور علوم کے بند دروازے وا کرتے رہے........ تاریخ کا مطالعہ کیا، فقہ کو تعمق سے دیکھا، تفسیر و اصول تفسیر پر بار بار نظر ڈالی، حدیث سے متعلقہ علوم کو محنت سے پڑھا اور ادب کی چاشنیاں چکھنے کے لئے راتوں جاگے،........ ساتھ ساتھ عصری علوم کی طرف توجہ دی، ۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کا امتحان امتیازی نمبرات سے

پاس کیا، ۱۹۶۴ء میں کراچی یونیورسٹی سے بی، اے کا امتحان دیا، ۱۹۶۷ء میں کراچی یونیورسٹی سے ایل ایل بی کا امتحان دوسری پوزیشن اور ۱۹۷۰ء میں ایم اے عربی کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پہلی پوزیشن لے کر پاس کیا، جدید معاشیات کا مطالعہ کیا اور اس میں مہارت ہی نہیں مجتہدانہ بصیرت حاصل کی اور پاکستان کی طرح ہر مغرب زدہ ملک پر چھائی ہوئی انگریزوں کی وہ زبان سیکھی جس سے واقفیت ایک عالم دین کے لئے اس دور میں اسلام کے مؤثر تبلیغ کے نقطۂ نظر سے نہ صرف استحسان بلکہ ضرورت کی حدود میں داخل ہے اور جس کو جنٹلمین طبقہ کسی انسان کی سعادت و قابلیت کی علامت و معیار سمجھتا ہے اور یوں وہ قدیم و جدید، دینی، دنیوی علوم کے ایسے سنگم بن گئے جس میں مختلف علوم کی حسین لہریں جمع ہیں۔

اردو ان کے اپنے گھر کی لونڈی ہے، عربی ان کی جیب کی گھڑی ہے اور انگریزی وہ ضرورت کے تحت لکھتے اور بولتے ہیں، اللہ جل شانہ نے ان کو قلم کی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے، محرم ۱۳۸۶ھ سے ان کی زیر ادارت "ماہنامہ البلاغ" کا اجراء عمل میں آیا، البلاغ کے اداریوں میں انہوں نے اسلامیات کے علاوہ عصر جدید کے پیدا کئے ہوئے اکثر مسائل پر بھی قلم اٹھایا اور البلاغ کے یہ اداریئے مختلف کتابوں کی شکل میں شائع ہو کر عام ہو گئے ہیں، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی لکھی ہوئی مسلم شریف کی شہرۂ آفاق لیکن نامکمل شرح "فتح الملہم" کا "تکملہ" لکھا اور ایسا لکھا کہ اگر اور کچھ بھی نہ لکھتے تو یہ ان کی زندگی کی قیمت وصول کرنے کے لئے کافی تھا، اگر کسی مصنف کے حصے میں صرف یہی ایک کتاب آجائے تو اس کو زندہ جاوید بنا دے۔

مولانا کا ایک ممتاز وصف ان کے انہماک علمی کا وہ عالم ہے جس کے قصے اب صرف اسلاف کے تذکروں ہی میں ملتے ہیں، اس سلسلے میں ان کی مثال تاریخ اسلام کی ان شخصیات سے ملتی جلتی ہے جنہیں علم کی مشغولیت ارد گرد کی ہر چیز سے بے خبر کر دیتی تھی، ان کے علم و مطالعہ میں انہماک کو دیکھ کر کچھ علمی حوصلہ ہونے لگتا ہے کہ کتابوں میں اہل علم کے انہماک علمی کا جو وصف پڑھا ہے اس سے متصف کچھ لوگ ہماری اس فضا میں بھی موجود ہیں جس میں ہم سانس لے رہے ہیں، وہ خود فرماتے ہیں:

"روئے زمین پر لکھنا پڑھنا مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب و عزیز ہے
اور ہر وقت کسی نہ کسی مسئلہ میں میرا ذہن مشغول رہتا ہے۔"

طلب علم.....دنیا کی لذیذ ترین چیز

انہوں نے طلبہ سے اپنے ایک حالیہ خطاب میں فرمایا:

"طلب علم نام ہے ایک نہ مٹنے والی پیاس کا، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طالب علم کی تعریف یہ ہے کہ جس کے دماغ میں ہر وقت کوئی نہ کوئی مسئلہ چکر کاٹ رہا ہو، علم بڑی محنت اور طلب چاہتا ہے اور بڑی بے نیاز چیز ہے، محنت اور طلب کے بغیر آدمی کو وہ اپنا کوئی ذرہ بھی نہیں دیتا، العلم لا یعطیكْ بعضه حتى تعطيه كلكْ طلب علم کا ذوق جب پیدا ہو جائے گا تو یقین رکھو اگر میں قسم کھاؤں تو حانث نہیں ہوں گا کہ اس کائنات میں طلب علم سے زیادہ لذیذ چیز کوئی نہیں، بشرطیکہ طلب علم کی حقیقت حاصل ہو، تمہیں اپنا حال بتاتا ہوں، عرصہ دراز سے ایسے حالات میں گرفتار ہوں کہ اس بات کو ترستا ہوں کہ مجھے مطالعہ کا وقت ملے، پانچ منٹ بھی اگر نصیب ہو جاتے ہیں تو بڑی ہی خوشی ہوتی ہے..... جب میں نے دورہ پڑھا تھا تو پندرہ سال کی عمر تھی سولویں سال میں فراغت ہوئی تھی، سبق کے علاوہ میرے اوقات کتب خانے میں گذرتے تھے، پڑھنے کے زمانے میں صحیح بخاری کے لئے عمدۃ القاری، فتح الباری، اور فیض الباری کا مطالعہ کیا کرتا تھا، مسلم شریف کے لئے فتح الملہم، سنن ابی داؤد کے لئے بذل المجہود اور ترمذی شریف کے لئے کوکب الدری کا مطالعہ کرتا تھا چونکہ اس کے لئے وقت چاہئے تھا اس لئے میں نے کسی طرح ناظم کتب خانہ کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ دوپہر کے وقفہ میں

وہ گھر چلے جایا کریں اور باہر سے کنڈی لگا کر مجھے اندر بند کر دیا کریں، چنانچہ وہ باہر سے تالا لگا کر چلے جایا کرتے تھے اور میں اندر مطالعہ کرتا رہتا تھا، دوران مطالعہ مذکورہ کتابیں تو پڑھتا ہی تھا، ساتھ ساتھ کتب خانہ کی ساری کتابوں کے متعلق یہ معلومات بھی ہوگئی تھیں کہ کونسی کتاب کس موضوع پر ہے اور کہاں ہے، ناظم کتب خانہ کو جب کتاب نہیں ملتی تھی تو مجھے بلاتے اور میں انہیں بتا دیتا.

..... مطالعہ کی وہ لذت مجھے آج بھی نہیں بھولتی .... تیس پینتیس سال سے ترمذی شریف پڑھا رہا تھا اس لئے مطالعہ میں کوئی نئی بات نہیں آتی تھی جب سے بخاری شریف کا سبق میرے پاس آیا تو مطالعہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس کے لئے اپنے آپ کو دوسرے کاموں سے فارغ کیا، اب دوبارہ وہ لذت لوٹ آئی، ایسا لگتا ہے کہ وہ لذتِ مطالعہ گمشدہ متاع تھی، اب مل گئی، مطالعہ میں سبق پڑھانے کے لئے نہیں کرتا، مطالعہ کا شروع سے میرا حساب کتاب یہ ہے کہ بیچ میں جب کوئی بات آگئی، کوئی بھی سوال پیدا ہوگیا تو پھر مجھ سے ممکن نہیں ہے کہ میں آگے بڑھوں، جب تک مختلف مراجع میں اس کی تحقیق نہ کرلوں، چاہے وہ بات سبق میں بیان کرنے کی ہو، یا نہ ہو، میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ لذیذ چیز دنیا میں کوئی نہیں ہے، اللہ نے بہت لذتوں سے نوازا، دنیا کی لذتوں سے بھی بہت نوازا، اتنی کہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہوں لیکن جو لذت اس میں پائی وہ کسی میں نہیں۔"

علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں علامہ حریری کے متعلق لکھا ہے کہ مطالعہ کے وقت جب وہ ہاتھ داڑھی میں رکھ کر داڑھی کے بالوں کو ہلاتے تھے تو یہ ان کے انہماک علمی کے عروج کا عالم ہوتا، مولانا کی بھی دوران مطالعہ یہی عادت ہے، جب وہ مطالعہ میں مستغرق ہوجاتے ہیں تو ارد گرد کی کسی چیز کی پھر انہیں خبر نہیں رہتی۔

وقت کی قدر اور راہ علم میں محنت کا جذبہ ان کو اپنے عظیم والد سے ورثہ میں ملا ہے، وہ زندگی کا ایک ایک لمحہ تول تول کر خرچ کرتے ہیں حتیٰ کہ جب کسی محفل و مجلس میں جاتے ہیں اور ابھی ان کے خطاب میں کچھ وقت باقی ہو، اس عرصے میں وہ تسبیح لے کر ذکر شروع کردیتے ہیں تاکہ یہ مختصر سا وقت بھی رائیگاں نہ جائے، سفر کے دوران بھی وہ لکھنے پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں اور کوئی لمحہ ضائع جانے نہیں دیتے، خود انہوں نے فرمایا ؎

آسی یہ غنیمت ہیں تیری عمر کے لمحے
وہ کام کر اب، تجھ کو جو کرنا ہے یہاں آج

اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عمر کے لمحوں کو غنیمت جان کر وہ کام کرلیا ہے جو انہیں کرنا چاہئے تھا، اللہ جل شانہ ان کی عمر میں برکت دے اور ہم سب کو عمر کے لمحوں کو غنیمت جاننے اور آج کا کام آج کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابیات

نمبر شمار	نام کتب	مصنف	مطبع
۱	اشرف السوانح	حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ	
۲	الرشید نمبر		
۳	البلاغ مفتی اعظم نمبر		
۴	الوقت ھو الحیاۃ	ڈاکٹر عبد الستار نور	دار الثقافۃ قطر
۵	البدر الطالع	علامہ شوکانی	مطبعۃ السعادۃ - القاہرہ
۶	ادب الدنیا والدین	علی بن محمد	دار ومکتبۃ الہلال
۷	الاعلام للزرکلی	خیر الدین زرکلی	دار العلم للملایین بیروت
۸	الجواہر المضیئۃ	محی الدین بن عبد القادر	میر محمد کتب خانہ
۹	آپ بیتی	شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ	مکتبۃ الشیخ بہادر آباد
۱۰	اسلام اور جدت پسندی	مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم	مکتبۂ دار العلوم کراچی
۱۱	ابن حجر عسقلانی	محمود شاکر	
۱۲	بغیۃ الوعاۃ	علامہ سیوطی	مکتبہ عیسیٰ البابی حلب
۱۳	تذکرۃ اعزاز	مولانا انظر شاہ کشمیری	
۱۴	تذکرۃ الخلیل	مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ	مکتبۃ الشیخ بہادر آباد
۱۵	تذکرہ	مولانا ابو الکلام آزادؒ	
۱۶	تذکرۃ الرشید	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	
۱۷	ترجمۃ المؤلف		دائرۂ معارف نظامیہ حیدرآباد
۱۸	تہذیب الاسماء واللغات	محی الدین بن شرف نوویؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۹	تہذیب الکمال	جمال الدین بن یوسف مزیؒ	مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۲۰	تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	دار صادر بیروت
۲۱	تکملہ فتح الملہم	مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم	مکتبۂ دار العلوم کراچی
۲۲	تاریخ دعوت وعزیمت	مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہم	مجلس نشریات اسلام

نمبر شمار	نام کتب	مصنف	مطبع
۲۳	تدوین حدیث	مولانا مناظر احسن گیلانیؒ	مکتبۂ اسحاقیہ
۲۴	تاریخ بغداد	ابوبکر بن علی الخطیب بغدادیؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۵	تاریخ طبری	محمد بن جریر طبری	مؤسسۃ الاعلمی، بیروت
۲۶	تاریخ ابن خلدون	عبدالرحمن بن محمد بن خلدون	مؤسسۃ الاعلمی، بیروت
۲۷	جامع بیان العلم وفضلہ	علامہ یوسف بن عبدالبرؒ	دار الفکر بیروت
۲۸	حاشیہ دراسات اللبیب	مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہم	لجنۃ احیاء الادبی (سندھی)
۲۹	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم اصفہانیؒ	دار الفکر بیروت
۳۰	حیاتِ انور	مولانا مناظر احسن گیلانی وغیرہ	(قیصر) یو۔پی۔شاہ منزل دیوبند
۳۱	درر کامنہ	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	
۳۲	دائرۃ المعارف (عربی)	فرید وجدی	زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور
۳۳	دائرۂ معارف اسلامیہ (اُردو)		زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور
۳۴	روح المعانی	علامہ محمود آلوسیؒ	مکتبۂ امدادیہ ملتان
۳۵	زماں ومکاں	ڈاکٹر وحید عشرت	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
۳۶	سفرنامہ روم وشام	علامہ شبلی نعمانی مرحوم	مطبع معارف اعظم گڑھ
۳۷	سنن ابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ	دار احیاء السنۃ النبویہ
۳۸	سنن ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ	دار احیاء التراث العربی
۳۹	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین بن محمد ذہبیؒ	مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۴۰	شذرات الذہب	ابن العماد حنبلی	
۴۱	شمائل ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ	سعید کمپنی کراچی
۴۲	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیریؒ	دار الفکر بیروت
۴۳	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاریؒ	قدیمی کتب خانہ
۴۴	طبقات کبریٰ	تاج الدین بن تقی الدین السبکی	دار المعرفۃ بیروت
۴۵	طبقات کبریٰ للشعرانی	عبدالوہاب شعرانی	نفیس اکیڈمی کراچی
۴۶	علمائے سلف	مولانا حبیب الرحمن شیروانی	دار الاشاعت کراچی
۴۷	عمدۃ القاری	بدرالدین محمود بن احمد العینی	ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت
۴۸	غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	مکتبۂ رشیدیہ لاہور
۴۹	فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	دار الفکر بیروت
۵۰	فوائد بہیہ	مولانا عبدالحی لکھنویؒ	مکتبۂ خیر کثیر کراچی
۵۱	فوائد نافعہ عجالہ نافعہ	حضرت شاہ عبدالعزیزؒ	نور محمد کتب خانہ
۵۲	فہرست ابن ندیم	ابوالفرج محمد بن اسحاقؒ	نور محمد کتب خانہ

نمبرشمار	نام کتب	مصنف	مطبع
۵۲	قیمۃ الزمن	شیخ عبدالفتاح ابوغدہ مدظلہم	
۵۴	مشکوٰۃ المصابیح	محمد بن عبداللہ تبریزی	المکتب الاسلامی بیروت
۵۵	مقدمۃ الفتح	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	
۵۶	مقدمۃ الشرح الکرمانی	محمد یوسف کرمانی	دار احیاء التراث العربی
۵۷	مقدمۃ انوار الباری	مولانا سید احمد رضا صاحب	مکتبہ ناشر العلوم دیوبند
۵۸	مقدمۃ لامع الدراری	شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ	مکتبۂ امدادیہ باب العمرہ مکہ مکرمہ
۵۹	مقدمۃ السعایۃ	مولانا عبدالحی لکھنویؒ	سہیل اکیڈمی، لاہور
۶۰	مرقات (شرح مشکوٰۃ)	ملا علی قاری	مکتبۂ امدادیہ، ملتان
۶۱	مآثر حکیم الامتؒ	حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ	
۶۲	معجم البلدان	یاقوت بن عبداللہ حموی	دار احیاء التراث العربی
۶۳	مقدمۃ اوجز المسالک	شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ	ادارہ تحقیقات اشرفیہ ملتان
۶۴	مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں	مولانا محمد عمران ندویؒ	مجلس نشریات اسلام
۶۵	مخزن اخلاق	مولانا رحمت اللہ سبحانیؒ	
۶۶	مفتاح السعادۃ	طاش کبری زادہ	دار الباز للنشر مکہ مکرمہ
۶۷	نیرنگ خیال	مولانا محمد حسین آزاد	مطبوعہ رئیس پریس کراچی
۶۸	نقش دوام	مولانا انظر شاہ کشمیری	المکتبۃ البنوریہ
۶۹	نزہۃ الخواطر	مولانا عبدالحی لکھنویؒ	دائرۃ المعارف العثمانیہ۔ دکن
۷۰	نفح الطیب	احمد بن محمد مقری	دار الکتاب العربی
۷۱	نفحۃ العنبر	مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ	مجلس علمی کراچی
۷۲	وقت کا سفر	پروفیسر سٹیون ہاکنگ ترجمہ ناظر محمود	
۷۳	وفیات الاعیان	ابن خلکان	دار صادر بیروت
۷۴	البینات نمبر		جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن

رائے گرامی

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ! برادر عزیز مولانا ابن الحسن عباسی سلمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف لطیف "متاعِ وقت اور کاروانِ علم" نظر نواز ہوئی عزیز موصوف جب دار العلوم میں پڑھتے تھے تو اسی وقت سے ان میں پڑھنے لکھنے کا ذوق دوسرے طلبہ کے مقابلے میں نمایاں تھا اور یہ کتاب اُن کے اسی ذوقِ لطیف کی آئینہ دار ہے۔ انہوں نے ایک اچھوتے موضوع پر قلم اٹھایا ہے "وقت" انسان کی زندگی میں کیا اہمیت رکھتا ہے اور اس کا صحیح مصرف کیا ہونا چاہیے؟ اور اس امت کے اکابر نے وقت کے ایک ایک لمحے سے کس طرح فائدہ اٹھایا اور اس سلسلے میں ہمارے لئے کیا نقوش چھوڑے؟ یہ ہے اس کتاب کا موضوع جسے مؤلف موصوف نے بڑے دلکش اور دلچسپ پیرائے میں سمجھایا ہے زبان سلیس اور شگفتہ ہے اور مضمون مفید ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی اتنا ہے کہ شروع کرنے کے بعد اسے چھوڑنا مشکل ہوتا ہے دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے آمین۔

محمد تقی عثمانی

مکتبہ عمر فاروق
4/491 شاہ فیصل کالونی
کراچی پوسٹ کوڈ 75230